مُصحف

نمرہ احمد

کمپوزرز: وقار عظیم، روشنی، بسمہ، حسیب، امید، تتلی، مہرین فاطمہ، ڈاکٹر فاطمہ، تتلی

پروف ریڈر: وقار عظیم، روشنی، بسمہ

کتابی شکل: روشنی (پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام)

مصحف

سنہری صبح بھیگ رہی تھی جب وہ سست روی سے چلتی بس اسٹاپ تک پہنچی۔ کندھے پہ بیگ لٹکائے ہاتھ میں پانی کی چھوٹی بوتل پکڑے چہرے پہ ڈھیروں بے زاری لیے وہ بینچ کے قریب آئی جہاں بیٹھ کر روز وہ دس منٹ بس کا انتظار کرتی تھی۔

اس نے بیگ ایک طرف رکھا اور بینچ پر بیٹھ گئی۔ پھر ایک ہاتھ سے جمائی روک کر دوسرے سے پانی کی بوتل لبوں کو لگائی۔ گرمی آج کل بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ صبح ہی صبح اسے پسینہ آنے لگا تھا۔ جانے آگے کیا ہو گا۔ وہ گھونٹ بھرتی بے زاری سے سوچ رہی تھی۔ چہرے پہ بھی وہی اکتائے تاثرات تھے جیسے دنیا بھر سے خفا ہو۔ سنہری پیشانی پر مستقل پڑے بل اور کانچ سی خوبصورت بھوری سنہری آنکھوں میں چھائی خفگی۔۔۔

کچھ تھا اس میں جو اسے سارے میں یکتا بناتا تھا

لمبے کرتے اور جینز میں ملبوس رسی کے انداز میں ڈوپٹہ مفلر کے انداز میں گردن میں لپیٹے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ پاؤں جھلاتی؛ تنقیدی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور تب ہی اسے احساس ہوا کہ وہ سیاہ فام

لڑکی آج بھی بینچ پہ اس کے ساتھ بیٹھی ہے

ان دونوں کے درمیان میں اس کا بیگ رکھا تھا اور اس وقت وہ سیاہ فام لڑکی سر جھائے نگاہ ترچھی کیے اس کے بیگ کو دیکھ رہی تھی جہاں جگہ جگہ چاک اور واٹنرز سے اس نے اپنا نام لکھ رکھا تھا

محمل ابراہیم۔۔ محمل ابراہیم۔۔

Mehmal Ibraheem

آڑا ترچھا چھوٹے بڑے ہر انداز میں یہی لکھا تھا وہ لڑکی کبھی کبھی اس کے بیگ کو دیکھتی تھی لیکن محمل کے تو روز کے دس منٹ اس لڑکی کا جائزہ لینے میں گزرتے تھے

وہ بھی عجیب پراسرار کردار تھی۔ یہاں اسلام آباد میں سیاہ فام نظر آجاتے ہی تھے مگر وہ اپنے جیسوں سے مختلف تھی سر پر رومال باندھ کر گردن کے پیچھے گرہ لگاتی اور نیچے اوور کوٹ موٹے ہونٹ سیاہ رنگت۔۔ مگر چمکیلی آنکھیں۔۔ کوئی ایسی چمک تھی ان میں کہ محمل کبھی ان میں دیکھ نہ پاتی ہمیشہ نگاہ چرا جاتی۔۔ شاید ڈیڑھ مہینہ قبل وہ اسے اپنے مخصوص اوقات میں اسٹینڈ پر دیکھتی تھی۔ اور ان ڈیڑھ ماہ میں ان کا انداز ہمیشہ یکساں رہا تھا کمر سیدھے رکھے الرٹ سی بینچ پہ بیٹھی خاموشی سے سامنے سیدھ میں دیکھتی۔ وہ بہت چپ سی لڑکی معلوم نہیں کون تھی اور پھر اس کی وہ پراسرار سی کتاب۔۔۔ سیاہ جلد والی بھاری سی کتاب جس کا سیاہ سرورق بالکل خالی تھا۔ اس کی گود میں دھری ہوتی اور اس کے سیاہ ہاتھ اس کے کناروں پر مضبوطی سے جمے ہوتے تھے۔ اس کے

اندازے کچھ خاص جھلکتا تھا۔ کتاب کی حفاظت کا احساس یا شاید اس کے بیش قیمت ہونے کا

کتاب بالشت بھر موٹی تھی۔ صفحوں کے جھلکتے کنارے پیلے اور خستہ لگتے تھے۔ جیسے کوئی بہت قدیم کتاب ہو۔

سیکنڑوں برس پرانا کوئی نسخہ ہو۔ کچھ تھا اس میں کوئی قدیم راز کوئی پراسرار کتھا۔ وہ جب بھی اس کتاب کو دیکھتی

تھی یہی سوچتی تھی۔ اور آج جانے کیا ہوا وہ اس خاموش لڑکی سے مخاطب سی ہو گئی شاید متجس عاجز کر رہا تھا

ایکسکیوزمی! ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟

پوچھو۔۔ سیاہ فام لڑکی نے اپنی چمکیلی آنکھیں اٹھائیں

یہ کتاب کس کی ہے؟

میری!۔۔

میرا مطلب ہے اس میں کیا لکھا ہے؟

وہ چند لمحے محمل کا چہرہ دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی

میری زندگی کی کہانی!!۔۔۔

اچھا! وہ حیرت نہ چھپا سکی۔۔ میں سمجھی یہ کوئی قدیم کتاب ہے

قدیم ہی ہے صدیوں پہلے لکھی گئی تھی

تو آپ کو کہاں سے ملی؟

مصر کی ایک پرانی لائبریری سے یہ کچھ کتابوں کے بیچ پڑی تھی جب میں نے اسے نکالا تو اس پر زمانوں کی گرد

تھی

وہ محبت سے سیاہ جلد پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی

میں نے وہ گرد جھاڑی پھر اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ پھر جب پڑھا تو معلوم ہوا اسے تو کسی نے میرے لیے لکھوا کر ادھر رکھ دیا تھا۔

محمل منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

تمہیں کیا دلچسپی ہے اس میں؟

میں اس کے بارے مزید جاننا چاہتی ہوں کیا میں اسے پڑھ سکتی ہوں؟

وہ ہلکا سا مسکرائی

تم نئے دور کی نئی لڑکی ہو؛ اس قدیم زبان میں لکھے نسخے کو کہاں سمجھو گی؟

مگر یہ ہے کیا؟ اس میں کیا لکھا ہے؟ وہ تجسس اب اسے بے چین کر رہا تھا

میرا ماضی۔۔۔

اسی پل ہارن بجا تو محمل نے چونک کر سڑک پر آتی بس کو دیکھا

میرا حال۔۔۔وہ سیاہ فام لڑکی کہہ رہی تھی

محمل بیگ کا اسٹریپ پکڑے کھڑی ہوئی اسے جلدی کالج پہنچنا تھا

اور میرا مستقبل بھی مجھے کیا پیش آنے والا بھی مجھے کیا پیش آنے والا ہے یہ کتاب سب بتا دیتی ہے

میں چلتی ہوں۔۔وہ بس کی طرف دیکھ کر معذرت خواہانہ انداز میں آگے بڑھ گئی

اس میں تمہارا ذکر بھی ہے محمل۔۔وہ الٹے پیروں مڑی

میرا ذکر؟ میرے بارے کیا لکھا ہے؟ وہ ششدر رہی تو رہ گئی تھی

یہی کہ میں تمہیں یہ کتاب دے دوں لیکن میں تو تمہیں اس وقت ہی دوں گی جب تم تھک کر خود ہی مجھ سے

مانگنے آوگی

کیونکہ اس میں تمہاری زندگی کی کہانی بھی ہے جو چکا اور جو ہونے والا ہے سب لکھا ہے

بس کا تیز ہارن پھر بجا وہ کچھ کہے بنا تیزی سے اس کی طرف لپکی راڈ پکڑ کر اوپر چڑھتے اس نے پل بھر اس کی

طرف پلٹ کر دیکھا

وہ سیام فام لڑکی اسی طرح مسکرا رہی تھی

پراسرار معنی خیز مسکراہٹ۔۔محمل کو ایک دم اس سے بہت ڈر لگا تھا

کالج کے بعد وہ اپنی دوست نادیہ کے ابو کی اکیڈمی میں سیونتھ کلاس کے بچوں کو سائنس اور میتھس پڑھاتی تھی

گھر پہنچتے پہنچتے اسے روز ساڑھے تین ہو جاتے تھے

گیٹ عبور کر کے پورچ میں دیکھا تو تین گاڑیاں آگے پیچھے کھڑی تھیں۔ دل کراہ کر رہ گیا۔ گھر میں گاڑیوں کی قطار کے باوجود بسوں میں دھکے کھانے پر مجبور تھی

ہم چچاؤں کے رحم و کرم پر پلنے والے یتیموں کے نصیب بھی کتنے یتیم ہوتے ہیں نا۔۔ خود پر ترس کھاتی وہ اندر آئی تھی

لاونج میں خاموش دوپہر اتری تھی۔ وہ سب کے سونے کا ٹائم تھا۔ اس کے سب سے بڑے تایا اس وقت تک آفس سے لوٹ آئے تھے ان کی کچی نیند کے باعث پورے گھر کو حکم ہوتا تھا کہ پتہ بھی نہ کھڑکے ورنہ وہ ڈسٹرب ہوں گے

حکم بظاہر پورے گھر کو اور حقیقت میں محمل اور مسرت کو سنایا جاتا تھا اور آخر میں جب آغا جان کی بیگم تائی مہتاب ان الفاظ کا اضافہ کرتیں

اور مسرت! ذرا اپنی بیٹی کو سمجھا دینا کہ جب لور لور شہر پھرنے سے فارغ ہو جائے تو گھر آتے ہی مین ڈور آرام سے کھولا کرے۔ آغا صاحب کی نیند خراب ہوتی ہے۔ اب میں کچھ کہوں گی تو اسے برا لگے گا۔ گز بھر کی تو زبان ہے اس کی۔ نہ چھوٹے کا لحاظ نا بڑے کا ادب۔ استغفر اللہ

"ہماری بیٹیاں بھی تو کالج میں پڑھتی ہیں ان کے انداز تو ایسے نہ نکلے جیسے محمل کے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ تو اسے آگے ہی لگ جاتی تھی

دروازہ کھولتے ہوئے یہی فقرہ سماعت میں گونجتا تو وہ چڑنے کے باوجود دروازہ آہستہ بند کرتی۔

کچن کیطرف آئی تو سنک میں جھوٹے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ناگواری سے ناک چڑھائے، اس نے بیگ سلیب پر رکھا اور ہاٹ پاٹ کیطرف بڑھی۔ صبح ناشتے کے بعد سے اب تک کچھ نہ کھایا تھا، اور اب زوروں کی بھوک لگی تھی۔

ہاٹ پاٹ کھولا تو خالی تھا۔ رومال پر روٹی کے چند ذرے بکھرے تھے۔ اس نے فریج کھولنا چاہا تو وہ لاکڈ تھا۔ مہتاب تائی اس کے آنے سے قبل فریج لاک کر دیتی تھیں۔ مسرت اس کے لئے کھانا بچا کر ہاٹ پاٹ میں رکھتی تھیں، مگر جب سے مہتاب تائی نے کھانے کی خود نگرانی شروع کی تھی، ہاٹ پاٹ ہر تیسرے دن خالی ہی ملتا تھا۔

تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن پھر ضبط کر کے باہر نکلی اور آہستہ سے گیٹ عبور کر کے کالونی کے باہر نکڑ والے ہوٹل سے ایک نان اور ایک کباب لے آئی کہ اتنے ہی پیسے تھے۔

واپسی پہ پھر سے پرانی مُحمل بن چکی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر دھڑام سے بند کیا۔ فرش پہ پڑی فٹ بال اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پہ ماری اور صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی نان کباب کا لفافہ کھولنے لگی۔

لمحے بھر بعد ہی آغا جان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور تنتناتی ہوئی تائی مہتاب باہر آئیں۔

محمل!" وہ گرجیں تو اس نے آرام سے سر اٹھایا۔"

"کباب کھائیں گی تائی اماں؟"

"شٹ اپ ہزار دفعہ کہا ہے کہ آرام سے دروازہ کھولا کرو مگر تم۔۔۔"

آہستہ بولیں تائی اماں! اس وقت آغا جان سو رہے ہوتے ہیں، اٹھ جائیں گے۔" وہ نان پہ کباب رکھ کر پاؤں" جھلاتی بے نیازی سے کھا رہی تھی۔

تم۔۔۔احسان فراموش۔۔ تمہیں ذرا بھر بھی احساس ہے کہ آغا صاحب دن بھر کے تھکے۔۔۔" مگر فقرہ مکمل" ہونے سے قبل ہی وہ اپنا نان کباب اٹھائے اپنے کمرے کیطرف جا چکی تھی۔

تائی مہتاب تلملاتی کلستی رہ گئیں۔

اندر مسرت آوازوں پہ جاگ چکی تھیں۔

"کیا ہوا محمل! بھابھی بیگم کیوں ناراض ہو رہی ہیں؟"

دماغ خراب ہے انکا پیدائیشی مسئلہ ہے، آپ کو نہیں پتہ؟" اس نے بے زاری سے نان کباب کا لفافہ بستر پہ" رکھ دیا۔

مگر ہوا کیا؟" ان کی نگاہ پھسل کر لفافے پہ گئی۔ "پھر باہر سے کھانا لائی ہو؟ فریج میں۔۔۔" اور پھر خود ہی" خاموش ہو گئیں۔

"آپ کے لئے لائی ہوں، آپ نے کچھ کھایا۔"

میں کھا چکی ہوں، یہ تم کھاؤ مجھے معلوم ہے تم نے کچھ نہیں کھایا۔" وہ تھکاوٹ سے مسکرائیں تو محمل نے لمحہ بھر کو ماں کو دیکھا۔ سادہ، گھسے ہوئے کاٹن کے جوڑے میں، سفید ہوتے بال اور جھریوں زدہ چہرے والی اس کی تھکی تھکی بے ضرر سی ماں جو واقعی اس عالی شان کوٹھی کی مالکن ہوتے ہوئے بھی ملازمہ لگتی تھی۔

"دل برا مت کیا کرو محمل! اللہ کا نام لیکر کھالو۔"

"مجھے غصہ آتا ہے ان لوگوں پہ اماں۔"

باہر تائی مہتاب کے بولنے کی آواز برابر آرہی تھی۔

وہ اب شور کر کے جانے کس کس کو بتا رہی تھیں۔

"ناشکری مت ہوا کرو بیٹا! انہوں نے رہنے کے لئے ہمیں چھت دی ہے، سہارا دیا ہے۔"

احسان نہیں کیا، میرے باپ کا گھر ہے۔ اسے ابا نے ہمارے لئے بنوایا تھا، یہ بزنس یہ فیکٹریاں یہ سب ابا نے خود بنایا تھا، سب کچھ ابا نے ہمارے نام کیا تھا۔"

تمہارے ابا اب زندہ نہیں ہیں محمل! وہ اب کہیں بھی نہیں ہیں۔" وہ جیسے تھک کر کہہ رہی تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی پھر سر جھٹک کر لفافہ اٹھایا۔

نان سخت ہو گیا تھا اور کباب ٹھنڈا۔ وہ بے دلی سے لقمے توڑنے لگی۔

یہ ٹھنڈا، بے لذت کھانا کھا کر وہ کچھ دیر ہی سو پائی تھی کہ ٹھا کی آواز کیساتھ کمرے کے دروازے سے فٹ بال ٹکرایا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی

باہر دیواروں پہ فٹ بال مارنے کی آواز برابر آرہی تھی۔

کچی نیند ٹوٹی تھی۔ وہ برا سا منہ بنائے، جمائی روکتی اٹھی۔ سلیپر پہنے اور ہاتھوں سے بال لپیٹتے دروازہ کھولا۔

اس کا اور مسرت کا مشترکہ کمرہ دراصل کچن کے ساتھ ملحقہ اسٹور روم تھا۔ بہت چھوٹا، نہ بہت بڑا۔ عرصہ پہلے اس کاٹھ کباڑ سے خالی کروا کے ان دونوں کو ادھر منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ باتھ روم نہ تھا، اس لئے ان کو لاؤنج پار کر کے گیسٹ باتھ روم کیطرف جانا پڑتا۔

باہر لاؤنج میں ناعمہ چاچی کے چھوٹے معاذ اور معیز فٹ بال ادھر ادھر مارتے دوڑتے پھر رہے تھے۔

"تمہیز نہین ہے تم لوگوں کو، دیکھ کر کھیلا کرو، میں سو رہی تھی۔"

کچن کے کھلے دروازے پہ کھڑی اندر کسی سے بات کرتی ناعمہ چچی فوراً مڑیں۔

اب میرے بچے کھیلیں بھی نا تمہارا تو کام ہی سونا ہے، نہ دن دیکھا نہ رات، ہر وقت پڑی بستر ہی توڑتی رہتی ہو۔"

ہاں تو میرے باپ کے پیسے سے یہ بستر آئے تھے، توڑوں یا پھوڑوں، میری مرضی۔ ابا کی ڈیتھ سے پہلے اسد چچا

تو غالباً بے روزگار تھے نا!" وہ بھی مکمل تھی سارے حساب فوراً چکا کر بے نیازی سے باتھ روم کیطرف چلی گئی۔ ادھر ناعمہ چچی بڑبڑاتی رہ گئیں۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے اپنے سلکی بھورے بال دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اونچے کیے اور پونی باندھی۔ بہت اونچی سی بھوری یہ پونی ٹیل اس پہ بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ ذرا بھی سر ہلاتی تو اونچی پونی ساتھ ہی گردن کے اوپر جھولتی۔

اس کی آنکھیں کانچ سی سنہری تھیں اور ہلکا سا کاجل بھی ان کو دہکا دیتا تھا۔ وہ بلاشبہ گھر کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ اسی لئے تو جلتی ہیں یہ سب۔" اسے ہنسی آ گئی۔ ایک نظر خود پہ ڈالی۔ جینز کے اوپر کھلا سا کرتا اور گردن کے گرد لپٹا دوپٹہ، مفلر کیطرح ایک پلو سامنے کو لٹکتا اور دوسرا کمر پہ گرتا وہ واقعی سب سے منفرد تھی۔

کچن میں تائی مہتاب نگٹس نکال کر مسرت کے سامنے رکھ رہی تھیں، جو بہت تابعداری سے ایک طرف چائے کا پانی چڑھا کر دوسری طرف کڑاہی میں تیل گرم کر رہی تھین۔ اس پہ نظر پڑی تو نگٹس رکھتے ہوئے ذرا لاپرواہی سے گویا ہوئیں۔

"یہ بچوں کے لئے فرائی کر دو مسرت! اب ہر کئی تو باہر سے منہ مار کر نہیں آتا نا۔"

بجا فرمایا تائی اماں! یہاں تو لوگ گھر کے اندر ہی دوسروں کے مال پہ منہ مارتے ہیں۔" وہ اطمینان سے کہہ کر کولر سے پانی کا گلاس بھرنے لگی۔

"زبان کو سنبھالو لڑکی! توبہ ہے، ہماری بیٹیاں تو کبھی ایسے ہمارے آگے نہ بولیں۔"

آپ برا مت مانیں بھابھی بیگم! میں سمجھادوں گی۔" گھبرا کر مسرت نے ایک ملتجی نگاہ محمل پر ڈالی۔ وہ کندھا اچکا کر کھڑے کھڑے پانی پینے لگی۔

سمجھادینا، بہتر ہوگا۔" اس پہ ایک تنفر بھری نگاہ ڈال کر تائی مہتاب باہر چلی گئیں۔ ناعمہ چچی پہلے ہی جاچکی تھیں۔ اب مسرت اور محمل ہی کچن میں رہ گئے تھے۔

"اب یقیناً برتن بھی آپ کو ہی دھونے ہوں گے، اماں!"

دھو بھی دوں تو کیا ہے، ان کے احسان کم ہیں ہم پہ۔" وہ مصروف سی ایک ایک نگٹ کڑاہی میں ڈال رہی تھیں۔

محمل نے ایک گہری سانس لی اور آستینیں موڑ کر

سنک کیطرف متوجہ ہو گئی۔ اسے علم تھا کہ اگر وہ نہ کرے گی تو مسرت کو ہی کرنا ہوگا اور ابھی تو انہوں نے رات کا کھانا بھی تیار کرنا تھا۔

"رہنے دو بیٹا! میں کرلوں گی۔"

مجھے پتا ہے آپ کرلیں گی مگر میں بھی ان لوگوں پہ ذرا احسان ک رنا چاہتی ہوں۔" وہ برتن دھو کر فارغ ہوئی

تو مسرت ٹرالی بھر چکی تھیں۔

محمل یہ باہر لے جاؤ، سب لان میں ہوں گے۔" وہ بنا احتجاج ٹرالی گھسیٹنے لگی۔ لان میں روز شام کیطرح کرسیاں لگی تھیں۔

آغا کریم اخبار کھولے دیکھ رہے تھے، ساتھ ہی مہتاب تائی اور ناعمہ چچی باتیں کر رہی تھیں۔ ناعمہ چچی سب سے چھوٹے چچا اس کی بیوی تھیں، جو قریب ہی بیٹھے غفران چچا سے کچھ کہہ رہے تھے۔ غفران چچا اور محمل کے ابا آغا ابراہیم جڑواں تھے۔ آغا کریم ان سے بڑے اور اسد چچا چاروں بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے تھے۔

غفران چچا کی بیگم فضہ چچی برآمدے میں کھڑی، اپنی بیٹی کو آواز دے رہی تھیں۔ اسے ٹرالی لیکر آتا دیکھ کر مسکرائیں

"ارے محمل جان! تم اکیلی لگی رہیں، ندا یا سامیہ کو کہہ دیا ہوتا، تمہاری ہیلپ کروا دیتیں۔"

فضہ چچی، ناعمہ اور مہتاب کیطرح زبان کی کڑوی نا تھیں، بلکہ اتنی میٹھی تھیں کہ جب یہ مٹھاس اپنے لبوں سے دوسرے کے حلق میں انڈیلیتیں تو وہاں کانٹے اگ آتے تھے۔

اٹس اوکے۔" وہ بھی مسکرا کر ٹرالی آگے لے گئی۔ اب کیا کہتی کہ ندا اور سامیہ نے پہلے کونسے کام کیے تھے" جو اب کرتیں۔ اگر وہ انہیں بلاتی تو وہ فوراً چلی آتیں، ایک دو چیزیں پکڑاتیں، چولہا جلاتیں، باتیں بگھارتیں اور پھر آہستہ سے کھسک جاتیں۔ اس کے بعد لان میں فضہ چچی سب کو ایک ایک چیز "یہ چکھیں، میری سامیہ نے بنائی ہیں۔' اور میری ندا کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔" کہہ کر پیش کرتیں۔

اور محمل کو کاہلی کے وہ طعنے ملتے کہ اس سارے قضیہ سے بچنے کو محمل نے کبھی ان دونوں کو بلانے کی غلطی نہ کی تھی۔ مگر فضہ چچی کی یہ میٹھی زبان ہی تھی کہ نہ وہ کبھی ان کو پلٹ کر جواب دے سکی، نہ ہی کچھ جتا سکی تھی۔ وہ موقع ہی نہ دیتی تھیں۔

"لاؤ لاؤ، جلدی کرو دونوں ماں بیٹی لگتی ہیں، پھر بھی گھنٹہ لگ جاتا ہے۔"

تائی! آپ کوئی ملازمہ کیوں نہیں رکھ لیتیں کم از کم آپ کو ہم ماں بیٹی پر چلانا تو نہیں پڑے گا۔" وہ تیزی سے کہہ کر ٹرالی وہیں چھوڑے واپس چلی گئی سب باتیں چھوڑ کر ادھر دیکھنے لگے تھے۔

احسان کرنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔" تائی نے ٹرالی اپنی طرف کھینچی۔ آغا کریم نگاہیں چرا کر پھر سے اخبار" میں گم ہو چکے تھے۔

وہ واپس کچن کیطرف آئی تو فواد تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آرہا تھا۔

چائے لگ گئی؟" آخری سیڑھی اترتے مصروف سے انداز میں کہتے وہ کلائی پہ گھڑی باندھ رہا تھا۔"

اسنیکس لیکر گئی ہوں، چائے لاتی ہوں۔" وہ زیادہ غور سے سنے بغیر باہر نکل گیا۔ محمل رک کر لمحہ بھر کرو" اسے جاتے دیکھا۔

وہ مہتاب تائی کا بڑا بیٹا تھا۔ حنان، وسیم اس کے بعد تھے اور سدرہ اور مہرین سب سے چھوٹی تھیں۔ فواد، آغا جان کے آفس جاتا تھا، اونچا لمبا، خوش شکل تو تھا ہی مگر ڈریسنگ اور دولت کی چمک دمک سے مزید پرکشش اور ہینڈسم لگتا تھا۔ خاندان کا سب سے پاپولر لڑکا، جس پر ہر لڑکی کا دل اور لڑکی کی ماں کی نظر تھی۔ ندا اور سامیہ

ہوں، یا نا عمہ چچی کی مغرور، نخریلی آرزو، سب فواد کے آگے پیچھے پھرتیں۔ رضیہ پھپھو تو اپنی اکلوتی فائقہ کے لئے کبھی فواد کو ڈنر پر بلا رہی ہیں تو کبھی فائقہ انڈوں کا حلوہ بنا کر اس کے لئے لا رہی ہے۔ فواد میٹھا شوق سے کھاتا تھا سو یہ لڑکیاں ماؤں کے بنائے کو اپنا کہہ کر بہت شوق سے پیش کرتی تھیں۔ مگر وہ بھی سدا کا بے نیاز

تھا۔ اپنی اہمیت کا احساس تھا کہ بے نیازی اور اتراہٹ کم نہ ہوتی۔ اور وہی تو تھا جس پر مہتاب تائی گردن اونچی کر کے پھرتی تھیں، ورنہ حنان تو بمشکل ایف اے کر کے دبئی ایسا گیا کہ نہ تو پھر خط پتر لکھا، نہ ہی پھوٹی کوڑی گھر بھیجی۔ تعلیمی ریکارڈ اس کا اتنا برا تھا کہ تائی کڑھتی رہتی تھیں۔ مگر یہ وسیم تھا جس نے تائی اور آغا کریم کا ہر جگہ سر شرم سے جھکایا تھا۔

نالائق، نکما، ایف اے میں دوبار فیل ہو کر پڑھائی چھوڑ کر آوارہ گردی میں مشغول، سگریٹ کا عادی۔۔۔ اور کہنے والے تو دبے لفظوں کہہ بھی دیتے تھے کہ ان گلیوں کا بھی پرانا شناسا ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ وہ سر جھٹک کر کچن میں آئی تو مسرت جلدی جلدی کپڑے سے سلیب صاف کر رہی تھیں۔ ان کی پیالی میں آدھا کپ چائے پڑی تھی۔ ان سے کچھ کہنا بے کار تھا، اس نے ٹرے اٹھالی۔

لان میں فضہ چچی کے ساتھ والی کرسی پہ فواد بیٹھا تھا۔ وہ اسے مسکرا کر بہت توجہ سے کچھ بتا رہی تھیں اور وہ لاپروائی سے سن رہا تھا۔

محمل اس کے کپ میں چائے انڈیل ہی رہی تھی کہ وہ کہہ اٹھا۔

"میرے کپ میں چینی مت ڈالنا۔"

نہیں ڈالی۔" وہ پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے اٹھا کر دے رہی تھی۔"

ارے بیٹا! چینی کیوں نہیں پی رہے؟" فضہ چچی بہت زیادہ فکر مند ہوئیں۔"

"یونہی کچھ ویٹ لوز کرنے کی کوشش کر رہا ہون۔"

اتنے تو اسمارٹ ہو اور کیا لوز کرو گے؟" آرزو اسی پل سامنے والی کرسی پہ آ بیٹھی تھی۔ "اور میری چائے

"مین آدھا چمچہ چینی محمل!۔

وہ فواد کے بالکل سامنے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھی تھی۔ چست سا سفید ٹراؤزر اور اوپر قدرے کھلے گلے والی ریڈ

شارٹ شرٹ۔ کندھوں تک اسٹیپ میں کٹے بال، اور گندمی عام سا چہرہ جس کو بہت محنت سے اس نے

قدرے پرکشش بنایا تھا مگر پتلی کمان سی آئی براؤ اس کو بہت شاطر دکھاتی تھیں۔

فٹ تو رکھنا پڑتا ہے خود کو۔ محمل! یہ کباب تو پکڑانا۔" فواد نے ہاتھ بڑھا کر کہا تو محمل نے فوراً کباب کی

پلیٹ اٹھا کر دینی چاہی اور دیتے دیتے اس کی انگلیاں فواد کی ہاتھوں سے مس ہوئیں۔ وہ چونکا، تو گھبرا کر محمل

نے پلیٹ چھوڑ دی۔ وہ گر جاتی اگر وہ تھام نہ لیتا۔ محمل نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ پلیٹ پکڑے یک ٹک اسے

دیکھ رہا تھا۔ چونک کر، سب کچھ بھول کر، جیسے اسے پہلی دفعہ دیکھا ہو۔ بس لمحے بھر کا عمل تھا اس نے رخ پھیر

لیا تو وہ بھی دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

فضہ چچی اور آرزو کسی اور طرف متوجہ تھیں۔ کسی نے بھی وہ لمحہ محسوس نہ کیا تھا جو آ کر گزر بھی چکا تھا۔ اور فواد،

وہ وقفے وقفے سے اس پہ ایک نگاہ ڈالتا تھا، جو پنجوں کے بل گھاس پہ بیٹھی سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔ ذرا سا سر جھکاتی تو بھوری پونی ٹیل اور اونچی لگتی۔ سر اٹھاتی تو پونی ساتھ ہی جھولتی اور وہ کانچ سی سنہری آنکھیں ان ساری لڑکیوں کے پاس اس جیسا کچھ بھی تو نہ تھا۔

وہ چائے کے سپ لیتا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

شام میں وہ کمرے میں بند پڑھتی رہی، پھر مغرب ڈھل گئی تو کچن میں آ گئی جہاں مسرت پھرتی سے کٹنگ بورڈ پہ پیاز ٹماٹر کاٹتی رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کچن میں اور کوئی نہ تھا اور سارا پھیلاوہ یقیناً انہی کو سمیٹنا تھا۔

اماں! یہ تائی اماں یا چاچیوں میں سے کوئی کھانے کی ذمہ داری کیوں نہیں لیتا؟ ہمیشہ آپ ہی کیوں بناتی ہیں؟" وہ یہ سب دیکھ کر ہول گئی تھی۔

تو ہمارا گھر ہے بیٹا! میں یہ کر دوں گی تو کیا ہو جائے"

گا؟"

"آپ تھکتی نہیں ہیں ان کی خدمت کرتے کرتے؟"

نہیں، تھکن کیسی؟" وہ اب جھک کر چولہا جلا رہی تھیں۔"

"اچھا بتائیں، کیا بنانا ہے؟ میں کچھ کردوں۔"

بریانی تو بنانی ہی ہے، باقی مہتاب بھابھی سے پوچھتی ہوں۔" اور اس پل مہتاب تائی نے کچن کے دروازے سے جھانکا۔

"کھانا بنانا اب شروع کردو مسرت! روزیر ہو جاتی ہے۔"

مسرت چولہا جلاتے فوراً پلٹی۔ "جی بھابھی بس شروع کر رہی ہوں، آپ بتائیں، بریانی کا وسیم بیٹا کہہ گیا تھا، ساتھ کیا بناؤں؟" وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ان کے سامنے جا کر پوچھنے لگیں۔

ساتھ ہی مٹر قیمہ بنادو، کباب بھی تل لینا اور دوپہر والا روی گوشت بھی گرم کر لینا، آلو کا ایک سالن بھی بنا لو، سلاد رائتہ بھی نہ بھولنا۔"

"جی اور میٹھے میں؟"

دیکھ لو۔" وہ بے نیازی و نخوت سے گویا ہوئیں۔ "پڈنگ بنالو، یا ڈبل روٹی کی کھیر۔" اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈال کر پلٹ گئیں۔

ایک ٹائم پہ دیگچے بھر بھر کے آپ تین تین چار چار ڈشز بناتی ہیں، مگر رات کے لئے کچھ بچتا ہی نہیں ہے۔" وہ کلستی بھی تھی اور حیران بھی ہوتی تھی۔

تم خود ہی تو کہتی ہو کہ ہمارا اماں حرام طریقے سے کھاتے ہیں پھر حرام میں برکت کہاں ہوتی ہے بیٹا۔" ان کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی اور کہہ کر وہ پھر سے کٹنگ بورڈ پہ جھک گئیں۔

وہ بالکل چپ سی ہو گئی۔ واقعی کیوں یہاں دیگچے کے دیگچے ایک وقت کے کھانے پہ ختم ہو جاتے تھے، اس نے تو کبھی اس پہلو پہ سوچا ہی نہ تھا اور اماں بھی ان کے ہر ظلم و زیادتی سے آگاہ تھیں، پھر بھی چپ چاپ سہے جاتی تھیں۔

ہمارا اماں!" دل مین ایک کانٹا سا چبھا گیارہ برس قبل ابا کی ڈیتھ سے پہلے یہ فیکٹریاں، یہ جائیدادیں بینک بیلنس یہ امپورٹ ایکسپورٹ کی پوری بزنس ایمپائر، سب ابا کا تھا اور یہ آغا کریم یہ راجہ بازار کے کپڑے کی ایک دکان چلاتے تھے۔ غفران چچا ایک معمولی سی کمپنی میں انجینیر بھرتی تھی اور آرزو کے والد اسد چچا وہ تو وسیم کیطرح تھے بے روزگار، نکمے، نکھٹو اور نالائق پھر کیسے ابا کے چہلم کے بعد وہ اپنے کرائے کے گھر خالی کر کے باری باری ادھر آن بسے۔ یہ آغا ابراہیم کا گھر "آغا ہاؤس" تین مزلہ عالی شان محل نما کوٹھی تھی، نچلی مزن پہ آغا کی فیملی نے بسیرا جمایا بلائی منزل پہ فضہ چچی نے اور سب سے اوپری منزل پہ اسد چچا کی فیملی کا قبضہ تھا۔ وہ چند دن کے لئے آئے تھے، مگر پھر وہ چند دن کبھی ختم نہ ہوئے۔ بات بے بات جگہ کی کمی کا رونا رویا جاتا، یہاں تک کے کہ ماسٹر بیڈروم سے مسرت اور محمل کو نکال کر اسٹور روم میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ اس وقت چھوٹی تھی۔ شاید نو دس برس کی مگر جیسے جیسے شعور کی مزلیں پار کیں، تو اندر ہی اندر لاوا پکتا رہا، اب تو عرصہ ہوا اس نے کہنا چھوڑ دیا تھا۔ گھر کے مردوں کے سامنے تو خیر وہ زبان بند ہی رکھتی مگر تائی چچیوں سے برابر کا مقابلہ کرتی اور کزنز تو کسی

کھاتے میں نہ تھیں۔ لیکن اس زبان چلانے کے باعث اس پہ سختیاں بڑھتی گیئں۔ وہ محض زبان سے جواب دے سکتی تھی مگر تائی اماں وغیرہ دوسرے حربے بھی استعمال کرتے۔ جب سے اس نے اپنی ذاتی جیب خرچ کے لئے ایک دوست کی اکیڈمی میں ٹیوشنز دینی شروع کی تھیں اس کو گھر واپسی میں دیر ہو جاتی اور نتیجتاً یا قصداًاس کے لئے دوپہر کا کھانا نہ رکھا جاتا۔ ایک دفعہ اماں ایک روٹی اور سالن کی پلیٹ بچا کر کمرے میں لے گیئں، مگر تائی مہتاب کی نگاہ پڑ گئی اور گھر میں بونچال ہی آ گیا۔ وہ باتیں سنائیں مسرت کو ایسے ایسے "چوری" کے الزامات و القابات سے نوازا کہ مسرت پھر کبھی اس کے لئے کچھ نہ بچا سکیں۔ شاید تائی یہ سب اس لئے کرتی تھیں

تا کہ وہ ٹیوشن چھوڑ دے اور جو پندرہ سو روپیہ اس ٹیوشن سے ملتا ہے، وہ اسے نہ ملا کرے۔ اور ٹیوشن کی اجازت بھی تو کتنی منتوں سے اسے ملی تھی۔ جب سب کے سامنے ہی اس نے پوچھ لیا تو شروع میں تو سب ہی اکھڑ گئے لیکن اس کا فقرہ کہ "ٹھیک ہے، آج یکم تاریخ ہے، لائیے آغا جان! میری پاکٹ منی نکالئے مگر وہ اتنی ہی ہو جتنی سدرہ اور مہرین باجی کو ملتی ہے کیونکہ اگر مجھے پاکٹ منہ نہ ملی تو میں سدرہ اور مہرین کے ہر اچھے اور مہنگے جوڑے کو آگ لگا دوں گی۔" اور وہ پہلی دفعہ اتنی جنونی ہو کر بولی تھی کہ مزید دس منٹ کی

بحث کے بعد اسے اجازت مل ہی گئی تھی اور ابھی جو اماں نے یاد دلایا کہ وہ لوگ ان کا مال کھاتے ہیں، تو وہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ کچھ ایسا ضرور ہے کہ آغا جان اس بیس سالہ لڑکی سے خائف ہیں۔ اگر کبھی جو وہ اپنا حصہ مانگنے کھڑی ہو جائے تو۔۔ تو کیا ان کا کیس اتنا کمزور ہے کہ وہ عدالت کا فیصلہ اپنے حق میں نہ کرا سکیں گے اور انہیں ہر چیز محمل کے حوالے کرنی پڑے گی؟ اور کیا وہ بیس سالہ لڑکی اتنی باہمت ہے کہ وہ ان سب کو ان شطرنج کے اتنے بڑے ماہر اور چالباز کھلاڑوں کو اپنی انگلیوں پہ نچا سکے؟

جواب ایک زوردار "نہیں" تھا۔ وہ کبھی بھی ان کے خلاف اٹھ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن۔۔ اگر کبھی اس کے ہاتھ ان کی کوئی کمزوری لگ جائے، کوئی دکھتی رگ جسے دبا کر وہ اپنے سارے حساب چکتا کر سکے، تو کتنا مزہ آئے۔۔ مگر ایسی دکھتی رگ کیا ہو سکتی تھی ان کی؟

بات سنو۔" مہتاب تائی نے پھر کچن میں جھانکا تو وہ اپنے خیالات کی بہکتی رو سے چونکی۔

فواد کہہ رہا ہے میٹھے میں چاکلیٹ سوفلے ہونا چاہیے یوں کرو، ابھی ساتھ ساتھ شروع کر دو اور ہاں کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ بہت عرصے بعد میرے بیٹے نے کسی خاص میٹھے کی فرمائش کی ہے۔" بہت مان و فخر اور تنبیہہ بھرے انداز میں کہہ کر وہ پلٹ گئیں اور محمل کے ذہن کی بھٹکتی رو اسی ایک نکتے پہ منجمد ہو گئی تھی۔

"!میرا بیٹا۔۔۔ میرا بیٹا"

تو آغا جان اور مہتاب تائی کی کمزوری دکھتی رگ اور تڑپ کا پتہ سب کچھ "فواد" ہی تھا۔

اور اگر۔۔ اگر جو یہ دکھتی رگ اس کی انگلی تلے آ جائے تو۔؟

"محمل! یہ آلو کاٹ دو۔ میرا خیال ہے آلو انڈے بھی بنا لیتے ہیں، سب شوق سے کھاتے ہین۔"

ہون۔" وہ سوچ میں گم ان کے قریب آئی اور آلو چھیلنے لگی۔"

مسرت نے بریانی کا مسالا بنایا، قیمہ مٹر بھی پکنے کے قریب تھا۔ محمل نے شامی کباب تلے، پھر آلو انڈے کا سالن، سلاد رائتہ، سب بنا چکی تو مسرت روٹی پکانے لگیں۔

"فواد کے لئے سوفلے بنا کر فریج میں رکھ دیا تھا نا۔؟"

جی اماں! آپ فکر ہی نہ کریں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اسے شام لان میں فواد کا خود کو چونک کر دیکھنا اور لمحے بھر کو مبہوت ہونا یاد آیا تھا۔ جو غلطی خاندان کی ساری لڑکیاں کرتی تھیں وہ محمل کو نہیں دہرانی تھی۔ اسے اپنی اہمیت نہیں گنوانی تھی، اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

ذرا دیر کو وہ ہاتھ روک کر مسرت سے نظر بچا کر باہر لاؤنج میں گئی، جہاں تمام لڑکیاں اس وقت بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

آرزو اسی چست لباس میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ فواد کی بہنیں سدرہ اور مہرین بھی قریب ہی تھیں۔ سدرہ چوبیس برس کی بہت ہی عام شکل کی لڑکی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے خواب سارا میک اپ اور جیولری گھر میں بھی زیب تن کیے رہتی۔ سیاہ بالوں مین گولڈن اسٹریکنگ بھی کرا رکھی تھی، پھر بھی زیادہ فرق نہ پڑا تھا۔

تیئیس سالہ مہرین کا البتہ قد چھوٹا تھا، کافی چھوٹا اور بال بے حد گھنگھریالے۔ وہ سارا دن اپنے بال سیدھے کرنے

یا قد لمبا کرنے کے ٹوٹکے آزماتی رہتی۔ نقش اس کے سدرہ کی نسبت بہتر تھے۔

فضہ چچی کی ندا اور سامیہ میں سے ندا بڑی تھی اور

سامیہ چھوٹی مگر سامیہ اپنے بے حد لمبے قد کے باعث بڑی لگتی تھی۔ مہرین اس سے اسی باعث خار کھاتی اور سامیہ بھی ماں کیطرح میٹھی میٹھی باتوں میں سارا دن مہرین کو مزید احساس دلاتی رہتی۔ ندا شکل کی ذرا اچھی تھی، سانولی رنگ پر بڑی بڑی آنکھیں اسے قدرے ممتاز بناتی تھیں اور تبھی آرزو اسکو نا پسند کرتی تھی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ فواد کے لئے اس کے مقابلہ پہ سامیہ کمزور جبکہ ندا ایک مضبوط امیدوار تھی۔

فواد کی بہنیں سدرہ اور مہرین تو بی اے کر کے ہی پڑھائی چھوڑ چکی تھیں جبکہ بائیس سالہ سامیہ، تئیس سالہ ندا بی اے کرنے کالج اور تئیس سالہ آرزو ماسٹرز کے لئے یونیورسٹی جاتی تھیں۔ آرزو مر مر کر پاس ہونے والوں میں سے تھی اور اس کے یونیورسٹی پہنچ جانے کی بڑی وجہ آغا جان کی سفارشیں تھیں۔ یہ سفارشیں سدرہ اور مہرین کے وقت بھی اکم آجاتیں اگر جو انہیں پڑھنے کا رتی بھر بھی شوق ہوتا۔

بات سنیں۔" اس نے بظاہر عجلت میں سب کو مخاطب کیا۔ "رات کھانے کے لئے سوفلے بنانا ہے آپ لوگوں

"میں سے کوئی ہیلپ کرائے گا؟

نہیں۔" آرزو نے ریموٹ سے چینل بدلتے اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔"

ندا اپنے ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی، لمبی سی سامیہ فوراً فون کیطرف متوجہ ہو گئی۔ مہرین نے چہرے کے آگے رسالہ کر لیا اور سدرہ بہت انہماک سے اسی وقت ٹی وی دیکھنے لگی۔

چلیں فائن۔" وہ واپس کچن میں آ گئی۔"

ڈائننگ ہال میں روز کیطرح کھانا کھایا گیا۔

محمل ہمیشہ کیطرح سب سے آخری کرسی پہ موجود تھی جو آغا جان کی سربراہی کرسی کی بالکل سیدھ میں تھی۔

مسرت ادھر ادھر چیزیں پکڑاتی پھر رہی تھیں۔

میٹھا لے آؤ۔" کھانا ختم ہوا تو مہتاب تائی نے محمل کو اشارہ کیا۔ مسرت ابھی جھوٹے برتن اٹھا کر کچن کیطرف" گئی تھیں

میٹھا تو آج نہیں بنا۔" وہ بہت اطمینان سے با آواز بلند بولی تو سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔"

"مگر۔۔" فواد نے الجھ کر ماں کو دیکھا۔ "میں نے کہا تھا کہ چاکلیٹ سوفلے بنانا ہے۔"

"جی مگر آپ کا چاکلیٹ سوفلے نہیں بنا۔"

محمل! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" تائی اماں نے گھر کا۔"

بدتمیزی؟ فواد بھائی، آپ یہ کھانے کی ڈشز گنیں۔ بریانی، مٹر قیمہ، اروی گوشت، آلو، کباب سلاد، رائتہ ذرا گن کر دیکھیں یہ سب اماں نے اکیلے بنایا ہے۔ میرے ایگزامز ہو رہے ہیں، میرے پاس وقت نہین تھا کہ بناتی اور آپ کی ان بہنوں سے کہا بھی تھا کہ فواد بھائی کے لئے سوفلے بنانا ہے، ہیلپ کروادو، مگر سب نے انکار

کر دیا۔ اب اتنا سب کرنا اور اوپر سے میٹھا بنانا ہمارے بس سے باہر تھا، سوری میں کل بنا دوں گیی یا اگر میری ماں کی تھکن سے بڑھ کر آپ کو اپنا ٹیسٹ عزیز ہے تو میں انہیں کہہ دیتی ہوں، اماں، اماں!" اس نے آواز لگائی اور جہاں لڑکیاں بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں اور مہتاب تائی کچھ سخت سنانے ہی لگی تھیں، وہ کہہ اٹھا۔ نہیں، نہیں اٹس او کے میں نے خیال نہیں کیا کہ تمہارے ایگزامز ہیں اور ممی!" اس نے ماں کو تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔ " کچن کا کام صرف محمل اور مسرت چچی کی ذمہ داری نہیں ہے، ان ساری نواب زادیوں کو بھی کہا کریں، ہاتھ تو بٹا سکتی ہیں یہ۔

"ہاں تو کرتی تو ہیں۔"

ہاں ٹھیک ہے۔" آغا خان نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے بات ختم کرنا چاہی۔ جوان بیٹا جو ان سے اونچا تھا، اس کی بات کے آگے انہیں اپنی بات کمزور لگ رہی تھی۔ تائی پہلو بدل کر رہ گئیں۔ ناعمہ چچی زیر لب کچھ بڑبڑائیں اور تو اور فضہ چچی بھی خاموش سی ہو گئی تھیں۔ لڑکیاں الگ شرمندہ

وہ اطمینان سے فواد کے اٹھنے سے قبل ہی اٹھ گئی تھی۔ مسرت کو برتن اٹھاتے پہلے تو علم بھی نہ ہو سکا کہ کیا ہوا ہے۔ اور جب ہوا تو معافی تلافی کرنے لگیں اندر آ کر محمل کو بھی ڈانٹا مگر وہ پروا کیے بغیر کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہی۔ فواد کے اٹھنے کے بعد یقیناً! تائی نے بہت سنائی تھیں، مگر فواد کے الفاظ کا اثر زائل نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کی گھر میں ایک مضبوط حیثیت تھی اور پہلی دفعہ کسی مضبوط حیثیت والے نے محمل اور مسرت کیطرف داری کی تھی۔ سو بہت سی خواتین رات کو کڑھتے ہوئے سوئی تھیں۔

☆☆☆

صبح کالج بس کے لئے وہ اسٹاپ پہ رکھے بینچ کیطرف آئی تو ذہن ابھی تک ادھر ہی الجھا تھا۔ بینچ پہ بیٹھے ہوئے اس نے سرسری سادیکھا، وہ سیاہ فام لڑکی اسی طرح بیٹھی تھی۔ گود میں رکھی کتاب کے کناروں پہ مضبوطی سے ہاتھ جمائے خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

وہ جمائی روکتی بیٹھ ہی گئی، اور بے دلی سے بس کا انتظار کرنے لگی۔ اس نے وہی کل والا اجرک کا کرتا جینز کے اوپر پہن رکھا تھا اور بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ سوچ وہیں فواد کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔ صبح وہ جلدی نکلتی تھی تب تک وہ نیچے نہیں آیا ہوتا تھا۔ اس کا کمرہ دوسری منزل پہ تھا جو تھی تو غفران چچا کی آماجگاہ، مگر وہ کنارے والا کمرہ فواد کا پسندیدہ تھا سو وہ اس کو عرصہ پہلے الاٹ کر دیا گیا تھا۔ فضہ چچی کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا حسن ہی تھے، سو وہ ان کی ضرورت سے زائد تھا اور یہ تو محمل کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ کمرہ تو ابا نے بنوایا ہی اسکے لئے تھا، مگر۔

سیاہ فام لڑکی اسی خاموشی سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ بور ہونے لگی تو ادھر ادھر گردن گھمائی۔ سیاہ کتاب دیکھ کر کل کا واقعہ یاد آیا۔

"یہ کتاب کب ملی تھی آپ کو؟" بغیر تمہید کے اچانک سوال۔ اس لڑکی نے اطمینان سے گردن اس کیطرف موڑی۔

"دو سال پہلے۔"

"یہ کس نے آپ کے لئے خصوصاً چھوڑی تھی؟"

ہے کوئی۔" وہ ذرا سا مسکرائی، موٹی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔"

آپ کو اچھا لگتا ہے وہ؟" اس نے غور سے اس چمک کو دیکھا۔"

"بہت زیادہ۔"

"آپ اسے کیسے جانتی تھیں؟ میرا مطلب ہے یہ صدیون پرانی کتاب ہے۔۔"

"بس میں جانتی ہوں۔"

"اور یہ کتاب۔۔یہ آپ کو آپ کا ماضی، حال اور مستقبل کیسے دکھاتی ہے؟

اس میں سب لکھا ہے، گزرے واقعات اور وہ جو میرے ساتھ پیش آنے والا ہے اور مجھے ایسے موقع پہ کیا کرنا ہے سب لکھا ہے۔"

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ سیاہ فام لڑکی اسے بہت عجیب بات بتا رہی تھی۔ جانے کیسی پر اسرار بھید بھری کتاب تھی وہ۔

"آپ کو اس سے کتنا فائدہ ہوتا ہے؟"

"جتنا تمہاری سوچ سے بھی اوپر ہے۔"

"تو آپ کے تو بہت مزے ہوں گے، آپ اس کو پڑھ کر سب کھ جان جاتی ہوں گی۔"

ہاں، مگر اس میں کچھ عمل ہیں، پہلے وہ پرفارم کرنے ہوتے ہیں، پھر ہر چیز ویسے ہی ہوتی ہے جیسے اس میں لکھا آتا ہے۔"

عمل؟ عملیات؟" وہ چونکی اندر کوئی الارم سا بجا۔ یہ تو کوئی سفلی علم کی ماہر بیٹھی تھی، اسے ذرا احتراز برتنا چاہیے۔

ہاں۔" سیاہ فام لڑکی مسکرائی۔" جو وہ عملیات کرلے، وہ اس کتاب کے ذریعے دنیا پہ راج کرتا ہے، سب لوگ اس کی مٹھی میں آجاتے ہیں، اور ہر شے اس کے لئے تسخیر ہو جاتی ہے۔ صرف میں نہیں، تم بھی اس کتاب کا خاص علم سیکھو تو تمہیں اس کے الفاظ میں اپنا ماضی حال اور مستقبل نظر آنے لگے گا۔"

اور۔۔۔ اور اس کے بعد؟ وہ سحر زدہ سی سوال پہ سوال کیے جا رہی تھی۔

"اس کے بعد تم اس کتاب کو چھوڑ نہیں سکتیں، تمہیں اپنی زندگی اس سے باندھ کر ہی گزارنی ہوگی۔"

"اور اگر مین اسے چھوڑ دوں تو؟"

تو تم تباہ ہو جاؤ گی، تمہاری ہر چیز، ہر محبت، سب تباہ ہو جائے گا۔ اس کو لیکر تم چھوڑ نہیں سکتیں۔ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔"

مخمل گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میری بس۔۔۔۔" اسی پل بس قریب آتی نظر آئی،وہ دوڑ کر بس کیطرف جانے لگی۔

تم ایک دن ضرور آؤ گی میرے پاس۔" سیاہ فام لڑکی مسکرائی تھی۔ "تم ایک دن ضرور گڑ گڑا کر یہ کتاب مانگنے آؤ گی۔ میں جانتی ہوں، تم لوگوں کی ستائی ہوئی ہو، تمہارا دل زخمی اور ہاتھ خالی ہیں اور جس دن یہ دل پوری طرح ٹوٹ جائے گا، میں تمہیں یہ کتاب دے دوں گی۔ جاؤ تمہاری بس آ گئ ہے۔"

وہ خوف زدہ سی بس کیطرف لپکی تھی۔ آج راڈ پکڑ کر اندر چڑھتے اسے پیچھے دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ جانے کیا معمہ تھا۔

☆☆☆

شام کو اس نے بہت محنت سے چاکلیٹ سوفلے بنایا اور جب وہ خوب ٹھنڈا ہو گیا تو ٹرے میں سجا کر اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگی، ابھی دوسری سیڑھی پہ ہی تھی کہ آرزو نیچے آتی دکھائی دی۔

"یہ کس کے لئے ہے؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے لمحے بھر کو رکی۔ "فادی کے لئے ہے؟"

جی انہوں نے کل کہا تو تھا، میرے پاس ٹائم کہاں تھا، آج بھی کسی کو یاد نہ آیا تو بنا ہی دیا۔" اس نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ وہ دوسری سیڑھی پہ ٹرے اٹھائے منتظر تھی کہ آرزو نیچے اترے اور وہ اوپر جا سکے۔

اور ڈنر کی تیاری کر لی تم نے؟" آرزو زینے سے اتر کر اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔"

"اماں بنا رہی ہیں۔"

"قورمہ بنا لیا؟ ممی نے کہا بھی تھا۔ تم نے چیک کیا؟"

آپ سیدھے سیدھے کہہ دیں کہ میں چلی جاؤں اور آپ یہ ٹرے فواد بھائی کو دے کر اپنے نمبر بنا لیں تو لیں"

پکڑیں۔" اس نے ٹرے زور سے اسے تھمائی۔ "مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔" اور کھٹ کھٹ سیڑھیاں اتر کر

کچن کیطرف چلی گئی۔

بدتمیز۔" وہ بڑبڑائی۔"

مگر محمل کو معلوم تھا کہ اس کی بلند آواز فواد سن چکا ہو گا اور اب آرزو جو چاہے کر لے، وہ جانتا تھا کہ کام کس نے

کیا اور نمبر کون بنانا چاہ رہا تھا۔

اور پھر یہی ہوا۔

رات کھانے پہ جب مسرت نے چاکلیٹ سوفلے لا کر رکھا تو فواد نے سب سے پہلے ڈالا۔

"یہ تم نے بنایا ہے محمل؟"

جی۔" وہ سادگی سے بولی۔"

آرزو نے ناگواری سے پہلو بدلا۔

"بہت ٹیسٹی ہے، تم ہی روز میٹھا کیوں نہیں بناتیں؟"

اتنی فارغ نہیں ہوں میں، سو کام ہوتے ہیں مجھے، ایگزام ہو رہے ہیں، میرے دل کرے گا تو بنا دیا کروں گی

ورنہ س بجا نتے ہیں، محمل سے یہ جی حضوریاں نہیں ہوتیں۔ اماں ایک پھلکا مجھے اٹھادیں۔" وہ مصروف سی اماں کے ہاتھ سے پھلکا لینے لگی، جیسے اسے فواد کے تاثرات کی پرواہی نہ ہوتی۔

وہ تائیداً سر ہلا کر سوفلے کھانے لگا مگر بار بار نگاہ بھٹک کر اس کے مومی چہرے پہ جا ٹکتی، جو بہت مگن سی ابھی تک کھانا ہی کھا رہی تھی، سوفلے کو اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

☆☆☆

وہ کچن میں کھڑی سنک کے سامنے دوپہر کے جھوٹے برتن دھو رہی تھی جب سامنے بڑی سی کھڑکی

☆☆☆

شام کو اس نے بہت محنت سے چاکلیٹ سوفلے بنایا اور جب وہ خوب ٹھنڈا ہو گیا تو ٹرے میں سجا کر اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگی، ابھی دوسری سیڑھی پہ ہی تھی کہ آرزو نیچے آتی دکھائی دی۔

"یہ کس کے لئے ہے؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے لمحے بھر کو رکی۔ "فادی کے لئے ہے؟

جی انہوں نے کل کہا تو تھا، میرے پاس ٹائم کہاں تھا، آج بھی کسی کو یاد نہ آیا تو بنا ہی دیا۔" اس نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔ وہ دوسری سیڑھی پہ ٹرے اٹھائے منتظر تھی کہ آرزو نیچے اترے اور وہ اوپر جا سکے۔

اور ڈنر کی تیاری کر لی تم نے؟" آرزو زینے سے اتر کر اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔"

"اماں بنا رہی ہیں۔"

"قورمہ بنالیا؟ ممی نے کہا بھی تھا۔ تم نے چیک کیا؟"

آپ سیدھے سیدھے کہہ دیں کہ میں چلی جاؤں اور آپ یہ ٹرے فواد بھائی کو دے کر اپنے نمبر بنالیں تو لیں پکڑیں۔" اس نے ٹرے زور سے اسے تھمائی۔ "مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔" اور کھٹ کھٹ سیڑھیاں اتر کر کچن کیطرف چلی گئی۔

بدتمیز۔" وہ بڑبڑائی۔"

مگر محمل کو معلوم تھا کہ اس کی بلند آواز فواد سن چکا ہو گا اور اب آرزو جو چاہے کرلے، وہ جانتا تھا کہ کام کس نے کیا اور نمبر کون بنانا چاہ رہا تھا۔

اور پھر یہی ہوا۔

رات کھانے پہ جب مسرت نے چاکلیٹ سوفلے لا کر رکھا تو فواد نے سب سے پہلے ڈالا۔

"یہ تم نے بنایا ہے محمل؟"

جی۔" وہ سادگی سے بولی۔"

آرزو نے ناگواری سے پہلو بدلا۔

"بہت ٹیسٹی ہے، تم ہی روز میٹھا کیوں نہیں بناتیں؟"

اتنی فارغ نہیں ہوں میں، سو کام ہوتے ہیں مجھے، ایگزام ہو رہے ہیں، میرے دل کرے گا تو بنا دیا کروں گی

ورنہ س بجانتے ہیں، محمل سے یہ جی حضوریاں نہیں ہوتیں۔ اماں ایک پھلکا مجھے اٹھا دیں۔" وہ مصروف سی اماں کے ہاتھ سے پھلکا لینے لگی، جیسے اسے فواد کے تاثرات کی پرواہ ہی نہ ہوتی۔

وہ تائیداً سر ہلا کر سوفلے کھانے لگا مگر بار بار نگاہ بھٹک کر اس کے مومی چہرے پہ جا ٹکتی، جو بہت مگن سی ابھی تک کھانا ہی کھا رہی تھی، سوفلے کو اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

☆☆☆

وہ کچن میں کھڑی سنک کے سامنے دوپہر کے جھوٹے برتن دھو رہی تھی جب سامنے بڑی سی کھڑکی

کے پار آسمانوں پر سرمئی بادل اکٹھے ہونے لگے۔ وہ ابھی تک اسفنج پلیٹوں پہ مارتے ہوئے اس سیاہ فام لڑکی کے متعلق سوچے جا رہی تھی، جس سے وہ گزشتہ کچھ دنوں سے احتراز برت رہی تھی، عین بس کے ٹائم پہ اسٹاپ پہ جاتی اور بنچ پر بیٹھنے کی بجائے ذرا فاصلے پہ کھڑی ہو جاتی، نہ تو دانستہ اس لڑکی کو دیکھتی اور نہ ہی قریب جاتی، معلوم نہیں کیوں اسے اس سے اس کی سیاہ جلد والی کتاب سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

بادل ذرا گرجے تو وہ چونکی۔ نیلگوں سنہری شام پہ ذرا سی دیر میں چھایا ہو گئی تھی، بجلی چمکی اور یکایک موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں۔

محمل نے جلدی جلدی آخری برتن دھو کر ریک میں سجائے، ہاتھ دھوئے اور باہر لان کیطرف بھاگی۔ بارش

دیکھ کر اس کا دل یونہی مچل جایا کرتا تھا۔

محمل! جاؤ مسرت سے کہو، بلکہ۔۔۔" تائی مہتاب جو برآمدے میں کرسی پہ بیٹھی لڑکیوں سے گپ شپ میں" مصروف تھیں، اسے آتے دیکھ کر حکم صادر کرتے کرتے رکیں، اس کے چہرے پہ بارش میں کھیلنے کا شوق رقم تھا۔ تائی نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر حکم میں ترمیم کر دی۔ "بلکہ جاؤ، پکوڑے بنا کر لاؤ۔ ساتھ میں دھنیے کی چٹنی "بھی ہو اور معاذ معیز کے لئے آلو کے چپس فرائی کر لو۔

اس کے چہرے پہ پھیلا اشتیاق پھیکا پڑ گیا اس نے قدرے بے بسی سے انکو دیکھا۔

مگر تائی! ابھی کیسے؟ وہ بارش۔۔۔ بعد میں کر دوں گی۔" وہ منمنائی۔"

ہاں تو بارش کے لئے ہی تو کہہ رہی ہوں۔ جاؤ شاباش، جلدی کرو اور ندا! یہ سوٹ پھر تمہیں کتنے کا پڑا تھا؟""

وہ ندا کے دوپٹے کو انگلیوں میں مسل کر ستائشی انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

صرف ڈیڑھ ہزار کا تائی! میں کل ہی آپ کو بھی لے چلتی ہوں۔ وہاں بہت اچھے پرنٹس آئے ہوئے تھے، "آپ کا کمپلیکشن تو ویسے بھی فیئر ہے، آپ پہ تو ہر رنگ ہی کھل جاتا ہے۔

وہ آپس میں مصروف ہو گئی تھیں۔ محمل پیر پٹختی اندر آئی۔

آلو چھیل کر کاٹے بیسن گھول کر رکھا تو تب تائی مہتاب نے آواز لگائی، "مکس پکوڑے بنانا، فواد کو پیازوں "والے پکوڑے بہت پسند ہیں۔

بھاڑ میں گئی اس کی پسند۔" اس نے زور سے چھری سلیب پہ پٹخی۔ آلو قتلوں میں کاٹے تھے، اب پھر سے انکو"

چھوٹا کرنا پڑے گا۔ مرچیں، پیاز بھی کاٹنے پڑیں گے۔

شدت بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آج اماں بیمار تھیں، صبح سے بخار تھا، سو اگر وہ نہ کرتی تو مسرت کو بیماری سے اٹھ کر آنا پڑتا۔ وہ ناں بھی نہیں کر سکتی تھی۔

پیاز کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے گالوں پہ پھسل رہے تھے۔ تب ہی فواد ماں کو پکارتا کچن کے کھلے دروازے پہ ٹھٹک کر رکا۔

کھلی جینز پہ لمبا کرتا اور گردن کے گرد مفلر کیطرح دوپٹہ لپیٹے، بھوری اونچی ٹیل باندھے وہ سر جھکائے کھڑی کٹنگ بورڈ پہ ٹھک ٹھک پیاز کاٹ رہی تھی۔ آنسو گالوں پہ چمک رہے تھے۔

"محمل!" وہ بے چین سا قریب چلا آیا۔ "کیا ہوا، تم رو کیوں رہی ہو؟"

میری مرضی آپ لوگوں کو کیا؟ آپ لوگوں کو تو اپنے کھانوں سے غرض ہوتی ہے۔" فواد کے دل میں جگہ بنانے کے سارے ارادے بھلا کر وہ تڑخ کر بولی۔

"پھر بھی، کسی نے کچھ کہا ہے؟"

یہاں کہتا کون ہے، سب حکم صادر کرتے ہیں۔" اس نے چھری والے ہاتھ کی پشت سے گال صاف کیا۔ "اور "مجھ سے ابھی کوئی بات نہ کریں، میں بہت غصے میں ہوں یا تو چھری ماردوں گی، یا پکوڑوں میں زہر ملا دوں گی۔

اچھا" وہ پتہ نہیں کیوں ہنس دیا۔'

وہ رک کر اسے دیکھنے لگی

کر لیا تھا کہ وہ آئندہ اس سیاہ فام لڑکے کے قریب بھی نہیں جائے گی۔ بنچ پہ بیٹھے گی، نہ ہی اس سے بات کرے گی۔ اسے ڈر تھا کہ اگر ایک دفعہ پھر اس نے اس کی آفر سن لی تو شاید وہ اسے قبول کر کے کسی ایسے گم نام راستے پہ نکل پڑے جہاں سے واپسی کا سفر نا ممکن ہو۔

☆☆☆

اس روز سدرہ کے رشتے کے سلسلے میں کچھ لوگ آرہے تھے۔ یہ خبر مسرت نے اسے تب دی جب وہ گھر بھر کی صفائیاں اور لڑکیوں کی پھرتیاں دیکھ کر حیران سی ماں کیطرف آئی تھی، ورنہ پہلے تو جب بھی سہہ پہر میں لاؤنج کا دروازہ آہستہ سے کھول کر آتی تو گھر میں سناٹا اور ویرانی چھائی ہوتی تھی اور آج۔۔۔

لمبی سی سامیہ بانس کے جھاڑو سے چھت کے جالے صاف کر رہی تھی، سدرہ ڈرائنگ روم کی ڈیکوریشن کو از سر نو ترتیب دے رہی تھی۔ ندا ماں کے سر پہ کھڑی لان کی صفائی ستھرائی میں مشغول تھی تو مہرین مہتاب تائی سے سر ہلاتے تنئے کوئی ہدایت سن رہی تھی۔ ایک آرزو ہی تھی جو ٹیرس پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی، کانوں پہ واک مین لگائے، کسی میگزین کے ورق الٹ رہی تھی۔ بے پروا، بے نیاز اور مغرور شکر کہ وہ خوبصورت نہ تھی ورنہ شاید وہ آسمان سے نیچے نہ اترتی۔

"رشتہ سدرہ کا ہے اور یہ خود غرض خاندان سارے کا سارا لگا ہوا ہے، مطلب؟"

او نہہ آہستہ بولو۔" مسرت گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا، پھر آہستہ سے بتانے لگیں۔ "دراصل بھابھی بیگم کا محض اندازہ ہے کہ رشتہ سدرہ کا ہی ہوگا۔ نعمان بھائی کی بیگم نے خصوصاً کسی کا نام نہیں لیا، سو فضہ کو شاید کچھ امید ہو۔"

"نعمان بھائی کی بیگم کون؟"

تمہارے ابا کی دور کی رشتہ دار ہیں، ان کا بیٹا فرقان ایروناٹیکل انجینیر ہے، بہت اچھا گھرانا ہے اور ایک بیٹی ہے شادہ شدہ، آسٹریلیا میں رہتی ہے۔ بیگم نعمان نے کسی کے ذریعے کہلوایا ہے۔"

اور یہ ساری لڑکیاں اس امید پر لگی ہیں کہ شاید وہ انکا رشتہ مانگ لیں۔ واٹ ربش!۔" وہ تمسخرانہ ہنس کر اپنے کمرے کیطرف چلی گئی۔

شام میں مسرت نے اسے کچن میں مدد کے لئے بلوالیا تھا۔

اچار گوشت، بریانی، سیخ کباب، فرائیڈ مچھلی اور کتنا کچھ کریں گی آپ؟" وہ برتنوں کے ڈھکنے اٹھا اٹھا کر جھانکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"یہ سب تو تیار ہے، تم میٹھے میں دو چیزیں اور رشین سلاد بنا دو اور چائے کیساتھ اسنیکس بھی۔"

چائے بھی اور کھانا بھی؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھے حُرت سے بولی۔ "اتنا کچھ کس لئے؟ کیا اتنا رشتوں کا کال تھا سدرہ باجی کے لئے؟"

"اونہہ، آہستہ بولو۔"

"میں کسی سے ڈرتی تھوڑی ہوں؟ ابھی جا کر منہ پہ بھی کہہ سکتی ہوں۔"

اور تمہارے اس کہنے پہ باتیں تو مجھے سننی پڑتی ہیں محمل!۔" وہ تھکن سے آزردہ سی بولیں تو وہ خاموش سی" ہو گئی، پھر دوپٹہ کی گرہ کس کر کام میں جت گئی۔

چائے کی ٹرالی اس نے بہت اہتمام اور محنت سے سجائی تھی۔ اس وقت بھی وہ پنجوں کے بل بیٹھی ٹرالی کے نچلے حصے میں پلیٹیں سیٹ کر رہی تھی، جب مہتاب تائی کچھ کہتی ہوئیں کچن میں داخل ہوئیں۔ سدرہ ان کے پیچھے تھی۔

"سب تیار ہے؟"

جی۔" اس نے بیٹھے بیٹھے گردن اٹھائی۔ مہتاب تائی قدرے عجلت میں نظر آ رہی تھیں۔"

ٹھیک ہے، سدرہ! تم یہ لے جاؤ اور مٹھائی کدھر ہے؟ میرا خیال ہے چائے کے بعد ہی بات پکی کر دیتے ہیں" "مٹھائی تب تک سیٹ کر لینا۔

وہ تو رشتہ مانگنے آئی ہیں تائی! بات اتنی جلدی پکی کر دیں گی؟" وہ حیران سی ہاتھ جھاڑتی کھڑی ہوئی اور"

تائی بھی کسی اور موڈ میں تھیں، سو بتانے لگیں۔

ہاں تو اب مزید کیا انتظار، لڑکا اتنا اچھا اور خوش شکل ہے، پھر ہمارے پاس کوئی کمی تھوڑی ہے۔ منگنی آرام"

سے مہینے دو تک کریں گے اور شادی سال ڈیڑھ تک۔ ایسی دھوم دھام سے شادی کروں گی سدرہ کی کہ زمانہ دیکھے گا۔" ان کے انداز سے تکبر کی بو آتی تھی۔

ایک لمحے کو محمل کا دل چاہا، نفیس سی وہ خاتون جو ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہیں، وہ سدرہ کو ناپسند کر کے چلی جائیں اور تائی صدمے سے بیمار ہی پڑ جائیں۔ آخر خود پہ غاصب لوگ کسے اچھے لگتے ہیں؟ مگر شاید ادھر تو سارے پلان بن چکے تھے۔

سدرہ نازک ہیل کی ٹک ٹک کرتی ٹرالی دھکیلتی لے گئی اور وہ خالی کچن میں خاموشی سے کرسی پہ بیٹھ گئی۔

مسرت بھی مہمانوں کے پاس تھیں، جانے کیسے تائی کو ان کے گھر کا فرد ہونے کا خیال آیا تھا اور ان کو وہیں بٹھا لیا تھا۔

"ٹشو۔۔۔ محمل ٹشو!" ناعمہ چچی نے زور کی آواز لگائی تو وہ تیزی سے اٹھی۔

"ٹشوز رکھنا بھول گئی تھی؟ اف۔" وہ ٹشو کا ڈبہ اٹھا کر بھاگی، بس لاؤنج میں لمحے بھر کو رک کر بڑے آئینے میں خود کو دیکھا۔

اونچی پونی ٹیل، سیاہ جینز پہ لمبا سفید کرتا اور گردن کے گرد مخصوص انداز میں لپٹا ایک ٹائی اینڈ ڈائی دوپٹہ جسے وہ بہت سے جوڑوں کیساتھ چلاتی تھی۔ یہ غالباً! پچھلی سے پچھلی بقر عید پہ بنوایا گیا جوڑا تھا جو اب تک خاصا گھس چکا تھا۔

"خیر، کونسا میرے رشتے کے لئے آئے ہیں۔" وہ شانے اچکا کر ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

نفیس اور باوقار سی بیگم نعمان بڑے صوفے پہ تکلف سے بیٹھیں مسکراتے ہوئے تائی مہتاب کی بات سن رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر قدرے خوش دلی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

محمل بیٹا! آپ اب آئی ہو، کب سے پوچھ رہی تھی تمہاری تائی سے۔" وہ ایک دم گڑبڑا سی گئی، لیکن سنبھل کر" آگے بڑھ کر ملی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، اتنی دیر سے پوچھ رہی تھی تمہارا۔"

"وہ میں۔۔۔۔"

ہاں آئی نو بیٹا! تم اس اہتمام میں لگی ہوئی ہو گی۔ مجھے یاد ہے جب میں کریم بھائی کی عیادت کے لئے آئی تھی" تو اس اکیلی بچی نے سارا کھانا بنایا تھا۔" وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر پیار سے دیکھتے دو برس پرانی بات کر رہی تھیں۔

وہ گھبرا کر کبھی تائی کے تنے نقوش کو دیکھتی تو کبھی سدرہ کی متغیر ہوتی رنگت کو۔ وہ تو بس ٹشو دینے آئی تھی، پھر اتنا استقبال چہ معنی وارد۔

آپ یہ ڈرم اسٹکس لیں نا بھابھی! یہ۔۔۔" تائی نے انکی توجہ بٹانی چاہی۔"

ارے، یہ تو میری فیورٹ ہے، محمل! تم نے بنائی ہیں نا! مجھے یاد ہے تم نے اس دفعہ بھی کھانے میں یہ بنائی" تھیں اور فری (بیٹی) اسپیشلی تم سے ریسپی پوچھ کر گئی تھی۔

اور اسے سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، بے بسی و بے چارگی سے وہ بمشکل سر ہلا پا رہی تھی۔ ادھر تائی مہتاب اب پریشان ہو رہی تھیں۔ یہ تو ہمیشہ ہوتا چلا آ رہا تھا، سدرہ کے رشتے کے لئے آنے والی ہر مہمان کو وہ مسرت اور محمل کی بنائی گئی چیزیں "یہ میری سدرہ نے بنائی ہیں" کہہ کر پیش کرتی تھیں، مگر جانے کب وہ خاتون ان کے گھر کی سن گن لے گئی تھیں۔

بس بھابھی! بچیاں ماشاء اللہ سب ہی سگھڑ ہیں ہمارے گھر میں۔" فضہ چچی نے بظاہر مسکرا کر بات سنبھالی" مگر قدرے بے چین وہ بھی تھیں۔ کہیں کچھ بہت غلط تھا۔

جی مگر یہ سب تو سدرہ نے بنایا ہے بے چاری صبح سے لگی ہوئی تھی۔" مسرت نے جلدی سے کہا۔"

جی جی۔" تائی مہتاب نے فوراً تائید کی۔"

ویری گڈ سدرہ۔" بیگم نعمان اب باکس پیٹیز لے رہی تھیں۔ "یہ باکس پیٹیز تو بہت اچھی بنائی ہیں۔ سدرہ! اس" "کی فلنگ میں کیا ڈالا ہے؟

اور سدرہ کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ باکس پیٹیز میں ڈلتا کیا ہے۔ وہ ایک دم کنفیوز سی ہماں کی شکل دیکھنے لگی۔

دراصل میں کوکنگ کا بہت شوق رکھتی ہوں اور میرے بچوں کا ٹیسٹ بھی بہت اعلا ہے، نعمان صاحب خود منفرد اور اچھے کھانوں کے رسیا ہیں۔ اس لئے ہمیشہ کہتے ہیں کہ بہو ڈھونڈنا تو اس کے ہاتھ کا ذائقہ چکھ کر ہی رشتہ مانگنا۔ ویسے تو آپ کی ساری بچیاں ہی ماشاء اللہ بہت خوبصورت اور سلیقہ مند ہیں مگر محمل تو مجھے خاص طور پر عزیز ہے۔ سعیدہ آپا نے تو ذکر کیا ہی ہو گا کہ میں کسی خاص مقصد کے لئے آرہی ہوں تو اب لمبی چوڑی کیا تمہید باندھوں مہتاب آپا، فرقان تو آپ کا دیکھا بھالا ہے، اللہ کا شکر ہے، اس نے ہر طرح سے نوازہ ہے ہمیں۔ "بس محمل کے لئے میں آپ لوگوں کے پاس سوال کرنے آئی ہوں، اگر ہوسکے تو اسے میری بیٹی بنا دیں؟

اور مہتاب تائی سے مزید سننا دشوار ہو رہا تھا۔

محمل! تم اندر جاؤ۔" انہوں نے بمشکل خود کو نارمل رکھتے ہوئے اشارہ کیا تو وہ جو حق دق بیٹھی سن رہی تھی، تیزی سے باہر نکل گئی۔

پیچھے کیا باتیں ہوئیں، کس نے کیا کہا، کب ان خاتون کو کھانا کھلائے بغیر رخصت کر دیا گیا اور تائی بند کمرے میں سارے بڑوں کیساتھ کیا گفتگو ہوئی، وہ ہر شے سے دور اپنے کمرے میں کان لپیٹے پڑی رہی۔

اس کا دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ عجیب سی کیفیت تھی، جیسے بند غار میں روشنی اور ہوا کا کوئی روزن کھل گیا ہو۔ بے کیف اور روکھی پھیکی زندگی میں ایک دم ہی بہت خوشگوار اور سرسبز سا موڑ آیا تھا۔ امیدیں پھر سے زندہ ہو گئی تھیں اور اسے لگ رہا تھا کہ ایک نئی زندگی بانہیں پھیلائے اس کے استقبال میں کھڑی ہے۔

"ایروناٹیکل انجینئر خوش شکل فرقان ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اچھے کھانوں کا شوقین۔"

اس کے لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے تھے۔

☆☆☆

انہوں نے سدرہ کی جگہ میرا رشتہ مانگا، کین یو بیلیوائٹ۔ میں تو اتنی شاکڈ ہو گئی تھی، اوہ گاڈ! اتنا اچھا پروپوزل ہے، وہ آنٹی اتنی لونگ اور سویٹ تھیں کہ میں تمہیں کیا بتاؤں اور پتہ ہے ان کا بیٹا ایروناٹیکل انجنئر ہے اور تم میری بات سن رہی ہو یا نہیں۔"

اس نے فائلز میں صفحے ترتیب سے لگاتی نادیہ کا کندھا ہلایا تو وہ۔

ہاں ہاں بتاؤ نا، پھر کیا ہوا؟" کہہ کر پھر سے صفحوں کی ترتیب ٹھیک کرنے لگی۔

"ہونا کیا تھا، تائی اماں کی تو شکل دیکھنے والی ہو گئی تھی۔"

اچھا!" نادیہ اب انگلش کی کتاب کے ورق الٹاتی کچھ تلاش کر رہی تھی۔ وہ دونوں کالج کے برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھیں، مخمل اسے کل کی ساری روداد سنا رہی تھی۔

تائی نے مجھے فوراً وہاں سے بھیج دیا، بے چاری! ہر چیز سدرہ کی بنائی کہہ کر پیش کر رہی تھیں مگر وہ آنٹی بہت تیز تھیں، ایسے پرخچے اڑائے اڑائے کہ تائی کئی دن تک یاد۔۔۔۔ تم میری بات نہیں سن رہی نادیہ!" اس نے خفا سی ہو کر منہ موڑ لیا۔

نہیں، نہیں سن رہی ہوں نا!" نادیہ نے بوکھلا کر فائل ایکطرف سیڑھی پر رکھی، مگر وہ منہ موڑے بیٹھی رہی۔

"اچھا بتاؤ نا! تو وہ صاحب میکنیکل انجینئر ہیں۔"

میں دو گھنٹے سے بک بک کے تھک گئی ہوں کہ وہ ایروناٹکل انجینئر ہے، تم اگر سن لیتیں تو یہ سوال نہ کرتی۔ تم اپنی فائل جوڑو، میں جا رہی ہوں۔" وہ بیگ اٹھا کھڑی ہوئی تو نادیہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔

"ارے ناراض تو نہ ہو۔"

نہیں یار! سیریسلی ناراض نہیں ہوں۔ مجھے یاد آیا، مجھے ابھی میڈم مصباح سے ملنا تھا ایک کام کے لئے، میں ذرا تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔" محمل نے بظاہر مسکرا کر کہا اور مڑ کر چل دی۔ جب وہ تیز تیز سر جھکائے چلتی تھی تو اونچی پونی تیل ساتھ ہی ادھر اسد ھر جھولتی بہت اچھی لگتی تھی۔

چند قدم دور اسنے ذرا اس امڑ کر دیکھا، نادیہ بہت آرام اور انہماک سے بیٹھی اپنی فائل میں کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ تاسف سے واپس آگے کو چلنے لگی۔ کتنی جلدی نادیہ، اس کی سو کالڈ بیسٹ فرینڈ نے، اس کی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہے گئے آخری جملے پر یقین کر لیا تھا، جیسے وہ واقعی ناراض نہیں ہے، حالانکہ وہ تھی، گھر میں امان تھیں تو کالج میں نادیہ، جن سے وہ دل کی بات شئیر کر لیتی تھی، مگر دونوں بے توجہی سے سنتی تھیں، کبھی کام میں مصروف "ہوں ہاں" کہہ دیا تو کبھی تو سنا ہی نہیں۔

اس دنیا میں کوئی بھی میرا نہیں ہے۔" وہ سامنے والے برآمدے کے ایک تنہا ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

اور اداسی سے سامنے لان کے سبزے کو دیکھا۔ سنہری اور چمکیلی صبح ہر سو بکھری تھی۔ گھاس پہ ٹولیوں کی صورت میں سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ کوئی کھانے پینے میں تو کوئی گپ شپ میں مصروف تھی، سب کی اپنی اپنی دنیا تھی اور ان میں مگن تھیں۔

کیا یہی زندگی ہوتی ہے یا کیا اس کی زندگی کی سی مشکل زندگی کسی اور کی نہ تھی؟" اس نے آزردگی سے سوچا تھا کیا مجھے کبھی وہ خوشیاں نہین ملیں گی جو میں چاہتی ہوں؟ بڑا سا گھر بے تحاشا دولت، طاقت، اثر ورسوخ، محبت کرنے والا لائف پارٹنر۔۔ کیا یہ سب میرے قدموں میں ایک ساتھ ڈھیر ہو سکتا ہے؟" اس نے ستون سے سر ٹکا کر آنکھیں بوند لیں۔ بند پلکوں پہ سنہرے خواب اتر آنے لگے۔

وہ ایرونا ٹکل انجینئر یا تو فواد ان میں سے کسی کی بھی بیوی بن جاؤں تو یہ سب کچھ میرا ہو سکتا ہے۔۔۔ سب کچھ"

" میرے قدموں میں دھیر ہو سکتا ہے۔ بلند ہر چیز کی بلندی۔۔۔

" جو وہ عملیات کر لیتا ہے، وہ دنیا پہ راج کرتا ہے۔"

کچھ ایسا ہو کہ تمہیں تنگ کرنے والے لوگ تمہارے آگے پیچھے پھرنے لگیں، مال و دولت تم پہ نچھاور ہو،"

" تمہارا محبوب تمہارے قدموں مین آگرے۔

" اور اگر میں ایسا کچھ تمہیں دے دوں تو۔۔۔؟"

اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اور اس سیاہ فام لڑکی کی سیاہ چمکیلی آنکھیں اسے یاد آئی تھیں۔

" تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو، کیا تم یہی نہین چاہتیں؟"

اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ لڑکی اپنی بھید بھری آواز میں اس کے پاس سے ہی بول رہی ہے۔

پتہ نہیں کیا کروں۔۔۔؟" اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، ایک لمحے کو اس نے وہ کتاب اس سے مانگنے کا سوچا مگر دوسرے ہی پل خوف کا غلبہ طاری ہو گیا۔

نہیں نہیں۔۔ معلوم نہیں کونسا سفلی علم ہے اس کے پاس۔۔ میں ان کاموں میں نہیں پڑوں گی۔۔ آغا جان کو علم ہوا تو ٹانگیں توڑ دیں گے میری۔"

وہ خود کو سرزنش کرتی فائل اور بیگ سنبھالے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اب اس سیاہ فام لڑکی سے کوئی بات نہیں کرنی تھی، بس! اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

البتہ دل کے کسی چھپے خانے میں اس کتاب کو حاصل کرنے کی خواہش نے بھی بہت خاموشی سے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

ان دنوں مسرت بہت خوش رہنے لگی تھیں اور وہ ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی۔

پتہ ہے محمل! بہت اچھے لوگ ہیں یہ۔ نعمان بھائی بڑے بھلے مانس انسان ہیں، اور انکا
"بیٹا تو بہت ہی خوبرو ہے۔ اللہ نے ہماری سن لی ہے وہ ضرور ہم پہ یہ رحم کرے گا۔
وہ کبھی کبھی بیٹھ کے اس کو بتانے لگ جاتیں تو وہ خاموشی سے مسکراہٹ دبائے،
سر جھکائے سنتی چلی جاتی۔ اب تو گھر کے کام بھی آرام سے کر دیتی، کچھ دن سے تائی
کو جواب دینے بھی چھوڑ دیئے تھے۔۔۔
پہلی دفعہ اس زندان سے نکلنے کی کوئی اُمید جو بندھی تھی۔۔۔
سدرہ البتہ اسے اٹھتے بیٹھتے بہت عجیب نظروں سے دیکھتی تھی۔ محمل پرواہ نہ کرتی

مگر اس روز تو حد ہی ہو گئی۔۔۔ وہ شام کی چائے کی ٹرالی دھکیلتی باہر لان میں لائی
تو سدرہ نے ایک دم اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔۔۔
شائد ابھی تک ناراض ہیں"۔ اس نے سوچا اور پھر جیسے مداوا کرنے کے لئے سب سے پہلے"
سدرہ کا کپ بنایا۔۔۔
سدرہ آپی! چائے۔" اور بہت شائستگی سے مسکرا کر کپ بڑھایا۔۔۔"

آپی۔۔۔؟ میں تمہاری آپی لگتی ہوں؟" سدرہ نے کپ لیتے لیتے زور سے پٹخ دیا۔۔ گرم ابلتی چائے محمل کے گھٹنے پہ گری، وہ بلبلا کر کھڑی ہوئی۔ کپ گھاس پہ جا گرا۔۔۔

یوں لوگوں کے سامنے آپی کہہ کر تم یہ ظاہر کرتی ہو کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔۔۔؟" سدرہ ایک دم چلاّنے لگی تھی۔ "ممی۔۔۔ ممی اس کو دیکھیں، یہ ہمیشہ یہی کرتی ہے۔۔۔ یہ ہمیشہ لوگوں کے سامنے مجھے بے عزت کرتی ہے۔" سدرہ نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔۔۔

ارے انکی تو عادت ہے، یہ ماں بیٹی تو اس گھر کی خوشی دیکھ ہی نہیں سکتیں۔۔۔ نہ میری بیٹی تو، غم نہ کر اور اب کھڑی کیا ہو، جاؤ اپنی نحوست لے جاؤ میرے سامنے سے۔" تائی مہتاب نے بھی بہت دنوں کا غصہ ایک دم نکالا۔۔۔

وہ جو شاکڈ سی کھڑی تھی، بھاگتی ہوئی اندر آئی۔۔۔

مسرت بھی پریشان سی کچن میں کھڑی تھیں۔۔۔ انھوں نے بھی سن لیا تھا، محمل کچھ کہے بغیر اندر کمرے میں بند ہو گئی۔۔۔

اندازہ تو اسے تھا ہی کہ تائی کا موڈ اس روز سے بیگم نعمان کی باتوں پہ خراب ہے مگر وہ کچھ کہہ بھی نہ رہی تھیں۔۔۔ چپ ہی سادھ لی تھی۔ شائد اس بات پہ کہ اب وہ

محمل کی ہونے والی سسرال تھی،ان سے کیا پنگا لینا۔۔۔

مگر رات میں اس کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو گئی،جب اس نے کچن میں تائی مہتاب کو مسرت سے کہتے سنا۔۔۔

"ہم نے تو اسی روز نعمان بھائی لوگوں کو انکار کر دیا تھا،محمل کی کونسا شادی کی عمر ہے،ابھی گھر کی بڑی بیٹیاں ہیں،پہلے انکی ہو گی،پھر ہی محمل کا سوچیں گے۔۔۔ چائے آغا صاحب کے کمرے میں پہنچا دو،وہ رات کا کھانا نہیں کھائیں گے اور ٹیبل لگا دو۔۔۔"

وہ حکم صادر کر کے بے نیازی سے باہر نکل گئیں۔۔۔ کچن کے دروازے پہ دھواں دھواں چہرہ لئیے کھڑی محمل پہ بس ایک استہزائیہ نگاہ اچھالی تھی،جبکہ اندر نڈھال سی بمشکل کھڑی مسرت کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا تھا،جن کے دل پہ انھوں نے الٹی برچھی پھیر دی تھی۔۔۔

****

اسے نہیں علم تھا کہ کیوں مگر وہ رات دیر تک بر آمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی روتی رہی تھی۔۔۔

اندر سب سو رہے تھے۔۔۔مسرت بھی سونے چلی گئیں تھیں۔۔۔وہ پڑھائی کا بہانہ کر کے باہر آئی تھی اور دیر سے ادھر بیٹھی بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔۔۔

کچی عمر کا پہلا خواب دیکھا تھا۔۔۔وہ بھی ایسے کرچی کرچی ہوا تھا کہ روح تک بلبلا اٹھی تھی۔۔۔

وہ اتنی ہرٹ ہوئی تھی کہ دل پھٹ رہا تھا۔۔۔کوئی اتنا بھی ظالم ہو سکتا ہے جتنی تائی تھیں۔۔۔

جتنے یہ سب لوگ تھے، اس کا دل چاہ رہا تھا، وہ بے خبر سوتے ان لوگوں کے کمروں کو آگ لگا دے۔۔۔یہ چھری سے انکی گردنیں کاٹ پھینکے۔۔۔

یا زہر دے کر سب کو مار دے آخر میں خود بھی پھانک لے۔۔۔

نفرت، بہت شدید نفرت محسوس ہوئی تھی اسے اپنے ان رشتہ داروں سے۔۔۔اس کا دل چاہتا تھا وہ ان گھٹیا اور کمینے لوگوں سے دور چلی جائے۔۔۔جہاں اسے انکی شکل نہ دیکھنی پڑے۔۔۔اور واقعی، اب وہ چلی بھی جائے گی۔۔۔

اس نے سوچ لیا تھا۔۔۔بس ایک دفعہ اسے وہ اسکالرشپ مل جائے۔۔۔جس کے لئے اس نے برٹش ہائی کمیشن کے اعلان کے بعد اپلائی کیا تھا۔۔۔

کہ بھلے گھر کے جو حالات ہوں۔۔۔اس نے ففتھ سے ایف ایس سی تک ہر بورڈ ایگزیم میں پورے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا۔۔۔

ایف ایس سی پری انجنیرنگ میں ٹاپ کرنے کے باوجود اس کا انجنیرنگ کی طرف رجحان نہیں تھا۔۔۔یا رہا نہیں تھا سو بی ایس سی میتھس میں ایڈمشن لے لیا تھا۔

اور اسے امید تھی کہ اب بھی وہی ٹاپ کرے گی۔۔۔اور اگر اسکالرشپ اسے مل جائے تو بہت آسانی سے اسے اس زندان سے چھٹکارا مل جائے گا۔۔۔

وہ آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑتی اس سوچ میں غلطاں تھی کہ کوئی اس کہ سامنے آ کھڑا ہوا۔۔۔

وہ جوتے دیکھ کر چونکی اور بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا۔۔۔

وسیم اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔۔۔

"وسیم بھائی۔۔۔؟" وہ کرنٹ کھا کر اٹھی اور دو قدم پیچھے ہٹی۔۔۔

وہ تائی مہتاب کا تیسرے نمبر کا بیٹا تھا۔۔۔ فہد کا چھوٹا اور ناکارہ و آوارہ بھائی۔۔۔

اس وقت بھی وہ اپنی سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔۔۔ جانے کب اچانک آ کر ادھر کھڑا ہوا تھا۔ کھلا گریبان، تنگ جینز، گردن سے لپٹی چین، بکھرے بال اور سرخ آنکھیں۔۔۔

وہ نشہ کرتا تھا۔۔۔ گھر میں سب کو علم تھا۔۔۔ یہاں تک کہ فضہ چاچی اپنی بیٹیوں کو اس کے قریب بھی نہ جانے دیتی تھیں۔۔۔

خود حسن بھی احتیاط کرتا تھا۔۔۔ آرزو البتہ لاپرواہ اور نڈر تھی۔۔۔ ویسے بھی وسیم گھر میں بہت کم ہی نظر آتا تھا۔ محمل ہر ممکن احتیاط کرتی کہ اکیلے میں اس سے سامنا نہ ہو۔۔۔ مگر آج جانے کیسے۔۔۔

"کیا کر رہی ہو۔۔۔؟" وہ ایک قدم اوپر اسٹیپ پہ چڑھا تو وہ بے اختیار مزید پیچھے ہٹی۔۔۔

"کک۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔ وہ آغا جان آواز دے رہے ہیں۔" وہ ایک دم پلٹ کر

اندر بھاگ گئی۔۔۔

ہونہ۔۔۔" وسیم نے تمسخرانہ سر جھٹکا، چند لمحے ادھر کھڑا سوچتا رہا،"

پھر باہر گیٹ کی طرف چل دیا۔۔۔

****

وہ صبح بہت بوجھل سی تھی۔وہ بس اسٹاپ پہ بینچ پہ اکیلی بیٹھی متورم آنکھوں

سے دور افق پہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔۔۔جہاں نیلی صبح کے پرندے اڑ رہے

تھے۔۔۔

رات بھر رونے کے باعث اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔۔۔اور اوپر

سے وہ سیاہ فام لڑکی بھی نہیں آئی تھی۔۔۔

جانے آج وہ کدھر رہ گئی تھی۔ابھی تک کیوں نہ آئی تھی۔۔۔

صرف اس لئے محمل آج پندرہ منٹ پہلے ہی آ گئی تھی، تا کہ دس کے بجائے پچیس منٹ اس کے ساتھ مل جائیں۔۔۔ مگر یہ تو اسے معلوم بھی نہ تھا کہ وہ کب آئی تھی۔۔۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ بس کا انتظار کیوں کر رہی تھی۔ حالانکہ کوئی بات ایسی نہ تھی، جسے وہ اس کے ساتھ شئیر کر سکتی، کسی مسئلے کا حل دریافت کر سکتی یا اس ک ساتھ بیٹھ کے رو سکتی۔۔۔

نہیں اس کے پاس بتانے کو کچھ بھی تو نہیں تھا۔۔۔ پھر بھی اسے اس کا انتظار تھا۔ وہ بار بار کلائی پہ بندھی رسٹ واچ دیکھتی۔ لمحے سرکتے جا رہے تھے، پچیس منٹ ختم ہونے کو تھے مگر اس سیاہ فام لڑکی کا دور دور تک کوئی اندیشہ نہ تھا۔۔۔

بس کا ہارن بجا تو وہ شکستہ قدموں سے اٹھ کر چل دی۔۔۔ سنگی بینچ خالی رہ گیا۔۔۔ صبح کے پرندے اپنے سفر کو نکل گئے اور نیلاہٹ بھرا افق سنہری کرنوں سے بھیگنے لگا۔۔۔

وہ بہت اداس سی بس میں سوار ہوئی تھی۔۔۔ سارا راستہ خاموش سی گردن موڑے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔۔۔ اس کی لمبی صراحی مانند سنہری گردن، اونچی پونی

ٹیل کے باعث پیچھے بھی جھلکتی تھی اور اسے یکسر ممتاز بنادیتی تھی۔۔۔

بس کے رکنے سے قبل اس نے بیگ میں سے پاکٹ مرر نکال کر دیکھا اور پھر کچھ

سوچ کر متورم سوجی آنکھوں کو چھپانے کو گہرا کاجل ڈال لیا۔۔۔

محمل! تم اتنا کاجل مت ڈالا کرو۔ مائینڈ مت کرنا مگر تمہاری آئز بالکل گولڈن" کلر کی ہیں اور کاجل میں بالکل بلی کی طرح لگتی ہیں۔ یو نو، کیٹ وومن!" نادیہ دیکھ کر ہنس کر بولی تھی۔ "اور مجھے بلیاں بالکل پسند نہیں کھاؤ گی؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا چپس کا پیکٹ بڑھایا۔۔۔

محمل نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی اور "نو تھینکس" کہہ کر سر جھکائے اپنی کتاب پہ کچھ لکھنے لگی۔۔۔

سر جھکانے سے اس کی اونچی پونی ٹیل مزید اٹھ جاتی اور بھورے بال گردن پہ گرتے دکھائی دینے لگتے۔۔۔

مائی پلیژر!" نادیہ نے شانے اچکا کر پیکٹ واپس لے لیا۔۔۔"

وہ خاماشی سے سر جھکائے کچھ لکھتی رہی۔ وہ لائبریری میں نادیہ کو کل تائی امی کے جواب

والی بات بتانے آئی تھی مگر اس کا طنز سن کر دل ایک دم ٹوٹ سا گیا تھا۔ بس چٹکی بجاتے اس نے محمل کی خوبصورت بادامی سنہری آنکھوں کو بلی سے متشابہ قرار دے دیا تھا۔۔۔ شائد اس لئے کے عام سی صورت کی نادیہ جب محمل کے ساتھ چل رہی ہوتی تو بہت سے سر موڑ کر ہمیشہ ستائشی نگاہوں سے محمل کو ہی دیکھتے تھے۔۔۔

دراز قد، اسمارٹ، لمبی گردن اور اونچی براؤن پونی ٹیل والی لڑکی جس کی سنہری آنکھیں

دھوپ میں اور بھی زیادہ چمکتی تھیں، پورے کالج میں پاپولر تھی۔ ایسے میں جب وہ کاجل ڈال کر مزید خوبصورت دکھتی تو نادیہ سے کبھی کبھار برداشت نہ ہوتا، اور وہ کچھ ایسا ضرور کہہ دیتی جو محمل کا دل توڑ دیتا تھا۔۔۔

اب بھی وہ نادیہ اپنی "بیسٹ فرینڈ" کے پاس رونے آئی تھی مگر۔۔۔ نادیہ کے پاس پہلے اس کے دکھ سننے کی فرصت نہ تھی، وہ مسلسل اپنے نوٹس میں مگن تھی اور جب ذرا دیر کو فارغ ہوئی تو اس کا دل کچھ ایسے توڑا کہ وہ پھر کچھ کہہ ہی نہ سکی۔۔۔

"ہاں تم کچھ بتا رہی تھی" وہ چپس کا پیکٹ کتاب کی اوٹ میں کیئے مسلسل چپس نکال کر کتر رہی تھی۔

"تائی امی کی کوئی بات تھی شائد۔۔۔"

"نہیں، کوئی بات نہیں تھی۔۔۔"

"اچھا، مجھے لگا"

تمہیں غلط لگا۔ میں چلتی ہوں زارا سے کچھ کام ہے۔۔۔" وہ مصروف سی کتابیں اٹھائے باہر نکل آئی۔

اگلے دو روز یونہی مضمحل سے گزرے۔ پریشانی، مایوسی، ناامیدی اور دکھ وہ ہر طرح کے منفی خیالات میں گھری ہوئی تھی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے دنیا سے رنگ ہی ختم ہو گئے ہوں۔۔۔ سب کچھ پھیکا پھیکا سا تھا اور دل کا باغ ویران، اجڑا ہوا اور پھر اچانک

تیسرے دن وہ سیاہ فام لڑکی آ گئی۔۔۔

اس نے دور سے اسے بینچ پہ بیٹھے دیکھا تو یکدم غصے کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی۔۔۔

وہ تیز تیز چلتی اس کے قریب آئی۔۔۔

تم دو دن سے کہاں تھیں۔۔۔؟" سیاہ فام لڑکی نے سر اٹھایا۔۔۔"

وہ بہت غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔

"میرا کچھ کام تھا، میں۔۔۔"

تمہیں مزا آتا ہے دوسروں کو اپنا انتظار کروا کے؟ تمہیں لگتا ہے میں تمہاری مدد کے بغیر" مر جاؤنگی، ہاں حالانکہ ایسا نہیں ہو گا۔ تم توجہ لینے کے لئے وہ باتیں کرتی ہو جس سے دوسرا تمہاری طرف کھینچا چلا آئے مگر مجھے تمہاری بالکل ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے تمہاری پرواہ ہے اور۔۔۔ اور مجھے تمہاری کتاب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں مری "تمہاری مدد کے بغیر، دیکھو، دیکھ لو، میں زندہ ہوں۔

تیز تیز بولتے وہ ہانپنے لگی تھی۔

سیاہ فام لڑکی ذرا سا مسکرائی۔۔۔

"تو تم میرا انتظار کر رہی تھی؟"

نہیں، ہر گز نہیں" وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔۔۔ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے"

تم شائد بلند آواز میں اپنے دل کی آواز جھٹلا رہی ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ مت کرو۔"

"اپنے دل کی سنو وہ تمہیں کچھ کہہ رہا ہے۔

مجھے ڈکٹیٹ مت کرو۔ میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔ تم میرے ساتھ امید

افزا باتیں کر کے اپنی کتاب مجھے بیچنا چاہتی ہو، میں خوب سمجھتی ہوں تمہارا مقصد۔ مگر یاد رکھنا، میں تم سے یہ کتاب ہر گز نہیں خریدونگی۔

"نہ ہی میں تمہیں یہ بیچ رہی ہوں۔ لیکن ایک دن ایسا آئے گا، جب تم خود مجھ سے یہ کتاب مانگنے آؤ گی اور تب میں تمہیں فوراً یہ تھما دونگی۔ ابھی تم سفر کے آغاز میں ہو اور جب تھکو گی تو اس کتاب کے پیچھے آؤ گی۔ مجھے تمہاری کسی بات کا برا نہیں لگا، مجھے بس تمہارے تھکنے کا انتظار ہے۔ جاؤ، تمہاری بس آگئی ہے۔"

اس وقت تو وہ غصے میں پلٹ گئی مگر پھر سارا دن یہی سوچتی رہی کہ اس کو اس سیاہ فام لڑکی کو دیکھ کر کیا ہو گیا تھا۔ کیوں اس نے اس پہ اتنا غصہ کیا۔۔۔؟ وہ کیا لگتی تھی اس کی؟ اس نے کیا بگاڑا تھا اس کا اور اسے غصہ کس بات کو تھا۔

یوں انجانے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا سلوک تو محمل ابراہیم کبھی نہ کرتی تھی، پھر اب کیوں؟

ندامت اور شرمندگی کے احساس نے اسے پورا دن جکڑے رکھا، وہ کچن کے تمام کام بے

تو جی سے نپٹاتی رہی، پڑھائی بھی ٹھیک سے نہ کر سکی۔ پیپرز ہو رہے تھے، اب بھی اس کے پاس پڑھنے کو بہت کچھ تھا، مگر سارا دن احساسِ جرم اسے اندر ہی اندر کچو کے لگاتا رہا اور جب رات کو اچانک سے رضیہ پھو پھو کی آمد کا شور اٹھا تو وہ بہت بے دلی سے لاونج میں آئی تھی۔

فائقہ! آج کل سارا وقت میرے ساتھ کچن میں لگی رہتی ہے، میں تو منع کرتی ہوں مگر مجال ہے جو یہ مجھے کسی کام کو ہاتھ لگانے دے۔ آج بھی پڈنگ بنائی تھی، کہہ رہی تھی سارے ماموں شوق سے کھاتے ہیں، انھیں دے آؤں۔ میں نے کہا خود ہی دے آؤ۔۔۔

ماموؤں میں تو جان ہے میری بچی کی۔۔۔ اور سب ٹھیک ہے گھر میں؟ فواد کہاں ہے؟ نظر نہیں آرہا۔" مہتاب تائی کے ہمراہ اندر داخل ہوتی رضیہ پھو پھو نے بات کے اختتام پہ اِدھر اُدھر دیکھ کے بظاہر سرسری سا پوچھا تھا۔۔۔

فواد تو نہ نظر آیا مگر محمل پہ نگاہ پڑی تو چہرے پہ ناگواری بکھر گئی۔۔۔ شائد اس وجہ سے کے انکی آخری بات پہ وہ ذرا سا استہزائیہ مسکرائی تھی۔۔۔

لڑکی کوئی کام کاج بھی ہے یا نہیں تمہیں؟ جب دیکھو لوٹھا کی لوٹھا اِدھر اُدھر" بھاگتی پھر رہی ہوتی ہو۔

میری بھابھی کا جگرا ہے جو مفت خوروں کو گھر میں ٹکا رکھا ہے ورنہ میں ہوتی

تو۔۔۔ ہو نہ۔۔۔" انھیں اس کی مسکراہٹ تپا گئی تھی، جیسے چوری پکڑی گئی ہو، سو بگڑ کر کہتی بڑے صوفے پر بیٹھیں۔

فائقہ بھی دونوں ہاتھوں میں ٹرے پکڑے جس پہ دو ڈونگے رکھے تھے، چلی آ رہی تھی۔

فیشن کے مطابق شارٹ شرٹ کے نیچے ٹراوزر اور لمبے بال کھلے تھے، جن میں چوٹی کے بل صاف نظر آتے تھے۔۔۔ وہ سدرہ کی طرح خوب میک آپ کرتی تھی اور اس طرح شائد قابل قبول لگ جاتی اگر جو وہ گھرے مسکارے اور آئی میک آپ کے اوپر وہ بڑا سا سیاہ فریم کا چشمہ نہ لگایا کرتی۔

یہ کدھر رکھوں ممانی جان؟" وہ رک کر مدھم آواز میں پوچھ رہی تھی۔ ورنہ یہی فائقہ تھی جو کچھ عرصہ قبل بے ہنگم شور کیا کرتی تھی۔۔۔

"کچن میں رکھ دو۔ بلکہ محمل تم لے جاؤ۔"

لائیے" محمل آگے بڑھی تو فائقہ نے قدرے تذبذب سے ماں کو دیکھا۔"

دے دیں فائقہ باجی! فواد بھائی تو ویسے بھی ابھی آفس سے نہیں آئے۔ پھوپھو پوچھ رہی تھیں انکا۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر ٹرے لئے کچن میں رکھ آئی۔

فواد ابھی تک نہیں آیا۔" پھوپھو نے بے چینی سے گھڑی دیکھی۔ پھر فائقہ کو آنکھ کا اشارہ

کیا۔ وہ

ف ورآ م ہ ت اب ت ائ ی ک ے ب ل ک ل م ق اب ل ص وف ے پ ہ ، ود ب

ہاں، کچھ کام تھا شاید اور تم ٹھیک ہو۔ تائی ریموٹ اٹھا کر چینل بدل رہی تھیں، انداز میں عجیب شان بے نیازی

تھی۔ جن کے فواد جیسے بیٹے ہوں، ان پہ بیٹیوں کی مائیں یونہی مکھیوں کی طرح بھنبھناتی ہیں، وہ رضیہ پھپھو کے

اطوار خوب سمجھتی تھیں۔

یہ پڈنگ فائزہ باجی نے بنائی ہے پھپھو؟ وہ واپس آ کر ان کے سامنے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔ وہی جینز

، کرتا، گردن میں مفلر کی طرح لپیٹا دوپٹہ اور اونچی پونی ٹیل۔ یہ اس کا مخصوص حلیہ تھا۔

ہاں تو اور نہیں تو کیا؟

اچھا آپ تو اس روز اپنی مائی سلیمہ سے پڈنگ بنوا رہی تھیں۔ کہ نہ آپ کو نہ ہی فائقہ باجی کو پڈنگ بنانی آتی

ہے۔ فائقہ باجی! اس نے چہرہ فائقہ کی طرف موڑا۔ ابھی ریسنٹلی سیکھی ہے آپ نے؟

ہاں ہاں، میرے ساتھ آج کل سب کچھ سیکھ رہی ہے۔ بیٹھ کر مفت کی روٹیاں تو نہیں توڑتی۔ پھپھو چمک کر

بولیں۔ تائی مہتاب ریموٹ بدلے چینل بدل رہی تھیں۔ چہرے پر بیزاری البتہ چھائی تھی۔

اور آپ نے کس سے سیکھی؟ اپنی ماسی سے؟

زیادہ زبان نہیں چلنے لگی تمہاری محمل! یہ تو میری بھابھی کا حوصلہ ہے کہ تمہیں برداشت کرتی ہیں۔ ان کی جگہ میں ہوتی تو دو دن میں گھر سے نکال دیتی۔

ان کی جگہ آپ کیسے ہو سکتیں تھیں پھپھو! دوسروں کے پیسے پر عیش کرنا ایک آرٹ ہے اور یہ ہر کسی تو نہیں آتا نا۔

شٹ اپ محمل! تائی نے غصے سے ریموٹ رکھا۔ زیادہ بک بک کی تو ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گی۔ ارے ہم نہ رکھتیں تو تم کدھر جاتی ہاں؟

انگلینڈ۔ وہ آرام سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے پاؤں جھلا رہی تھی۔

کیا مطلب؟ وہ سب چونکے۔

میں نے اسکالرشپ کے لیے اپلائی کر دیا ہے اور بہت جلد میں تو اماں کو لے کر انگلینڈ چلی جاؤں گی۔ سو آپ ابھی سے ملازم ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ آپ بیٹھیں میں ذرا کچن دیکھ لوں۔۔۔ وہ اٹھ کر کچن کی طرف چلی آئی، جانتی تھی کہ ان کے سروں پر بم پھوڑ کر آئی ہے۔ مگر اس وقت سب کو ستانے کا دل کر رہا تھا۔

کھانے پہ ہی اس کی پیشی ہو گئی،

تم نے کونسی اسکالرشپ کے لیے اپلائی کیا ہے؟

مہتاب بتا رہی تھی کیا بات ہے؟ آغا جان نے جیسے ایک دم یاد آنے پر کھانے سے ہاتھ روک کر پوچھا۔

اسکالرشپ؟ آرزو نے ابرو اٹھائی، ندا اور سامیہ باتیں کرتی ٹھٹک گئیں، فضہ چچی نے حیرت سے گلاس رکھا اور فواد منہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے بری طرح چونکا تھا۔

باقی سب بھی ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگے، جو بہت اطمینان سے بازو بڑھا کر رائتے کا ڈونگہ اٹھا رہی تھی۔

جی آغا جان! برٹش ہائی کمیشن کی طرف سے کچھ اسکالرشپ اناؤنس ہوئی تھیں ماسٹرز کے لیے، میں نے اپلائی کر دیا، اب وہ بڑا چمچہ بھر کر رائتہ چاولوں پر ڈال رہی تھی۔ امید ہے جلد ہی مل جائے گی۔ پھر میں انگلینڈ چلی جاؤں گی۔ سوچ رہی ہوں وہیں ساتھ جاب وغیرہ بھی کر لوں، آخر خرچے بھی تو پورے کرنے ہوتے ہیں نا! چمچہ چاولوں میں ہلا کر رائتہ مکس کرتے ہوئے اس نے لاپرواہی سے اطلاع دی۔ اور اسے لگا تھا کہ ابھی گھر بھر میں طوفان کھڑا ہو جائے گا مگر۔۔۔۔

ہوں، ویری گڈ، ضرور اپلائی کرو، آغا جان پھر سے کھانے کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔ اب کے حیران ہونے کی باری محمل کی تھی۔ اس نے لمحہ بھر کو ٹھٹک کر انہیں دیکھا اور پھر سنبھل کر بولی۔

تھینک یو آغا جان!

اس کے الفاظ پہ جہاں مسرت اطمینان سے کھانے لگیں، وہاں ٹیبل پر بہت سے لوگوں کی خاموش معنی خیز نگاہوں کے تبادلے ہوئے تھے۔

وہ سر جھکائے چاول کھاتی رہی۔ امید تو نہ تھی کہ وہ کوئی ڈرامہ کھڑا نہ کریں گے۔ مگر وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ وہ باہر چلی جائے تو ان سے جائیداد میں حصہ مانگنے کون کھڑا ہو گا؟ ان کے لیے تو اچھا ہی تھا کہ وہ چلی جائے۔

ایسے تو نہیں چھوڑوں گی تم لوگوں کو میں، چلی بھی گئی تو ایک دن ضرور واپس آؤں گی اور اپنا حصہ طلب کروں گی اور تم سب کو ہر اس عدالت میں گھسیٹوں گی جہاں جانے سے تم خوف کھاتے ہو۔ اس نے دل میں تہیہ کیا تھا اور پھر جب پانی کا جگ اٹھانے کو سر اٹھایا تو یکدم چونکی۔

بے توجہی سے کھانا کھاتا فواد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے سر اٹھاتا دیکھ کر اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ اور بعد میں پھپھو نے کتنا ہی، میری فائقہ نے آج پڈنگ بنائی ہے۔۔ کہہ کہہ کر اسے روکنا چاہا، وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

مجھے کام ہے، چلتا ہوں،

ہاں بیٹا تم کام کرو۔ مہتاب نے بھی اس کی تائید کی۔ ادھر پھپھو ہائیں ہائیں کرتی رہ گئیں۔ اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ محمل کا دل یکدم اداس سا ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں۔

دور بینچ پر بیٹھی سیاہ فام لڑکی کو دیکھ کر اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ وہ سبک رفتاری سے چلتی اس کے قریب آئی۔

سیاہ فام لڑکی نے سر اٹھایا اور پھر ذرا سا مسکرائی۔

گڈ مارننگ ٹو یو ٹو۔۔ وہ اسی طرح کتاب کے کناروں پہ مضبوطی سے ہاتھ جمائے بیٹھی تھی۔

میں دراصل۔۔۔ محمل متذبذب سی اس کے ساتھ بیٹھی۔ مجھے، مجھے کل کے رویے پر بہت شرمندگی ہے۔ میں

کبھی بھی اتنی روڈ نہیں ہوئی اور۔۔۔۔

جانے دو۔ مجھے برا نہیں لگا۔

نہیں آئی ایم سوری۔۔۔ رئیلی سوری۔۔۔ میں کچھ پریشان تھی۔

میں نے تمہیں تمہاری ہر پریشانی کا حل بتایا تھا تم خود ہی اس طرف نہیں آتی۔۔

نہیں وہ۔۔۔ اس نے بے ساختہ نگاہیں چرائیں۔۔ مجھے اس کتاب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

مگر اس کتاب کو تم سے ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اسے تمہارے حوالے کر دوں۔

وہ بری طرح چونکی تھی۔ پہلی گفتگو میں بھی اس نے اسے کوئی ایسی ہی بات بتائی تھی۔

یہ۔۔ یہ کتاب مجھے جانتی ہے؟

سو فیصد جانتی ہے۔ تمہاری زندگی کی ساری کہانی اس میں لکھی ہے۔ گزرے واقعات اور آنے والے حالات۔

واقعی؟ وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔ عجب بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

ہاں اس میں سب لکھا ہے

تم نے۔۔۔ تم نے میری زندگی کی کہانی پڑھی ہے؟

نہیں۔ میں وہ نہیں پڑھ سکتی۔

کیوں؟ کیا تم نے یہ کتاب پوری نہیں پڑھی؟

میں نے پوری پڑھ رکھی ہے مگر مجھ پہ صرف میری زندگی کی کہانی کھلی ہے۔ تمہاری زندگی کی کہانی صرف تم

پہ ہی کھلے گی۔

تم کیا کہہ رہی ہو؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔

اب کے وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

آجائے گی، ہر بات سمجھ میں آجائے گی۔ بس تھوڑا وقت لگے گا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ لڑکی کون تھی، کہاں سے آئی تھی

اس کے لئے صدیوں قبل لکھوا کر چھوڑی تھی، کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔

بس کا ہارن بجا تو وہ چونکی اور پھر بغیر کچھ کہے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سیاہ فام لڑکی مسکراتے ہوئے اسے بس میں سوار ہوتے دیکھ رہی تھی۔

****

فواد کو چائے کمرے میں دے آؤ اور محمل! تم ٹرالی باہر لے آؤ۔" تائی مہتاب اپنی ازلی بے نیازی سے حکم"

صادر کر کے پلٹ گئیں تو ٹرالی سیٹ کرتی محمل کسی خیال سے چونکی۔

"فواد کی ٹرے الگ سیٹ کر دو محمل! میں دے آونگی، تم ٹرالی باہر لے جاؤ۔"

"میں نہیں لے کر جا رہی ٹرالی۔ تنگ آ گئی ہوں میں ان ذلیل لوگوں کے سامنے۔"

اچھا اچھا، چپ کرو۔" مسرت بوکھلا کر آگے بڑھیں اور ٹرالی کا کنارہ تھام لیا۔ "میں لے جاتی ہوں، تم فواد کو چائے دے آؤ۔"

اور یہی تو وہ چاہتی تھی، سو شانے اچکا کر بظاہر لاپرواہی سے فواد کی ٹرے سیٹ کی اور پھر اسے اٹھا کر دھپ دھپ سڑھیاں چڑھتی گئی۔

فواد بھائی!" دروازے پہ ہلکا سا ناک کیا۔"

"ہوں، آجاؤ۔"

اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

فواد بازو آنکھوں پہ رکھے بیڈ پہ نیم دراز تھا۔

"فواد بھائی! آپکی چائے۔"

ہاں رکھ دو۔" وہ کسل مندی سے اٹھا۔ انداز سے تھکا تھکا لگ رہا تھا۔"

کیا بات ہے فواد بھائی! آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔" اس نے ٹرے میز پہ رکھی اور کپ اٹھا کر اس کے" قریب آئی۔

ہاں، کچھ نہیں۔ آفس کا مسلہ ہے۔" اس نے چائے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اسے کپ پکڑاتے محمل کی انگلیاں اس کے ہاتھ سے ذرا سی مس ہوئیں۔ اس نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ پھر چائے کا گھونٹ بھرا۔

"ہوں، چائے تو تم اچھی بناتی ہو۔"

اماں نے بنائی ہے۔" وہ جز بز سی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اونچی بھوری پونی ٹیل والی دراز قد سی محمل۔"

"لائی تو تم ہو، ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں۔"

وہ میں۔۔۔ میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔" وہ سر جھکائے کھڑی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔"

مگر تم جاب کرنے کا کہہ رہی تھی، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔" وہ چائے کا کپ سائیڈ پہ رکھے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں صرف اپنے خرچوں کے لئے جاب کرنا چاہتی ہوں۔"

اور یہ اتنی بڑی بزنس ایمپائر؟ یہ کون سنبھالے گا؟" محمل نے جھٹکے سے گردن اٹھائی۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"بزنس ایمپائر؟"

ہاں، تم اس کے اونر میں سے ہو، کیا تمہارا فرض نہیں ہے کہ تم اپنے ابا کے بزنس کو بھی توجہ دو، آخر کبھی نہ کبھی تو تمہیں یہ سب سنبھالنا ہے۔"

جی؟" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔"

تنی حیران کیوں ہو محمل؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ محمل نے دیکھا، وہ اس سے خاصا لمبا تھا۔"

"میں۔۔۔میں پتہ نہیں۔"

"کیا تم یہ سب نہیں سنبھالنا چاہتیں؟"

"میں سنبھالنا چاہتی ہوں مگر کیسے۔۔۔؟"

تم واقعی سنبھالنا چاہتی ہو؟" فواد کے چہرے پہ خوشگوار حیرت ابھری۔ "یعنی اگر میں تمہیں اپنے ساتھ آفس"

"میں لگانا چاہوں تو تم میرے ساتھ کام کرو گی؟

جی، جی بالکل۔" اس کا دل ایک دم کسی اور لے پہ دھڑکنے لگا تھا، ہاتھ لرزنے لگے تھے۔"

"ٹھیک ہے، پھر میں شام میں آغا جان سے بات کر لیتا ہوں۔"

وہ۔۔۔وہ اجازت دے دینگے؟" اس کے اندر وسوسوں نے سر اٹھایا تھا۔"

شیور۔ کیوں نہیں دینگے؟" وہ مسکرا کر اسے تسلی دے رہا تھا اور اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی خوشی کا

اظہار کیسے کرے۔ ایک دم ہی اسے سب کچھ اپنی مٹھی میں

آتا دکھائی دینے لگا تھا۔

دولت نچھاور۔۔۔ محبوب قدموں میں۔۔۔

اب اسے اس سیاہ فام لڑکی کی کتاب کی ہر گز ضرورت نہ تھی۔

وہ ہواؤں میں اڑتی واپس اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اور پھر رات میں جب فواد نے اسے اپنے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانے کی تجویز آغا جان کو دی تو سب سے پہلے حسن نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

اس کی کیا ضرورت ہے فواد! محمل کو ابھی اپنی پڑھائی پہ توجہ دینی چاہیے۔" وہ ناگواری سے بولا تو محمل کو واضح بُرا لگا۔ شکر تھا، خاندان کی عورتیں وہاں نہ تھیں، ورنہ تو طوفان ہی آجاتا۔

"تم بیچ میں مت بولو حسن! میں آغا جان سے بات کر رہا ہوں۔"

اور میں تمہاری باتوں کے مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" حسن نے ایک کٹیلی نگاہ محمل پہ ڈالی۔ "مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ یہاں کیا چکر چل رہا ہے۔"

شٹ آپ!" فواد بھڑک اٹھا تو آغا جان نے دونوں کو ہی جھڑک دیا۔

"شٹ آپ یو بوتھ۔ حسن تم جاؤ اپنے کمرے میں۔" اور وہ فوراً اٹھ کر تیز تیز چلتا وہاں سے نکل گیا۔"

"اور فادی، حسن ٹھیک کہہ رہا ہے۔ محمل کا آفس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کبھی آفس جائے گی۔"

"مگر آغا جان۔۔۔"

"آغا بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ محمل کا آفس میں کیا کام؟"

بالکل، لڑکیوں کو ادھر دھکے کھانے کی کیا ضرورت ہے؟" غفران چچا اور اسد چچی نے بھی فوراً آغا جان کی تائید"

کر دی تو محمل نے بے بسی سے مدد طلب نگاہ سے فواد کو دیکھا۔

اوکے، جیسے آپکی مرضی۔" وہ شانے اچکا کر اب جھک کر اپنے بوٹ کے تسمے بند کر رہا تھا۔"

اس کا دل جیسے کسی گہری کھائی میں جا گرا۔ وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی کچن میں آئی اور سنک پہ جھک کر پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے آنسوؤں کے ساتھ سارے خواب، گرتے

بہتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اتنا روئی کہ ہچکی بند ہونے لگی تو بالآخر نل کھول کر منہ پہ پانی ڈالنے لگی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ آخری دفعہ رو رہی ہے۔ وہ آج کے بعد ہر گز نہیں روئے گی۔ اس نے تو سیدھے

طریقے سے سب کچھ واپس حاصل کرنے کا سوچا تھا، لیکن ان لوگوں کو

سیدھا طریقہ راس نہیں آیا تھا۔ ٹھیک ہے اب اگر اسے ان سے انتقام لینے کو جادو یہ سفلی عمل کا سہارا بھی لینا پڑ

تو وہ ضرور لے گی۔

اب اسے صبح کا انتظار تھا۔ صبح اسے بس اسٹاپ پہ جا کر اس سیاہ فام لڑکی سے وہ کتاب لینی تھی۔

"!ویسے نہیں تو ایسے سہی"

چہرے پہ ٹھنڈا پانی ڈالتے ہوئے اس نے نفرت سے سوچا تھا۔

****

صبح اسے کالج نہیں جانا تھا۔ ایگزمز ختم ہو چکے تھے، مگر وہ پھر بھی بہانہ کر کے مخصوص وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی اسٹاپ پہ چلی آئی تھی اور اب مسلسل بینچ کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔

سیاہ فام لڑکی ابھی تک نہیں آئی تھی، محمل بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی، پھر بے چین نگاہوں سے گردن ادھر ادھر گھماتی۔ بھوری اونچی پونی بھی ساتھ ہی جھولتی۔ اسے شدت سے اس لڑکی کا انتظار تھا اور آج تو لگتا تھا جیسے وقت بہت دیر سے گزر رہا ہے۔

بالآخر وہ تھک کر بینچ پر بیٹھی اور سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

کیا میرا انتظار کر رہی تھیں؟" کسے نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ کرنٹ کھا کر اٹھی۔"

"وہ سیاہ فام لڑکی سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔" میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی۔

اور میں جانتی ہوں کہ کیوں۔" وہ آرام سے بینچ پہ بیٹھی، بیگ کا اسٹریپ کندھے سے اتار کر ایک طرف رکھا اور کتاب احتیاط سے گود میں رکھی۔ پھر جیسے فارغ ہو کر محمل کا چہرہ دیکھا۔

"تم تھک گئی ہو؟"

"ہاں میں تھک گئی ہوں۔ میں تنگ آ گئی ہوں۔ اس دنیا میں میرے لئے کچھ نہیں ہے، کوئی نہیں ہے۔"

اونہوں ایسے نہیں کہتے۔ ابھی تو تمہیں وہ کچھ لینا ہے جس کی چمک سے تمہاری آنکھیں چکا چوند رہ جائیں گی۔ ابھی"

"تو تم صحیح راستے پر آئی ہو۔

مجھے صحیح اور غلط کا نہیں پتہ اور نہ ہی میں صحیح اور غلط کی تفریق میں پڑنا چاہتی ہوں۔" اس نے بے اختیار"

نگاہیں چرائیں تھیں۔ اپنے دل سے، اپنے اندر بیٹھے گلٹ کے احساس سے۔

کوئی بات نہیں، شروع شروع میں یہ کتاب مشکل لگے گی، جیسے کوئی عذاب ہو، قید ہو، مگر پھر تم عادی ہو جاؤ"

گی۔" وہ ویسے ہی مسکرا رہی تھی۔

یہ کتاب مجھ سے کیسے بات کرے گی؟" محمل سحر زدہ سی اس گود میں رکھی کتاب کو دیکھ رہی تھی۔"

روز اس کا ایک صفحہ پڑھنا۔ اگر مشکل لگے تو میں تمہیں کچھ ایسے لوگوں کا بتاؤں گی جو اس کتاب کا علم سکھاتے"

ہیں، بالکل خاموشی سے، چپ چاپ اپنا کام کرتے ہیں۔

میں تمہیں ادھر لے جاؤں گی، وہ تمہیں اس قدیم زبان کا علم سکھائیں گے جس میں یہ کتاب لکھی ہوئی ہے، پھر

جب تم روز اس کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کے قابل ہو جاؤ گی تو تم

"کی تدابیر بتا رہا ہے۔ tomorrow کی روداد ہے اور تمہیں yesterday جانو گی کہ ہر صفحہ تمہارے

"اور اگر میں ایڈوانس میں ایک صفحہ آگے پڑھ لوں تو مجھے اپنے آنے والے کل کا علم ہو جائے گا ہے نا؟

کی روداد ہی رہے گا۔ لیکن اگر yesterday نہیں، تم ایک دن میں پوری کتاب بھی پڑھ لو تو بھی وہ تمہارا"

وہی صفحے تم اگلے دن پڑھو تو وہ اس دن کے حساب سے تمہاری گزشتہ دنوں کی روداد بن جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ الجھ سی گئی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی صفحے کا ایک دن میں ہی مطلب بدل جائے۔"

"اگر یہ نہ ہوتا، تو کیا تم آج اس کتاب کی طرف یوں کھینچی چلی آتی؟"

تم واقعی سچ کہہ رہی ہو؟' وہ اندر ہی اندر خوفزدہ بھی تھی۔"

"تمہیں شک ہے کیا؟"

نہیں، مگر تم مجھے یہ کیوں دے رہی ہو؟ تمہارا اس میں کیا فائدہ؟" اپنی دانست میں محمل نے خاصا عقل مندانہ سوال کیا تھا۔

میرا ہی تو اصل فائدہ ہے۔" وہ پھر اسی پُراسرار طریقے سے مسکرائی۔ "جو کچھ تمہیں حاصل ہو گا اس کا ایک شئیر تو مجھے ہی جائے گا۔"

"شئیر۔۔۔؟" وہ دنگ رہ گئی۔ "کیا مطلب؟ کتنا شئیر، کتنے پرسنٹ؟"

شائد آدھا، شائد اس سے کچھ کم۔ معلوم نہیں، مگر یہ تمہارا مسئلہ نہیں، میرا حصہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ یہ کتاب خود میرے پاس آ کر مجھے میرا حصہ دلوائے گی۔"

"اچھا؟" وہ متحیر سی تھی۔ "پھر میں یہ لے لوں؟"

"پہلے خوب اچھی طرح سوچ لو۔"

سب سوچ لیا ہے۔" وہ تیزی سے بولی اور کتاب پہ ہاتھ رکھا، مبادا وہ اسے واپس نہ لے جائے۔۔"

پھر لے جاؤ، مگر یاد رکھنا یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے جو میں تمہیں دے رہی ہوں۔ اگر تم نے وہ، جنہیں تم عملیات کہتی ہو، کر لیئے اور ویسے ہی کیا جیسے یہ کتاب تمہیں

کہے تو پھر سب کچھ بدل جائے گا۔ تم اس کتاب میں رہنے لگو گی، اس سے بات کرنے لگو گی۔ اس کے علاوہ تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔۔۔ دیوانی ہو جاؤ گی، سحر زدہ، مجنوں

۔۔۔اور پھر اگر تم نے اسے چھوڑنا چاہا تو تباہ ہو جاؤ گی۔ جو ملا تھا وہ بھی جائے گا اور جو پہلے سے تھا وہ بھی عذاب بن جائے گا۔ جاؤ، اسے لے جاؤ۔"

اس نے سیاہ جلد والی بھاری کتاب اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی اور جب محمل ابراہیم نے اسے تھامنا چاہا تو اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

"تھینک یو، کیا یہ مجھے تمہیں واپس کرنی ہو گی؟"

"نہیں۔"

"اور جب میں پوری پڑھ لوں، ختم کر لوں، تب؟"

"تب پھر سے شروع کر دینا۔ یہ کتاب کبھی پرانی نہیں ہو گی۔"

تھینک یو۔" وہ کپکپاتی انگلیوں سے کتاب پکڑے تیز تیز چلتی گھر کی سمت بڑھ گئی۔ کتاب کی سیاہ جلد سرد تھی، بے حد یخ سرد۔ کوئی اسرار تھا اس میں، کوئی قدیم راز،

جسے وہ آج بے نقاب کرنے جارہی تھی۔

جب اس نے گیٹ کھولا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اور دل۔۔۔ دل تو ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔ بوجھ، بہت بھاری

بوجھ تھا جو اس تھکی ہوئی لڑکی سے لیا تھا۔ اندر ہی اندر اس کا دل ڈر رہا تھا، کہیں وہ تباہی کے کسی راستے کی طرف تو نہیں جارہی۔ یہ سیاہ علم، سفلی عملیات، یہ اچھی

چیزیں تو نہ تھیں پھر وہ کیوں اسے اٹھا لائی تھی؟

اس نے رک کر سوچنا چاہا، مگر اب واپسی کا راستہ نہ رہا تھا۔

"دولت نچھاور۔۔۔ محبوب قدموں میں۔۔۔ دنیا پہ راج۔۔۔"

اسے بہت سی چیزیں اکٹھی کرنی تھیں اور وہ کتاب اس کے ہر مسئلے کا حل تھی۔ اسے بیگم نعمان کے بیٹے کا ٹھکرایا گیا رشتہ یاد آیا، اسے رات فواد کی بات پہ سب کا ردِ عمل

یاد آیا۔ اسے اپنی بے پناہ دولت بھی یاد آئی تھی جس پہ عیش کوئی اور کر رہا تھا۔ پھر وہ کیسے اس لڑکی کو وہ کتاب سب خزانوں کی کنجی واپس کر آتی؟ پھر وہ نہیں رکی اور

کتاب سینے سے لگائے، سر جھکائے تیز قدموں سے چلتی لاونج میں داخل ہوئی۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟"

وہ جو اپنے خیال میں گم تھی، آواز پہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

سامنے تائی مہتاب قدرے مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ۔۔۔وہ تائی! وہ۔۔۔" اس نے بے اختیار خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ "وہ نادیہ سے کچھ نوٹس لینے تھے، ذراٗ "اسٹاپ تک گئی تھی۔ اماں کو بتا کر گئی تھی۔

"ماں۔۔۔ تمہاری ماں تو کہیں کی لینڈ لیڈی ہے، جس کی اجازت کافی تھی۔"

"وہ، وہ تائی۔۔۔! چچا، اسد چچا کو بھی۔۔۔بتایا تھا۔"

پہلی دفعہ وہ تائی کے سامنے یوں ہکلا رہی تھی۔

اچھا جاؤ، سر نہ کھاؤ۔" تائی بے زاری سے ہاتھ جھلا کر آگے بڑھ گئیں۔"

وہ کمرے کی طرف لپکی، اور جلدی سے الماری کھول کر ایک خانے میں سارے کپڑوں کے نیچے وہ دبیز سیاہ کتاب چھپا دی پھر الماری احتیاط سے بند کی، اِدھر اُدھر دیکھا۔ صد شکر کہ کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

محمل!" باہر اماں نے پکارا تو وہ جلدی سے چہرے پہ آیا پسینہ پونچھتی باہر آئی۔"

"جی؟"

مسرت جو کچن میں سارے گھر کے ناشتے بنانے میں مصروف تھیں، پین میں انڈا پلٹتے ہوئے مڑ کر اسے

دیکھا۔

"تم تو کالج گئیں تھیں، اتنی جلدی آ گئیں؟"

"جی بس"

"خیریت؟"

او ہو! آج سب کو کیوں میری فکر پڑ گئی ہے؟ نادیہ سے نوٹس لینے تھے مل گئے تو آ گئی۔" وہ خواہ مخواہ ہی چڑ گئی، پھر اِدھر اُدھر برتنوں میں ہاتھ مارتی بظاہر کچھ تلاش کرنے لگی۔۔۔

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ اچھا ناشتہ تو کر لو"

نہیں، بھوک نہیں ہے" وہ بس منظر سے ہٹنا چاہتی تھی، سو اتنا کہہ کر باہر لاونج میں آ گئی۔ ذہن ابھی تک الماری میں کپڑوں کے پیچھے چھپی کتاب میں اٹکا ہوا تھا۔۔۔ پھر گھر کے کام کاج، صفائی اور اس کے بعد مسرت کے ساتھ مشین لگائے وہ میکانکی انداز میں خاموشی کے ساتھ کام کرتی رہی، مسلسل اس کا دل پلٹ پلٹ کر اس کتاب کی طرف جاتا تھا۔ وہ چند بار اندر آئی اور الماری کھول کر کپڑوں کے پیچھے ہاتھ تھپتھپا کر دیکھا۔۔۔

وہ سیاہ کتاب وہیں پر رکھی تھی۔

پھر سارا دن وہ موقع ڈھونڈھتی رہی کہ اسے جا کر پڑھے، کچھ تو پتہ چلے، کوئی راہ

تو نکلے، مگر کاموں کا بوجھ اور کچھ فطری سا خوف تھا کہ اس کتاب کو کھولنے کی

ہمت نہ کر سکی۔۔۔

رات کھانے کے بعد اس نے جب سب کو ڈائیننگ ہال میں سویٹ ڈش میں مصروف پایا

تو بالآخر الماری سے وہ بھاری کتاب نکالی اور اسے سینے سے لگائے دبے پاؤں سیڑھیاں

اوپر چڑھتی گئی۔

ڈائیننگ ہال سے براستہ لاونج کچن کی طرف جاتی مہتاب تائی نے چونک کر اسے آخری

سیڑھی پھلانگتے دیکھا۔۔۔

یہ محمل کیا کرتی پھر رہی ہے آج؟" انھوں نے پیچھے سے آتی ناعمہ چچی کو روک کر"

سرگوشی میں پوچھا۔

"ابھی کوئی کتاب پکڑے اوپر گئی ہے۔"

اچھا؟" وہ متجس سی تائی کے قریب آئیں۔"

پڑھائی وڑھائی تو اب ختم ہے اور چھت پہ تو کبھی نہیں گئی پڑھنے، ضرور دال میں کچھ

"کالا ہے۔

اور انکی سرگوشیوں سے بے خبر، وہ باہر ٹیرس پہ نکل آئی، آہستہ سے دروازہ بند کیا اور

ریلنگ کے ساتھ نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔ کتاب گھٹنوں پہ رکھے وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتی

رہی۔

محرومیوں، نارسائیوں اور دکھوں کے اس کئی برس پرانے کرب کی اب جیسے انتہا ہو چکی

تھی۔ اس سے اب مزید برداشت نہ ہوتا تھا۔ غلط ہو یہ صحیح، وہ زندگی سے اپنا حصہ

ضرور وصول کرے گی۔۔۔

ایک ٹھوس اور قطعی فیصلہ کر کے محمل ابراہیم نے کتاب کی سیاہ جلد پر ہاتھ رکھا۔

وہ بے حد سرد تھی۔ ٹھنڈی اور پر سکون۔ وہ جلد پلٹنے ہی لگی تھی کہ ایک دم ٹیرس

کا دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

اس نے گھبرا کر سر اٹھایا، اور ایک لمحے کو تو زمین اور آسمان اس کی نگاہوں

کے سامنے گھومنے لگے۔

آغا جان، دونوں چچا، تائی مہتاب، ناعمہ چچی اور لڑکیاں اور مسرت بھی۔۔۔ سب ایک

ساتھ باہر آئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟" آغا جان غصے سے غرّائے تھے۔ "محمل کیا کر رہی ہو ادھر؟"

وہ ہکا بکا منہ کھولے انھیں دیکھتی رہ گئی۔۔۔

اگھر کیا بیٹھی ہو، سامنے آؤ" تائی مہتاب چمک کر بولیں، اس کی تو جیسے ٹانگوں میں"

جان ہی نہ رہی تھی۔ بمشکل اٹھی اور دو قدم آگے بڑھی۔ کتاب اسی طرح دونوں ہاتھوں میں

پکڑی تھی اور پورا جسم لرز رہا تھا۔

"وہ۔۔۔ آغا جان۔۔۔ میں"

میں پوچھ رہا ہوں، اتنی رات کو ادھر کیا کر رہی ہو؟"

مم۔۔۔ میں پڑھ، پڑھ رہی۔۔۔" لفظ لبوں پہ ہی دم توڑ گئے، اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں تھیں۔

کیا پڑھ رہی ہو؟ ادھر دکھاؤ۔" آغا جان کے لہجے کی سختی کم نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے"

کتاب لینے کو ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

کک۔۔۔ کک کچھ نہیں، کچھ نہیں" اس نے کتاب پیچھے کرنی چاہی اور پھر اس نے"

دیکھا، آغا جان کے پیچھے کھڑی مسرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور تائی فاتحانہ

مسکرائی تھیں۔۔۔

ارے ہم بھی تو دیکھیں، بھری رات میں ادھر کون سی کتابوں میں چھپا کر خط و کتابت ہو رہی ہے، میں تو پہلے ہی کہتی تھی یہ لڑکی کوئی چاند ضرور چڑھائے گی۔" اس کے ارد گرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔

نہیں۔۔۔تائی۔۔۔نہیں" وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا، میں تو پڑھ۔۔۔"

آغا جان نے زور سے اس کے ہاتھوں سے کتاب چھینی۔ "پڑھ رہی تھی تو دکھاتی کیوں نہیں ہو؟" ایک غصیلی نظر اس پر ڈال کر انھوں نے کتاب اپنے سامنے کی۔

میں بھی کہوں کیوں راتوں کو چھت پہ آجاتی ہے، کس کے ساتھ منہ کالا کرتی ہے، یہ زبان جو اتنی لمبی ہو رہی ہے، ارے میں بھی کہوں کوئی تو ہے، اس کے پیچھے۔

آغا جان! اس سے کہیئے کہ جس مردود کے لئے چھتیاں ڈالنے ادھر آتی ہے، اسے کہے کے ابھی آئے اور دو بول پڑھا کے اسے لے جائے۔ خاندان بھر میں بدنام کرے گی ہمیں "کیا۔

اور اسے لگا، آج وہ واقعتاً ہار گئی ہے۔ آغا جان کتاب کے صفحے پلٹ رہے تھے۔۔۔ ہر

پلٹتے صفحے کے ساتھ اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس نے سر جھکا کر آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ آج وہ اسے یقیناً قتل کر ڈالیں گے۔ وہ سفلی عملیات میں پڑ گئی ہے۔ کبھی نہیں بخشیں گے۔۔۔

شرم نہیں آتی تمہیں، گھٹیا عورت!" آغا جان ایک دم دھاڑے تو اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ اسے لگا وہ لہرا کر گرنے کو ہے جب۔۔۔

میں۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے۔۔۔؟" تائی کی ہکلائی آواز نکلی۔

محمل نے جیسے کسی خواب سے جاگ کر سر اٹھایا۔

وہ کھلی کتاب ہاتھ میں پکڑے، محمل سے نہیں تائی سے مخاطب تھے۔

تمہیں شرم نہیں آتی اس یتیم بچی پہ الزام لگا کر ہم سب کو اکٹھا کر کے؟ ڈوب مرو تم ایسے" الفاظ کہنے سے پہلے، وہ اب چھت پہ پڑھ بھی نہیں سکتی۔۔۔؟

محمل نے پلکیں زور سے جھپکائیں یہ آغا جان کیا کہہ رہے تھے۔

"مگر آغا صاحب! وہ اس کتاب میں۔۔۔"

"ڈوب مرو تم بے دین عورت! وہ قرآن پڑھ رہی تھی، تم قرآن کی حرمت کا تو پاس رکھ لیتیں۔"

انھوں نے سیاہ کتاب بند کی، اسے چوما، آنکھوں سے لگایا اور محمل کی طرف بڑھایا۔ "بیٹا

نیچے پڑھ لیتیں، تو سب پریشان نہ ہوتے۔۔۔یہ لو" وہ اسے کتاب تھما کر ایک کٹیلی نگاہ ان عورتوں پر ڈال کر واپس ہو لئے۔۔۔

نہ تو اب چوروں کی طرح پڑھے گی تو بندہ شک تو کرے گا ہی، ورنہ میرا کیا دماغ خراب" ہے کہ یوں کہتی۔" تائی شرمندہ سی پلٹیں۔

آغا جان کبھی کبھار انہیں یوں ہی سب کے سامنے جھڑک دیا کرتے تھے۔ خصوصاً جب وہ اپنے رشتہ داروں پہ بے دریغ پیسے لٹاتی تھیں۔

اور نہیں تو کیا۔۔۔" آہستہ آہستہ سب نادم سے پلٹ گئے۔"

وہ اسی طرح ساکت سی کتاب ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ ٹیرس خالی ہو چکا تھا۔ سب جا چکے تھے۔ پُر سکون اور سرخرو مسرت بھی اور وہ اسی طرح پتھر کا بت بنے وہاں کھڑی تھی۔

"اس کتاب کا ہر صفحہ تمہارے گزرے دن کی روداد ہے۔"

"یہ کتاب کبھی پرانی نہیں ہوگی۔"

"تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو گی۔"

اس سیاہ فام لڑکی کا ایک ایک فقرہ طمانچے کی طرح اس کے منہ پر برس رہا تھا۔

تڑاخ۔۔۔ تڑاخ۔۔۔ تڑاخ۔۔۔

اسے لگا، وہ کبھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گی، یونہی صدیاں اس اندھیرے ٹیرس پہ کھڑی رہے گی۔

دھوکہ۔۔۔مذاق۔۔۔فریب۔۔۔تمسخر۔۔۔قرآن کی بے حرمتی۔۔۔" اس سیاہ فام لڑکی نے کیا' نہیں کیا تھا۔

اتنا بڑا مذاق۔۔۔ایک پریشان حال لڑکی کو سبز خواب دکھا کر اسے اسی کی مقدس کتاب" پکڑادی؟ یہ ہوا کیا تھا اس کے ساتھ؟

اس کے ہاتھ ابھی تک لرز رہے تھے۔ نہایت بے یقینی کے عالم میں اس نے سیاہ جلد والی کتاب کو چہرے کے سامنے کیا۔

سیاہ جلد صاف تھی۔۔۔بے داغ، بے لفظ۔

اس نے درمیان سے کتاب کھولی۔

اوپر عربی کی عبارتیں تھیں اور نیچے انگریزی کی۔

سب سے اوپر لکھا تھا۔

الکھف۔۔۔ The Cave

اس نے چند صفحے آگے کھولے۔

العنکبوت۔۔۔ The Spider

اس نے شروع سے دیکھا۔

المائدہ۔۔۔ The Table Spread

محمل نے کتاب بند کر دی۔

آغا جان نے ٹھیک کہا تھا، وہ قرآن تھا۔۔۔ انکی مذہبی کتاب، مقدس کتاب اور اس فرنکن نے کیسے کیسے قصے گھڑ دیئے تھے اس کے ساتھ۔۔۔

ذلیل عورت!" وہ شاک سے نکلی تو بے پناہ غصہ آیا۔ وہ لڑکی تو اپنے گھر میں بیٹھی اس پہ ہنس رہی ہوگی۔ اس کا تمسخر اڑا رہی ہوگی اور وہ بھی کتنی جلدی بے وقوف بن گئی۔

اف!

وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

"نہ سر پہ دوپٹہ، نہ وضو نماز اور چلتے ہیں قرآن پڑھنے۔ ہونہہ۔"

لاونج کے بڑے صوفے پہ بیٹھی تائی اسے زینہ اترتے دیکھ کر اونچا بڑبڑائی تھی۔ بڑے عرصے بعد آغا جان نے انھیں سب کے سامنے بے عزت کیا تھا اور وہ بھی صرف اور صرف محمل کی وجہ سے انہیں اب کسی طرح تو غصہ اتارنا تھا۔ مگر محمل کو ئی

بھی جواب دیئیے بغیر سر جھکائے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

****

صبح وہ پھر جلدی آگئی تھی۔
سیاہ فام لڑکی آج بہت پہلے سے اس بینچ پہ بیٹھی تھی، اسے دیکھ کر محمل کے قدم تیز ہو گئے۔

قدموں کی چاپ پہ ہی اس نے سر اٹھایا محمل نے دیکھا، اسے دیکھ کر اس کی سیاہ آنکھوں میں امید کے دیئیے جل اٹھے تھے۔
سڑک خالی تھی اور نارنجی سورج طلوع ہو رہا تھا۔ محمل اس کے بالکل سامنے آکھڑی ہوئی۔ سورج کی نارنجی شعاعیں اس کے پیچھے چھپ گئیں۔
"تمہیں شرم تو نہیں آئی ہو گی میرے ساتھ ایسا بے ہودہ مذاق کرتے ہوئے؟"
سیاہ فام لڑکی کی نگاہیں اس کے ہاتھوں میں پکڑی کتاب پہ جھکیں۔ ایک دم ہی اس کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔

"مصحف واپس کرنے آئی ہو۔۔۔؟"

مصحف؟" اکھڑی اکھڑی سی محمل نے آبرو اٹھائی۔"

"ہم ایرب ورلڈ (عرب دنیا) میں قرآن کو مصحف کہتے ہیں۔"

تم ے مجھے کیا قصے کہانیاں سنا کر قرآن تھما دیا۔ یہ کوئی مذاق کرنے کی کتاب تو نہ"

"تھی۔ یہ تو قرآن تھا۔

قرآن نہیں قرآن ہوتا ہے۔" وہ اداسی سے مسکرائی تو محمل نے شانے اچکائے۔"

بہر حال تمہیں یہ پریکٹکل جوک کر کے مجھے شرمندہ کرنے پہ شرم آنی چاہیے۔"

"میں تو کیا سوچ رہی تھی اور تم نے مجھے ایک مقدس کتاب تھما دی؟

"تو تم کسی غیر مقدس چیز کی توقع کر رہی تھی کیا۔"

جی نہیں۔" وہ تلملائی، پھر قرآن اس کی گود میں رکھا۔"

"یہ میرے پاس پہلے سے ہے، مجھے ضرورت نہیں ہے۔"

"بیٹھ کر بات کر لو۔"

میں ٹھیک ہوں۔" وہ اسی طرح سینے پہ ہاتھ باندھے اکھڑی اکھڑی سی کھڑی ہی۔"

"اچھا۔"

اس نے نرمی سے مصحف کی سیاہ جلد پہ ہاتھ پھیرا۔

"تو تم نے یہ پڑھ رکھا ہے؟"

اس کی آواز میں صبح کی ساری اداسی سمو گئی تھی۔

"ہاں۔۔۔اور بچپن میں ہی پڑھ لیا تھا۔اللہ کا شکر ہے ہم شروع سے ہی مسلمان ہیں۔"

وہ عادتاً جتا کر بولی۔

اور تمہیں ہماری مقدس کتاب کے بارے میں غلط فہمیاں ہیں۔یہ کوئی فال نکالنے والی"

"کتاب نہیں ہے، نہ ہی اس میں میری یا تمہاری اسٹوری ہے۔لاحول ولا قوۃ۔۔۔

"اچھا۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔"چلو پھر بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ اس میں کیا ہے؟"

اس میں احکامات ہیں۔نماز، روزے، حج، زکوٰۃ کے۔" وہ اس کے ساتھ بینچ پر بیٹھ کر اسے"

بہت سمجھ داری سے بتانے لگی۔"اس میں پرانی قوموں کے قصے ہیں، قوم عاد، ثمود اور۔۔۔

"اور بنی اسرائیل۔

"یہ بنی اسرائیل کا کیا مطلب ہوتا ہے؟"

مطلب؟" وہ ہلکا سا گڑبڑائی۔"بنی اسرائیل کا مطلب ہوا، اسرائیل کے بیٹے؟" وہ پوچھ رہی"

تھی، یا بتا رہی تھی خود بھی نہ سمجھ سکی۔

"اسرائیل کا مطلب عبداللہ ہوتا ہے۔ ایل اللہ کو کہتے ہیں۔ یہ یعقوب کا نام تھا۔"

آں ہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ، حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ، سب پڑھ رکھا ہے میں نے، سب پتہ ہے مجھے۔ ہمیں تو کورس میں پڑھایا گیا تھا یوسف علیہ السلام اور زلیخا والا قصہ۔"

یوسف علیہ السلام اور کس والا قصہ؟" سیاہ فام لڑکی کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔"

"یوسف علیہ السلام اور زلیخا والا قصہ۔"

"عزیزِ مصر کی بیوی کا نام زلیخا تھا۔۔۔؟"

کیا نہیں تھا۔؟" وہ کنفیوزڈ ہو گئی۔"

"کوئی دلیل ہے تمہارے پاس؟ کوئی حجت؟"

دلیل؟ حجت؟" وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔"

"ہمارے کورس کی گائیڈ بک میں لکھا تھا۔"

کورس کی گائیڈ بک انسان کی بات ہے اور انسان کی بات میں دلیل نہیں ہوتی۔"

دلیل صرف قرآن یا حدیث سے پیش کی جاتی ہے، کیونکہ دونوں نازلِ خداوندی ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں اور نہ ہی اسرائیلیات میں کہیں بی نہیں بتایا گیا کہ "اس عورت کا نام زلیخا تھا۔

اس کا لہجہ نرم تھا۔" مصر کی اس عورت سے ایک غلطی ہوئی تھی،ایک جرم سرزد

ہوا تھا، مگر اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا۔ اس کا فعل تو بتایا مگر نام نہیں اور جس چیز

کا پردہ اللہ رکھے،وہ کھل نہیں سکتا، مگر ہم نے "یوسف علیہ السلام اور زلیخا" کے قصے ہر

مسجد و منبر پر جا کر سنائے۔ ہم کیسے لوگ ہیں؟"

ہیں؟ تو اس کا نام زلیخا نہیں تھا۔۔۔؟" وہ ساری خفگی بھلا کر حیرت سے پوچھ رہی تھی۔"

اس کا نام راز ہے اور میرا اور تمہارا رب وہ راز نہیں کھولنا چاہتا، سو یہ ہمیشہ راز ہی رہے"

گا۔"

اچھا۔۔۔" اس نے شانے اچکائے۔۔۔پہلی دفعہ اسے اپنی علمی کمتری کا خفیف سا احساس ہوا"

تھا مگر یہ ماننا اس کے انا کی شکست تھی، سو لاپرواہی سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

بہرحال، مجھے افسوس ہے کہ تمہارے کانسیپٹ قرآن کے بارے میں غلط ہیں۔ یہ کتاب"

وہ نہیں ہے جو تم اسے سمجھتی ہو۔"

"اور اگر یہ وہ نہ ہوئی جو تم اسے سمجھتی ہو تو؟"

"میں صحیح ہوں، مجھے سب پتہ ہے۔"

"تمہیں جو کوئی اس نور کی طرف بلائے گا، تم اسے یہی کہو گی؟"

مگر تم نے یہ تو نہیں بتایا تھا کہ یہ قرآن ہے۔ تم نے تو کچھ اور قصے سنائے تھے۔ آخر"

"کیوں؟

"اگر میں تمہیں تبلیغ کرتی تو تم اکتا کر مجھ سے دور بھاگ جاتی۔"

اب بھی تو یہی ہو گا۔ وہ جتا کر بولی تو سیاہ فام لڑکی نے سر جھٹکا۔

لیکن اب تمہاری حجت تمام ہو چکی ہے۔ آگے تمہاری مرضی۔

ایک سیاہ مرسڈیز زن سے ان کے سامنے سے گذری۔ تھوڑی دور جا کر اس کے ٹائر چر چراتے ہوئے رکے اور وہ تیزی سے ریورس ہوئی۔ محمل نے چونک کر دیکھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر فواد بیٹھا تھا۔ وہ حیران سی کھڑی ہوئی۔ وہ اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

وہ جیسے کھل کے مسکرائی اور بینچ پہ رکھا بیگ کندھے پہ ڈالا۔ سیاہ فام لڑکی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا، اور پھر محمل کی مسکراہٹ کو،

تمہارے پاس دو راستوں کا انتخاب تھا۔ مصحف یا دل۔ تم نے اپنا انتخاب کر لیا۔ مگر مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ میں تمہیں مصحف کی طرف نہ بلا سکی۔ اب تمہیں جو بھی لے آئے میرا اس میں حصہ نہ ہو گا۔ اب تمہیں

جو بھی لے آئے۔ میرا اس میں حصہ نہ ہو گا۔ لیکن میں ہمیشہ تمہارے لیے دعا کروں گی۔

سیاہ جلد والے مصحف کو سینے سے لگائے، اپنا بیگ کاندھے پہ ڈال کر وہ ایک طرف کو چل دی۔ محمل نے دیکھا، وہ لنگڑا رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اندر بیٹھی اور دروازہ بند کر دیا۔

ونڈو اسکرین کے اس پار وہ لنگڑاتی، سیاہ فارم لڑکی دور ہوتی جا رہی تھی۔ محمل کو علم نہیں تھا کہ وہ اسے اس اداس صبح میں آخری بار دیکھ رہی ہے۔ اس کا نام کیا تھا وہ کدھر سے آئی تھی۔ وہ کچھ نہ جانتی تھی۔ مگر اس لمحے اسے جاتے دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ وہ لڑکی اسٹاپ پہ بس پکڑنے نہیں آتی تھی، بلکہ وہ تو شاید اس کے لیے آئی تھی۔ اور شاید اس کے بس پکڑنے کے بعد یونہی واپس چلی جاتی تھی۔

ہم کہاں جا رہے ہیں فواد بھائی؟ فواد نے گاڑی آگے بڑھائی تو وہ پوچھ بیٹھی۔

تم مجھے بھائی کہنا چھوڑ نہیں سکتی؟

وہ کیوں؟ دھڑکن بے ترتیب ہوئی مگر بظاہر وہ سادگی سے بول رہی تھی۔

ایسے ہی۔۔۔

پر ہم جا کہاں رہے ہیں؟

آفس بتایا تو تھا۔ اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے ذرا سا چہرہ اس کی طرف موڑا اور مسکرایا۔

آفس؟ اب کے وہ حیران رہ گئی۔ مگر آغا جان نے تو منع کیا تھا ناں؟

اور حسن بھائی نے بھی؟۔۔۔

جہنم میں گیا حسن! تم آفس جانا چاہتی ہو نا نہیں؟

جانا چاہتی ہوں۔ اس کے بگڑنے پر وہ جلدی سے بولی۔

وہ کھل کر مسکرا دیا۔

ایسے ہی اعتماد سے زندگی گذارو گی تو خوش رہو گی۔ ورنہ لوگ تمہیں ہضم کر جائیں گے۔ زندگی سے اپنا حصہ وصول کرنا سیکھو لڑکی! وہ بہت موڈ ڈرائیور کر رہا تھا اور وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے تو کچھ بھی نہ کرنا پڑا اور قسمت اس پر مہربان ہو گئی تھی۔

اور یہ جوڑا جو تم نے پہن رکھا ہے غالباً میں پچھلے دو سال سے دیکھ رہا ہوں۔

تین سال سے۔ اس نے تصحیح کی۔

!امیزنگ! یہ تمہاری کزنز تو تین بار سے زیادہ جوڑا نہیں چلاتی اور تم

یہ تین سال پہلے عید پہ بنوایا تھا۔ محمل نے کرتے کے دامن پہ ہاتھ پھیرتے بغور اسے دیکھا۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ میں نئے جوڑے بنوا سکوں۔ آغا جان تو بس عید کے عید کپڑوں کے پیسے دیتے ہیں۔ اس کا جانے کیوں دل بھر آیا۔ آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو پھسلے تھے۔

ارے نہیں محمل! ایسے نہیں روتے۔ اس کے رونے پہ وہ پریشان سا ہو گیا۔ اور گاڑی سائیڈ پر روک دی۔ میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ اور جب میں ہوں تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس نے سر اٹھایا کانچ سی بھوری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

اور ابھی آفس نہیں جاتے۔ جناح سپر چلتے ہیں۔ وہاں سے تمہارے لیے ڈیزائنر ویئر لیں گے۔ تم بہت خوبصورت ہو محمل! تمہیں خوبصورت چیزیں ہی پہننا چاہیے۔ وہ اس کے بہت قریب مخمور سا ہو کر بولا۔ پھر چونکا اور سیدھا ہو کر اگنیشن میں چابی گھمائی۔

وہ سر جھکائے ہتھیلی کی پشت سے بھیگے رخسار رگڑنے لگی ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ اگر جو تائی اماں کو پتہ چلے کہ ان کا یہ ولی عہد میرے آنسوؤں کی اتنی پرواہ کرتا ہے تو کتنا مزہ آئے گا۔ فواد ترپ کا وہ پتہ تھا جس کے ذریعے اسے ان سب ظالموں سے انتقام لینا تھا۔

وہ اسے ڈیزائنر آؤٹ لٹس پہ لے گیا۔ محمل ایک ہی دفعہ ندا سامیہ وغیرہ کے ساتھ ادھر گئی تھی۔ اسے لگا کہ وہ کسی خواب میں چل رہی ہے۔ سب کچھ جیسے واقعی اس کے قدموں میں ڈھیر ہو چکا تھا۔

آج کل ایسی شرٹس کا فیشن ہے۔ ایک تنقیدی نگاہ اس پہ ڈال کر اس نے جدید تراش خراش کے لباس کا ہینگر اتارا اور اس کے کندھے کے ساتھ لگایا۔ ہوں۔۔ یہ ٹھیک ہے تمہیں کیسا لگا۔؟

اچھا ہے۔ وہ تو جیسے بول ہی نہ پا رہی تھی۔

یہ پیک کر دیں، اس نے ہینگر بے نیازی سے میلز گرل کی طرف بڑھایا اور دوسرے ریک کی طرف بڑھ گیا۔

سدرہ کی منگنی کے لیے بھی کوئی اچھا سا جوڑا تو لینا ہو گا؟ ہے نا!

سدرہ باجی کی منگنی؟ وہ چونکی۔

ہاں اس کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔ اور نیکسٹ سنڈے اس کی منگنی ہے۔ تمہیں نہیں پتہ؟ وہ ریک سے کپڑے

الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

نہیں۔۔۔وہ گھر میں غائب دماغ رہتی تھی یا تائی اماں نے یہ خبر چھپا کر رکھی تھی؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

یہ منگنی کے فنکشن کے لیے اچھا ہے نا! اس نے ایک نارمل سا جوڑا نکال کر اسے دکھایا۔ محمل اس کے قریب چلی آئی۔

ٹیپکل نہیں ہے لیکن بہت کلاسک سا تھا ہے۔اسے بھی پیک کر دیں۔اس کے چہرے پہ پسندیدگی دیکھ کر اس نے بھی وہ سیلز گرل کو تھما دیا۔

بس بہت ہیں فواد بھائی! میں اتنا سب گھر کیسے لے کر جاؤں گی۔جب وہ اگلے بوتیک کی طرف بڑھا، تو اس نے گھبرا کر روک دیا۔

واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔چلو پھر کچھ چھوٹی موٹی چیزیں لے لیتے ہیں۔جوتے، پرفیومز، جیولری، میچنگ کانچ کی چوڑیاں دلوا کر بصد آخر فواد نے بس کر دی۔

میرا دل کرتا ہے محمل! میں تمہیں پوری دنیا خرید کر دے دوں۔پتہ نہیں کیوں۔وہ فرنٹ سیٹ کا لاک کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اور وہ وہیں دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے گم صم اسے دیکھے گئی۔یہی سب تو چاہا تھا اس نے، مگر کبھی سوچا نہ تھا کہ اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔

پھر وہ اسے فیکٹری لے آیا۔ہیڈ آفس میں پاپا اور حسن ہوتے ہیں۔اسد چچا اور غفران چچا پنڈی والی برانچ میں ہوتے ہیں جبکہ میں فیکٹری سائیڈ پر۔میں تمہیں آہستہ آہستہ سب کام سکھا دوں گا۔ٹھیک؟

ٹھیک ہے، مگر میں گھر میں کیا کہوں گی؟

تم ٹیوشن پڑھانے جاتی ہو نا، تو بس تمہیں ایک اور ٹیوشن مل گئی ہے۔ جس کی پے سے تم نے اپنے لیے شاپنگ کر لی ہے مسرت چچی کو شاپنگ کے بارے میں یہی کہہ دینا باقیوں کو کچھ دکھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ رائٹ؟ اب چائے لو گی یا کافی؟۔۔

کافی۔۔۔ اور اس کے مقابل کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

گڈ۔۔ وہ بھی مسکرا دیا، مسکراتے ہوئے وہ بہت اچھا لگتا تھا،

اس روز فواد نے اسے کوئی کام نہ کرنے دیا، بس ادھر بیٹھ کر مجھے آبزرو کرو اور سیکھو۔ کہہ کر اسے اپنے سامنے بٹھا دیا۔ کام کرتے کرتے وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر اسے مسکرا کر دیکھتا تو ہنس پڑتی۔

وہ دن اسے اپنی زندگی کا بہترین دن لگا۔

اماں مجھے دوسری ٹیوشن بھی مل گئی ہے۔ سو آئندہ صبح جایا کروں گی

مسرت اپنے کاموں میں الجھی تھیں سو دھیان نہ دیا۔ اور اس نے خاموشی سے سارے کپڑے اور چیزیں الماری میں رکھ دیں۔

پھر روز کا یہی معمول بن گیا۔ نادیہ کے والد کی اکیڈمی سے اس نے مہینے بھر کی چھٹی لے لی۔ اور صبح سے شام ڈھلے فواد کے ساتھ فیکٹری چلی جاتی۔ اس نے آغا جان سے پیسے مانگنے چھوڑ دیے۔ اور جب سدرہ کی منگنی کے لیے آغا جان نے اس کپڑے بنوانے کے لیے چند سو دینے چاہے تو اس نے بے نیازی سے انکار کر دیا،

تھینک یو آغا جان مگر میرے پاس پہلے ہی بہت ہیں۔ تین تین ٹیوشن پڑھاتی ہوں میرے خرچ پورے ہو ہی رہے ہیں۔ پھر بھی اگر چاہیے ہونگے تو آپ سے مانگ لوں گی۔

آغا جان اور تائی مہتاب نے پھر کبھی اس کے شام کو گھر آنے پہ اعتراض نہیں کیا۔ محمل ان سے پیسوں کا مطالبہ نہیں کرتی تھی انہیں اور کیا چاہیے تھا۔

ٗس ی ڑھ ی وں ک ے س ام ن ے ل گ ے ق د آدم آئ ی ن ے ک ے س ام ن ے ک ھ ڑ ی وہ

کے سلور چوڑی دار پائجامے جیسا اور سبز قمیض پر بھی ایسا ہی کام تھا۔ اور دوپٹہ تو یوں تھا کہ آسمان پر تارے بکھرے پڑے ہوں۔ چھوٹی آستینوں سے اس کے گداز بازو نمایاں تھے۔ اور نازک کلائیوں میں بھر بھر کے سلور اور سبز چوڑیاں۔ ہلکا سا میک اپ اور سنہرے بورے بال سیدھے شانوں پہ بکھرے تھے۔

جھمکا کان میں جا کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے جھمکے کو کان کے سوراخ میں ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سب باہر لان میں جمع تھے۔ منگنی کا فنکشن شروع تھا۔ اور اس کی تیاری رہتی تھی۔

اف او، اس نے جھنجھلا کر کان سے جھمکا ہٹایا۔ کان کی لو سرخ پڑ چکی تھی۔

اب کیا کروں؟

اسی پل آئینے میں اس کے پیچھے فواد کا چہرہ ابھرا،

فواد بھائی؟ وہ حیران سی پلٹی۔ آپ ادھر؟ سب تو باہر ہیں۔

تم بھی تو ادھر ہو۔ وہ اس کے بلکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ بلیک سوٹ میں وہ اتنا اسمارٹ بندہ بنا پلک جھپکے جیسے

مبہوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی نظریں بلا ارادہ جھک گئیں۔

تم کتنی خوبصورت ہو محمل!

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے بمشکل نظریں اٹھائیں۔ وہ ان مخمور نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے حصار سے اس کے گال سرخ پڑنے لگے۔

وہ۔۔۔وہ جھمکا نہیں پہنا جا رہا تھا۔ وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

لو۔۔اتنی سی بات تھی اور تم نے پورا کان سرخ کر ڈالا۔ اس نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے اس کے بھورے بالوں کو چھوا اور پھر پیچھے ہٹ گیا، وہ بھی سنبھل کر جھمکے کا سہارا لگانے لگی۔

ایک دم ہی فواد کچھ کہے بنا باہر نکل گیا۔ اور وہ جو پچھلے لمحے کے فسوں میں کھوئی تھی، چونک کر پلٹی۔ وہ دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔

یہ کیا؟ وہ الجھ کر آئینے کی طرف پلٹی تو حسن سیڑھیوں کے اوپر کھڑا تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ گڑبڑا کر جلدی جلدی بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ مگر حسن تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آیا۔۔۔

اگر آج کے بعد میں نے تمہیں فواد کے دس فٹ قریب بھی دیکھا تو ٹانگیں توڑ کر گھر بٹھا دوں گا۔ غصے سے اس کی کلائی پکڑ کر اس نے اتنی زور کا جھٹکا دیا کہ وہ چیخ پڑی۔

حسن بھائی۔۔۔

آئی سمجھ یا نہیں؟ اس نے دوبارہ جھٹک کر اس کی کلائی چھوڑ دی۔ اور لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

وہ ساکت سی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔اس نے چوڑیوں والی کلائی تھامی تھی اور آدھی سے زیادہ چوڑیاں تڑ تڑ ٹوٹ کر گرنے لگی تھیں۔بہت سا کانچ اسے چبھ گیا تھا اور جگہ جگہ سے خون کے قطرے رسنے لگے۔

یہ۔۔۔۔حسن بھائی۔۔۔انہیں کیا ہوا؟وہ دکھ سے اپنی زخمی کلائی یکھتی رہ گئی۔سبز کانچ کے ٹکڑے فرش پہ بکھرے تھے۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے،

یتیم ہونے کا مطلب یہ تھا کہ جس کا دل چاہے اس پہ ہاتھ اٹھائے؟وہ آنسو پیتی اندر کے زخم کو بمشکل برداشت کرتی جھک کر کانچ چننے لگی۔دل چاہ رہا تھا کہ خوب روئے مگر خود کو سنبھالے وہ دوسری چوڑیاں پہن کر باہر آ گئی۔

سدرہ صوفے پر دلہن کی طرح سجی سنوری بیٹھی تھی۔عام سی شکل کی سدرہ بہت سے میک اپ کے بعد بھی عام سی لگ رہی تھی۔اس کا منگیتر قدرے موٹا تھا اور شرمایا ہوا بھی۔اس میں کچھ ایسا نہ تھا کہ کوئی متاثر ہوتا۔اور ندا او سامیہ تو مسکرا مسکرا کر دل جلے تبصرے بھی کر رہی تھیں۔سننے میں آیا تھا کہ وہ مہتاب تائی کی کسی سیکنڈ کزن کا بیٹا تھا۔یہیں اسلام آباد میں ایک اچھی پوسٹ پہ کام کر رہا تھا۔جانے کب رشتہ آیا اور ہاں ہوئی اسے اور مسرت کو تو غیروں کی طرح اطلاع دی گئی۔

لان میں قمقموں اور روشنیوں کی بہار تھی۔وہ اس وقت باہر آئی تو رسم ہو رہی تھی۔اور سمد ھنیں ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا رہی تھیں۔سب ہنس بول رہے تھے۔

وہ خاموشی سے گھاس پہ چلتی ہوئی ایک کرسی پہ آ بیٹھی۔اس کا دل اور آنکھیں غمگین تھیں

فواد بھی وہیں اسٹیج پر کسی کی بات پر ہنستا ہوا اپنے بہنوئی کو مٹھائی کھلا رہا تھا۔

مخمل نے ارد گرد متلاشی نگاہوں سے دیکھا۔اسٹیج کے سامنے، گھاس پہ ساڑھی میں ملبوس فضہ اپنی کسی جاننے والی خاتون سے حسن کا تعارف کرا رہی تھیں۔ حسن کے بازو کو تھامے وہ بہت فخر سے اس کے متعلق بتا رہی تھیں اور وہ مسکراتے ہوئے ان خاتون سے بات کر رہا تھا۔اس نے بھی بلیک ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا اور بلاشبہ وہ بہت گڈ لکنگ تھا۔

مخمل نے دکھ سے اسے دیکھا۔اس پل اسے حسن سے بڑا منافق اور دوغلا شخص کوئی نہ لگا تھا۔ حسن نے اسکی نازک کلائی کو ہی نہیں،اس کے دل کو بھی زخمی کر دیا تھا۔ سارے فنکشن کا مزا خراب ہو گیا تھا۔

وہ اتنی بددل اور غمزدہ بیٹھی تھی کہ احساس ہی نہیں ہوا وسیم کب اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

آج کتنوں کو گرانے کا ارادہ ہے، سرکار؟" وہ ایک دم بہت قریب آ کر بولا تو" وہ اچھلی۔وہ اپنے ازلی لوفرانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

بڑے لشکارے ہیں چھوٹی کزن، خیریت؟" وہ معنی خیزی سے پھر مسکرایا تو"
وہ گھبرا کر اٹھی اور لڑکیوں کے گروپ کی طرف بڑھ گئی۔ ساتھ ہی بار بار پیچھ

مڑ کر دیکھتی۔ وسیم اِدھر اُدھر گھومتے مسلسل اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوئے تھا۔

وہ بچتی بچاتی لوگوں میں ہی گھری رہی۔ وہ سب کزنز بہت خوش اور ایک ساتھ بہت مکمل نظر آرہے تھے۔ صرف وہ ایک فالتو کردار تھی۔ حالانکہ کتنی ہی عورتوں نے پوچھا تھا کہ یہ سبز اور سلور کپڑوں والی لڑکی کون ہے؟

وہ تھی ہی اتنی منفرد اور الگ مگر ہر شے سے بے خبر وہ سارا وقت افسردہ ہی رہی۔

سدرہ کی منگنی پہ جتنے شغل اور مزے کا اس نے سوچا تھا، اس سے بڑھ کر وہ بدمزہ ہوئی تھی۔

****

فواد اسے آفس میں چھوٹے موٹے کام دینے لگا تھا۔ زیادہ تر اسے سپروژن پہ ہی

لگاتا۔

"یہ ڈرافٹ بنوانا ہے، اپنی نگرانی میں۔ فنانس کے ذاکر صاحب سے بنوا لاؤ۔"

"اس چیک پہ سائن کرانے ہیں، مفتی صاحب سے کروا لاؤ۔"

اور یہ سارے کام بہت اعتماد طلب ہوتے تھے۔ اسے اچھا لگتا کہ وہ اس پہ بھروسہ کرتا ہے، اس کا خیال کرتا ہے۔ دوپہر کا کھانا وہ اکٹھے ہی کھاتے، باقی

وقت وہ اپنے آفس میں کام کرتا تو محمل اپنے کیبن میں بیٹھ کر دوسروے لوگوں کا بغور مشاھدہ کرتی۔ کبھی کبھی اسے احساس ہوتا کہ اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی نہ تو وہ کام کے بارے میں زیادہ سمجھ پائی ہے اور نہ ہی وہ اور فواد زیادہ قریب آئے ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کی پسند کی چیز منگواتا۔ اس سے اس کی اسٹڈیز اور مشاغل کے متعلق ہلکی پھلکی گپ شپ کرتا مگر اس شام آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جھمکا پہنانے جیسی بے خودی اور "جرات" پھر اس نے نہیں کی تھی۔

اس روز وہ صبح فواد کے ساتھ آفس نہیں گئی تھی۔

دوپہر میں سٹاپ پہ آنا، میں تمہیں پک کر لونگا۔۔۔ آج مجھے تم سے کچھ بات"

کرنی ہے۔" وہ صبح دھیرے سے کہہ گیا تھا، اور اب وہ مسرور سی دوپہر کے انتظار میں اوپر ٹیرس پہ بیٹھی چائے پی رہی تھی۔۔۔

جانے فواد کو کیا بات کرنی تھی، اتنا کیا خاص کام تھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی چائے کے سپ لیتی سوچے جا رہی تھی۔ نگاہیں یونہی سامنے والوں کے لان پہ بھٹک رہی تھیں۔ وہاں گھاس پہ سفید چادریں بچھی ہوئی تھیں اور ان پہ سفید شلوار قمیض اور ٹوپیوں والے مدرسے کے بچے ہل ہل کر سپارے پڑھ رہے تھے۔ درمیان میں ایک چھوٹی میز تھی، اس پہ ایک بڑا سا قرآن اور کچھ سپارے رکھے ہوئے تھے۔

ساتھ ہی اگربتیاں جل رہی تھیں۔

وہ بلا ارادہ ہی پڑے، بند قرآن کو دیکھے گئی۔ ذہن کے کسی نہاں خانے سے وہ چہرہ نکل کر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔

سیاہ فام لڑکی کا چہرہ، سیاہ آنکھیں اور موٹے موٹے سیاہی مائل ہونٹ۔ وہ مصحف کو سینے سے لگائے لنگڑاتی ہوئی سڑک پہ دور جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اسے وہ منظر یاد آتا تو یوں لگتا کہ شائد۔۔۔ شائد جاتے سمے اسکی سیاہ آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کیوں رو رہی تھی، وہ

سمجھ نہ پائی تھی۔

اس طرح بچے ہل ہل کر سپارہ پڑھ رہے تھے۔اس نے دیکھا، کونے میں بیٹھے ایک بچے نے سپارے کا صفحہ پلٹتے ہوئے احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر دو صفحے الٹ دیئیے۔چند لمحے بعد اس نے پھر نگاہ آس پاس گھمائی اور کسی کو متوجہ نہ پا کر تین صفحے اکھٹے الٹ دیئیے اور پھر بلند آواز میں لہک لہک کر پڑھنے لگا۔۔

نہ چاہتے ہوئے بھی محمل ہنس دی۔وہ چھوٹا سا بچہ اپنی دانست میں اپنے ارد گرد کے لوگوں کو دھوکا دے رہا تھا یا پھر شائد رب کو وہ جان نہ پائی۔

بچے آہستہ آہستہ اٹھ کر سپارا رکھنے لگے، یہاں تک کہ سارے سپاروں کا واپس میز پہ ڈھیر لگ گیا تو قاری صاحب نے قریب کھڑے ملازم کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔

"قرآن خوانی ہو چکی ہے۔بر گیڈئیر صاحب کو بلا دیجئیے کہ دعا میں شرکت کر لیں۔"

ملازم سر ہلا کر اندر چلا گیا۔

وہ فواد کو بھول کر دلچسپی اور تجسس سے ریلنگ پہ جھکی، ساری کاروائی دیکھنے لگی۔چائے کا کپ اس نے ایک طرف ڈال دیا تھا۔

چند منٹ بعد ملازم برآمدہ عبور کر کے لان میں اتر آیا۔ قاری صاحب جو منتظر سے بیٹھے تھے، سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

سر کہہ رہے ہیں کہ وہ بزی ہیں، دعا میں شرکت نہیں کر سکتے، مگر آپکا شکریہ" کہ آپ نے قرآن پڑھ دیا۔ سر کہہ رہے ہیں کہ انھیں سکون نہیں ہے، باقی سب ٹھیک ہے، "بس یہی دعا کرا دیں کہ انھیں سکون مل جائے۔

قاری صاحب نے گہری سانس لی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

وہ جیسے شاکڈ سی سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ دل میں نامعلوم سا افسوس اتر آیا تھا۔ ایک عجیب سا احساسِ ندامت، عجیب سی بے کلی۔ وہ اس احساس کو کوئی نام نہ دے سکی تو چائے کا کپ اٹھائے نیچے اتر آئی۔۔۔

اسٹاپ پہ مقررہ وقت پہ فواد کی مرسڈیز آتی دکھائی دی تو وہ خوش اور پُر شوق سی بینچ سے اٹھی۔۔۔

کیسی ہو۔۔۔؟" وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھی تو وہ مسکرا کر، جیسے بے تابی سے" پوچھ رہا تھا۔

ٹھیک ہوں فواد بھائی! آپ کیسے ہیں؟" وہ سادگی سے کہہ کر بیگ کندھے سے اتار کر پیچھے رکھنی لگی۔ اپنے"

انداز سے اس نے کبھی فواد پہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ اس کے جذبات تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ وہ ہمیشہ خود کو اس کے احسانوں کے بوجھ تلے ممنون ظاہر کرتی تھی۔

آج کا دن بہت اسپیشل ہے مُحمل!" وہ کار سڑک پر ڈال کر بہت جوش سے بتا رہا تھا۔ "آج مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

"جی، کہیئے۔"

"اونہوں، ابھی نہیں ابھی سرپرائز نہیں کھول سکتا۔"

"اچھا، ایسا کیا ہے فواد بھائی؟"

"تم خود دیکھ لینا، خیر ابھی تو ہم شاپنگ پہ چل رہے ہیں۔ تمہارے لئے کچھ بہت اسپیشل لینا ہے۔"

"کپڑے؟ مگر ابھی تو کوئی فنکشن قریب نہیں ہے۔"

"ہے نا، آج ہے کچھ خاص۔"

"اچھا، کون کون ہو گا ادھر؟"

میں اور تم۔" اس نے مبہم سا مسکرا کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔"

آفس میں۔۔۔؟" وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی مگر انجان بنی رہی۔"

"اونہوں۔ میریٹ میں آج ہم ساتھ ڈنر کریں گے۔"

میریٹ؟" لمحے بھر کو تو وہ سانس لینا بھول گئی تھی۔ میریٹ میں ڈنر تو کیا اس نے تو کبھی اندر سے میریٹ کی"

شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ لیکن پھر ڈنر کا لفظ اسے ذرا سا پریشان کر گیا۔

"میں اتنی رات کو کیا کہہ کر باہر رہونگی فواد بھائی؟"

نہیں ہم جلدی آجائیں گے اور آج رات میں خود تمہیں گھر لے کر جاؤنگا، سب کے سامنے، لیکن آف کورس"

"تمہارے جواب کے بعد۔

"جواب؟ کس چیز کا جواب۔۔۔؟"

"کچھ پوچھنا ہے تم سے"

اس کا دل زور سے دھڑکا۔ کیا وہ جو سمجھ رہی تھی، سچ تھا؟

"مگر کیا؟"

یہ تو وہیں بتاؤنگا۔ آؤ، کچھ کپڑے لیتے ہیں تمہارے۔" وہ کار پارک کر کے سیٹ بیلٹ ہٹا رہا تھا۔"

مگر یہ ٹھیک تو ہیں۔" اس نے معمولی سا احتجاج کیا۔"

اونہوں، آج تمہیں اسپیشل تیار ہونا پڑے گا۔" اس کے انداز میں نرم سی دھونس تھی۔ وہ ہنس کر "اچھا"" کہتی نیچے اتر آئی۔

وہ اسے ایک خاصے مہنگے بوتیک لے آیا تھا۔ کپڑوں سے زیادہ، کپڑوں کی قیمتیں ہوش اڑا دینے والی تھیں۔ وہ خود ہی آگے بڑھ کر کپڑے اِدھر اُدھر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، پھر رک کر پوچھا۔

"تمہیں ساڑھیاں پسند ہیں محمل؟"

"ساڑھیاں؟" وہ حیران ہوئی۔ "جی مگر وہ بہت فارمل۔۔۔"

کوئی اگر مگر نہیں، یہ ساڑھی دیکھو، کیسی ہے؟" اس نے ایک سیاہ ساڑھی آگے کی۔ سیاہ شیفون کی ساڑھی پہ" سلور مقیش بکھری تھی۔ وہ اتنی خوب صورت، جھلملاتی ساڑھی تھی کہ نظریں خیرہ کر دیتی۔

"اچھی ہے مگر بہت قیمتی۔۔۔"

"تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ یہ پیک کر دیں۔"

پھر میچنگ جوتے اور ایک نازک سا سلور نگوں والا آرٹیفشل کنگن لیتے خاصا وقت لگ گیا۔ دوپہر ڈھلنے لگی تھی تب وہ جیولری شاپ میں داخل ہوئے۔ گولڈ اینڈ ڈائمنڈ جیولری شاپ

میں محمل کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ "کیا فواد اس کے لئے کچھ اتنا قیمتی لینے جا رہا تھا؟ کیا وہ اس کے لئے اتنی "خاص تھی؟

ڈائمنڈ رنگز دکھائیے۔" وہ کرسی کھینچ کر ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھا قدرے تحکم اور رعب سے بولا تو محمل تو" سانس لینا ہی بھول گئی۔ خُدا اس طرح چھپڑ پھاڑ کر بھی مہربان ہوتا ہے

اسے آج پتہ چلا تھا۔

معمر، باریش سنار صاحب نے فوراً کچھ سیاہ کیس سامنے کئے اور جیسے جیسے وہ سیاہ کیس کھولتے جا رہے تھے، جگر جگر کرتی ہیروں کی انگوٹھیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

"میں دکھادوں؟ Solitaire سر"

"ہاں، بالکل۔"

وہ تو بالکل چپ ہی بیٹھی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ری ایکٹ کس طرح کرے۔

فواد کو کوئی رِنگ پسند نہیں آرہی تھی، وہ اس سے رائے بھی نہیں لے رہا تھا۔ بس دھڑا دھڑ انگوٹھیاں رد کرتا جا رہا تھا۔

یوں کرو تم پہلے تیار ہو جاؤ، رِنگ بعد میں لے لینگے۔" شاپ سے نکلتے ہوئے اس نے گھڑی دیکھی۔"

میری چھ سے سات تک ایک میٹنگ ہے. بہت ضروری ہے، مِس نہیں کر سکتا، چھ سے سات تمہیں میرے" ساتھ آفس میں بیٹھنا پڑے گا اور پھر سات بجے ہم اکھٹے میریٹ کے لئے نکلیں گے۔

"سو تم ابھی تیار ہو جاؤ۔

کدھر۔۔۔؟" وہ واقعی حیران ہوئی تھی۔"

پارلر میں اور کدھر؟ میں نے تمہارے لئے اپائنمنٹ لے لی تھی، تم صرف اندر جانا اور وہ تمہیں تیار کر دیں" گی۔"

وہ اسے قریبی پارلر لے آیا تھا اور پھر ویسے ہی ہوا جیسے اس نے کہا تھا۔ محض ایک گھنٹے بعد جب وہ پارلر کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی تو اسے خود پہ رشک آیا تھا۔

سیاہ مقیش کی جھلملاتی ساڑھی میں اس کا قد، سیاہ و سلور پینسل ہیل کے باعث مزید نمایاں ہو گیا تھا۔ لمبی صراحی سی گردن اونچے جوڑے کے باعث بے حد دلکش لگ رہی تھی۔

جوڑے سے چند ایک لٹیں گھنگھریالی کر کے اس کی گردن اور رخساروں پہ جھول رہی تھیں۔ لائٹ لپ اسٹک کے ساتھ بلیک اسموکی آئز۔۔۔ اور سیاہ بلاؤز کی چھوٹی آستینوں سے جھلکتے

اس کے بے حد گورے سنہرے سے بازو۔ ذرا سی محنت سے وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ خود کو دیکھ دیکھ کے اس کا دل نہیں بھر رہا تھا۔

وہ باہر آئی، تو وہ جو اس کے انتظار میں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا، بے اختیار سیدھا ہوا اور پھر مبہوت سا دیکھتا رہ گیا۔ وہ ساڑھی کا پلّو انگلی سے لپیٹے احتیاط سے سیلون

کے باہر کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

اتنی حسین ہو تم محمل؟ مجھے اتنے برس پتہ ہی نہیں چلا۔" وہ جیسے متاسف ہوا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔"

تھینک یو، چلیں۔۔۔؟" اس نے آسمان کو دیکھا، جہاں شام ڈھلنے کو تھی۔"

ہاں میری میٹنگ شروع ہونے میں زیادہ وقت نہیں ہے۔ چلو۔" ایک بھرپور مسکراتی نگاہ اس پر ڈال کر وہ"

کار کا لاک کھولنے ہی لگا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔

اس وقت۔۔۔ کون؟" کہتے کہتے اس نے سکرین کو دیکھا اور پھر چونک کر فوراً کان سے لگایا۔"

جی ملک صاحب! خیریت؟ جی کیا مطلب؟" اس نے لب بھینچ کر کچھ دیر کو دوسری طرف سے سنا۔ "مگر آپ"

نے انکو بتایا تھا کہ آپکو میں نے ہی بھیجا ہے؟ مگر کیوں؟ انھوں نے

سائن کیوں نہیں کئیے؟" اور ایک دم اسے فواد کے چہرے پہ ابھرتی غصے کی لہر دکھائی دی۔ آپ سنئیر آفیسر ہیں

یا جونئیر، انھیں اس سے کیا غرض؟ آپکو پتہ ہے ملک صاحب اگر

"انھوں نے فائل سائن نہ کی تو صبح تک ہماری فیکٹری ڈوب جائے گی، ہم برباد ہو جائیں گے۔

اس نے رک کر چھ سنا اور ایک دم جیسے بدکا۔ "کیا مطلب؟ میں اس وقت کیسے آسکتا ہوں اتنی دور؟ میری

میٹنگ ہے صدیق صاحب کے ساتھ، چھ سے سات میں ابھی اے ایس

"پی سے ملنے کیسے آسکتا ہوں؟ کیا بکواس ہے؟

اس نے جھلا کر فون بند کر دیا۔

کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر قریب آئی۔"

معلوم نہیں اب کیا ہو گا؟" وہ پریشانی سے کوئی دوسرا نمبر پریس کرنے لگا، لمحے بھر کو تو وہ جیسے بھول ہی گیا

تھا کہ وہ اس کے ساتھ کھڑی ہے۔

جی راؤ صاحب! میں نے ملک الیاس کو بھیجا تھا آپکی طرف۔۔۔ مگر راؤ صاحب اتنی بھی کیا بے اعتباری؟""

اس نے رک کر دوسری طرف سے سنا اور پھر جیسے ضبط کرتے ہوئے بے بسی

سے بولا" آپ کے ایس پی کا دماغ تو ٹھیک ہے؟ اس کا باپ جاگیر دار ہو گا اپنے گاؤں کا، ہم ان کے مزارعے

نہیں ہیں۔ بورڈ آف ڈاریکٹرز میں سے کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ انکی

ایک کال پہ چلا آئے، نہ ہی۔۔۔" وہ لمحے بھر کو رکا اور پھر" میں کچھ دیر میں آپکو بتاتا ہوں۔" کہہ کر وہ اب کوئی اور نمبر ملانے لگا تھا۔"اے ایس پی ہمایون داؤد، جانے مسلہ کیا ہے

"اس شخص کا؟

محمل بددل سی اس کے ساتھ گاڑی کے باہر کھڑی تھی۔ نجانے کیا ہوا تھا۔ دل میں عجیب عجیب سے وسوسے آ رہے تھے۔

"خیریت ہے فواد بھائی؟"

خیریت ہی نہیں ہے۔ اے ایس پی کا بچہ جان کو آ گیا ہے، کہتا ہے کمپنی کے مالکوں کو بھیجو تو فائل اپروو ہو گی، میں ملازموں سے بات نہیں کرتا۔ اب کس کو بھیجوں ادھر؟ وہ

ابھی اسی وقت بلا رہا ہے اور اس کے گھر پہنچنے میں آغا جان یا حسن کو ڈیڑھ گھنٹہ تو لگ ہی

ڈوب جائے گا۔ وہ جھنجلا کر کسی کو فون ملاتا بہت بے بس لگ رہا تھا۔ اب یہی حل ہے کہ میں اس کے پاس چلا جاؤں اور واپس آ کر صدیقی صاحب سے میٹنگ کر لوں۔

اور ڈنر کینسل؟ اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

کرنا پڑے گا محمل! اس نے ہاتھ روک کر محمل کا تاریک پڑتا چہرہ دیکھا۔ آئی ایم سوری میں یوں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر میری مجبوری ہے وہ ملازموں سے بات نہیں کرے گا گھر کے بندے کو ہی جانا پڑے

گا،

میں بھی ملازم ہوں فواد بھائی؟ایک خیال سا اس کے ذہن میں ابھرا۔

کیا مطلب؟وہ جیسے چونکا۔

اگر۔۔۔اگر میں آپ کے دو کاموں میں سے کوئی ایک کردوں تب تو ہم ڈنر پہ جاسکتے ہیں نا؟وہ ہچکچا کر بولی کہ کہیں وہ برا نہ مان جائے۔

ارے مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا؟تم تو کمپنی کے اونرز میں سے ہو۔تم یہ فائل سائن کرا سکتی ہو۔بلکہ یوں کرتے ہیں تم ڈرائیور کے ساتھ فائل لے کر چلی جاؤ۔جب تک میں صدیقی صاحب سے نمٹ لیتا ہوں۔اور پھر ڈرائیور تمہیں ہوٹل لے آئے گا ٹھیک؟اس نے منٹوں میں سارا پلان ترتیب دے دیا۔وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

ٹھیک ہے میں پھر چینج کر لوں۔

نہیں نہیں ایسے ہی ٹھیک ہے۔اسطرح تو تم واقعی کوئی پراعتماد ایگزیکٹو لگ رہی ہو۔یہ ساری بزنس ویمن ایسے ہی ڈریس اپ ہوتی ہیں۔میں ڈرائیور کو کال کر لوں۔

وہ مطمئن تھا مگر محمل کو قدرے عجیب لگ رہا تھا۔وہ اتنی قیمتی اور جھلملاتی ساڑھی میں کسی فنکشن کے لیے تیار لگ رہی تھی۔کسی آفیشل معاملے کی لیے موزوں نہیں۔لیکن اگر فواد کہہ رہا تھا تو ٹھیک ہی ہو گا۔

سارا راستہ وہ پچھلی سیٹ پر ٹیک لگائے آنکھیں موندے اس ہیرے کی انگوٹھی کے متعلق سوچتی ہوئی آئی

تھی۔ جو فواد نے لی ہو گی۔ جب وہ تائی اماں کے سامنے کھڑا محمل سے شادی کی بات کرے گا، تب تو گھر میں طوفان ہی آجائے گا۔ مگر اچھا ہے ایسا ایک طوفان ان فرعونوں کو لرزانے کے لیے آنا چاہیے۔

وہ پر سکون، مطمئن اور پر اعتماد سی تھی۔

گاڑی طویل ڈرائیو وے عبور کر کے پورچ میں رکی۔ تو وہ ایک ستائشی نگاہ خوبصورت سے لان پر ڈالتی نیچے اتری۔

مین ڈور پر ایک سوٹڈ بوٹڈ ادھیر عمر شخص جیسے منتظر سا کھڑا تھا۔

اے ایس پی ہمایوں داؤد۔۔؟ اس نے ذہن میں اندازہ لگایا۔ اور فائل مضبوطی سے پکڑے اعتماد سے چلتی ان کے قریب آئی۔

میں آغا گروپ آف انڈسٹریز سے۔۔

جی میڈم محمل ابراہیم! آئیے اے ایس پی صاحب آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے دروازہ کھول کر راستہ دیا۔ وہ لمحے بھر کو ہچکچائی اور پھر خود کو ڈپٹتے ہوئے اندر قدم رکھا۔

روشنیوں میں گھرا وہ بے حد قیمتی سامان سے آراستہ گھر اندر سے اتنا خوبصورت تھا کہ خود کو سنجیدہ رکھنے کے باوجود اس کی نگاہیں بھٹک بھٹک کر اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

اے ایس پی صاحب کدھر۔۔۔

وہ اندر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اس کے آگے تیز تیز چلتا اسے لان میں لے آیا۔ سر! یہ پہنچ گئی ہیں۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ تھوڑی شیو بڑھی ہوئی اور بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

ایک لمحے کو تو محمل کے قدم ڈگمگائے۔اس کا پالا زیادہ تر گھر کے لڑکوں سے ہی پڑا تھا۔فواد اور حسن خوش شکل تھے۔کچھ دولت کی چمک دمک سے بھی اسٹائلش لگتے تھے۔باقی اس کے چچاؤں میں متاثر کن شخصیت کا مالک کوئی نہ تھا۔جتنا وہ صوفے پہ بیٹھا مغرور سا شخص تھا۔ہینڈسم۔۔۔۔۔بے حد ہینڈسم۔۔۔۔اتنا وجیہہ مرد اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مرعوب ہو گئی۔

وہ خاموشی سے بغور اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتا رہا،یہاں تک کہ وہ آکر سیدھی سامنے والے صوفے پہ بیٹھی اور فائل میز پر رکھ دی۔اب اس کا اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔

یہ فائل اپروو کروانی تھی اے ایس پی صاحب!

وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے اس کے مقابل بیٹھی خاصے اعتماد سے بولی۔تو وہ ذرا سا مسکرایا،پھر سامنے ہاتھ باندھے کھڑے سوٹڈ بوٹڈ شخص کو دیکھا۔

ان کو آغا فواد کریم ہی نے بھیجا ہے راؤ صاحب۔مسکرا کتر کہتے اس نے جوس کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

اس نے ذرا سا چونک کر راؤ کو دیکھا۔

وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

کچھ تھا ان دونوں کی معنی خیز مسکراہٹ میں کہ دور اس کے ذہن میں خطرے کا الارم بجا۔۔

تو آپ فائل اپروو کروانے آئی ہیں؟وہ استہزائیہ مسکراتی نگاہوں سے کہہ رہا تھا۔محمل کو الجھن ہونے لگی۔

جی، یہ آغا گروپ آف انڈسٹریز کی فائل ہے اور۔۔۔

اور آپ کی اپنی فائل کہاں؟ وہ کہاں ہے؟ اس نے گلاس سائیڈ پہ رکھا۔ اور قدرے جھک کر ہاتھ بڑھا کے فائل اٹھائی۔

میری کون سی فائل؟ کچھ تھا جو اسے کہیں غلط لگ رہا تھا۔ کچھ بہت غلط ہو رہا تھا۔

آپ جائیں راؤ صاحب! اس نے فائل کے صفحے پلٹا کر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر فائل اس کی طرف بڑھائی، محمل لینے کے لیے اٹھی مگر بہر تیزی سے راؤ صاحب نے آگے بڑھ کر فائل تھامی۔

اور جا کر آغا فواد کے ڈرائیور کو کہیں کہ فائل اپرووڈ ہے، صبح ان کو رسید مل جائے گی۔

بہتر سر! راؤ صاحب فائل لے کر پلٹے تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

مجھے دے دیں، میں لے جاتی ہوں۔

وہ دونوں ایک دم ہی چونکے تھے۔ اور پھر رک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہمایوں نے اشارہ کیا تو راؤ صاحب سر ہلا کر باہر نکل گئے۔

آپ بیٹھے مادام! ڈرائیور دے آئے گا۔

ایک دم ہی اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی زور زور سے بجنے لگی۔ اسے لگا وہ غلط وقت پہ غلط جگہ اور غلط لوگوں کے درمیان آ گئی ہے۔ اسے وہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔

نہیں، میں چلتی ہوں۔ وہ پلٹنے ہی لگی تھی کہ وہ تیزی سے اٹھا اور زور سے اس کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف

گھمایا۔اس کے لبوں سے چیخ نکلی۔

زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے جو کہا جا رہا ہے ویسا ہی کرو۔اس کے بازو کو دبوچے وہ غرایا تھا۔لمحے بھر کو تو زمین آسمان محمل کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی۔

چھوڑیں مجھے۔وہ سنبھل ہی نہ پائی تھی کہ ہمایوں داؤد نے اس کی دونوں بازوؤں کو ہاتھوں میں پکڑ کر اسے اپنے سامنے کیا۔

زیادہ چالاکی دکھائی تو اپنے پیروں پر گھر نہیں جاؤ گی۔

مم۔۔۔مجھے چھوڑیں مجھے گھر جانا ہے۔۔۔محمل نے اس کو پرے دھکیلنا چاہا مگر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

گھر جانا ہے؟ گھر ہی جانا ہے تو یہ اتنے بناؤ سنگھار کیوں کیے تھے ہوں؟اس نے ہلکے سے اس کی تھوڑی کو انگلی سے اوپر کیا۔دوسرے ہاتھ سے کہنی اتنی مضبوطی سے جکڑ رکھی تھی کہ وہ ہل نہ پائی اور گھبرا کر چہرہ پیچھے کیا۔

میں فنکشن پر جا رہی تھی۔آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔آپ فواد بھائی سے میری بات کرائیں۔انہیں بتائیں کہ۔۔۔

بھائی؟وہ چونکا۔آغا فواد تمہارا بھائی ہے؟

جی۔۔۔جی۔۔وہ میرے بھائی ہیں۔آپ بے شک ان سے پوچھ لیں۔مجھے یہاں نہیں آنا تھا،فواد بھائی کو خود آنا تھا مگر ان کی میٹنگ تھی۔وہ ایک دم رونے لگی تھی۔آپ پلیز مجھے گھر جانے دیں۔میں غلط لڑکی نہیں ہوں

میں ان کی بہن ہوں۔

جھوٹ بول رہی ہے۔ راؤ پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

اسی کو ادھر ہی آنا تھا۔ چار ہفتے پہلے تو ڈیل ہوئی تھی سر اور اسی کے نام سے ہوئی تھی۔ کم عمر، خوب صورت اور ان چھوئی۔ آغا نے کہا یہ ہماری ڈیمانڈ پہ پوری اترتی ہے۔ راؤ کا لہجہ سپاٹ تھا، محمل ابراہیم نام ہے نا تمہارا؟ تم آغا کی بہن کیسے ہو سکتی ہو؟ وہ تین کروڑ کے نفع کے پیچھے اپنی بہن کو ایک رات کے لیے نہیں بیچ سکتا۔

اس کے ارد گرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے بہت زور کا چکر آیا تھا' وہ گرنے ہی لگی تھی کہ ہمایوں نے اس کی دوسری کہنی سے پکڑ کر اسے کھڑا رکھا۔

"اب سیدھی طرح بتاؤ کہ تم ہمیں بے وقوف بنا رہی ہو یا آغا نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔ تم محمل ابراہیم ہو اور وہ فواد کریم! وہ تمہارا سگا بھائی ہے؟ اتنے عرصے سے لڑکیاں فراہم کر رہا ہے' پہلے تو کبھی اپنی بہن کا سودا نہیں کیا۔"

"نہیں۔" اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ فواد بھائی میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ آپ۔۔۔۔۔۔ آپ میری ان سے بات کرائیں۔۔۔۔ آپ خود سن لینا اور میرا ویٹ کر رہے ہیں' ہمیں فنکشن پہ جانا تھا۔"

ہر عام انسان کی طرح محمل کو بھی جھوٹ کی ہلکی پھلکی عادت تو تھی ہی اور اسی پرانی عادت کا کمال تھا کہ خود بخود اس کے لبوں سے ڈنر کی جگہ فنکشن نکلا تھا' کہیں لاشعور میں اسے احساس تھا کہ اگر وہ اپنے اور فواد کے خاص ڈنر کا کہتی تو وہ اسے بری لڑکی سمجھتے۔

"راؤ صاحب! آغا فواد کو فون ملائیں۔"

"رائٹ سر!" راؤ موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔

"اور سپیکر آن رکھیں۔" اس نے کہہ کر ایک گہری نظر محمل پہ ڈالی جو بے قرار اور ہراساں سی راؤ کے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھ رہی تھی۔

"جی راؤ صاحب۔۔۔!" ایک دم کمرے میں فواد کی آواز گونجی۔ "مال پہنچ گیا؟"

"پہنچ تو گیا ہے مگر پرزے آواز بہت دیتے ہیں۔ آپ بات کر لیں۔" اس نے فون آگے بڑھا کر محمل کے کان سے لگایا۔

"ہیلو فواد بھائی!" وہ رو پڑی تھی۔ "فواد بھائی! یہ لوگ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں' آپ پلیز ان کو۔۔۔۔"

"بکواس مت کرو اور میری بات غور سے سنو۔ تمہیں وہ ڈائمنڈ رنگ چاہیے یا نہیں؟ چاہیے ہے نا! تو جیسے ایس پی صاحب کہتے ہیں کرتی جاؤ۔"

"فواد بھائی!" وہ حلق کے بل چلائی۔ "یہ میرے ساتھ کچھ غلط کر دیں گے۔"

"وہ جو کرتے ہیں کرنے دو' صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے' اب زیادہ بک بک مت کرنا' صبح تمہیں ڈرائیور لینے آجائے گا۔" ساتوں آسمان اس کے سر پر ٹوٹے تھے۔

وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

"صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔۔۔۔ صرف ایک رات کی ہی تو بات ہے۔" اس کی آواز اس کے ذہن پہ ہتوڑے برسا رہی تھی۔

"بس ایک ڈائمنڈ رنگ کا لارا دیا ہے اس نے ے تمہیں؟ اور تم تو کہتی ہو کہ وہ تمہارا بھائی ہے؟" فون اس کے کان سے ہٹا کر بند کرتے ہوئے ہمایوں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

وہ اسی طرح پتھر کا بے جان بُت بنی کھڑی تھی۔ اس کا ذہن' دل' کان' آنکھیں' سب بند ہو چکے تھے۔

"راؤ صاحب! پتہ کرائیں کہ یہ واقعی فواد کریم کی بہن ہے یا نہیں اور اس کی بات میں کتنی سچائی ہے' یہ تو ہم بعد میں خود معلوم کر لیں گے۔ شمس' بچل۔" اس نے زور سے آواز دی۔

اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے تھے' ساکت کھڑے وجود میں سے سہمی سہمی جان آہستہ آہستہ نکل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے بادل چھانے لگے تھے۔

دو گن مین دوڑتے ہوئے اندر آئے تھے۔

"شمس! اسے اوپر والے کمرے میں بند کر دو' اور دھیان کرنا کہ بھاگنے نہ پائے اور بچل۔۔۔! اس سے پہلے کہ اس کا فقرہ مکمل ہوتا محمل چکرا کر گری اور اگر اس نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام نہ رکھا ہوتا تو وہ نیچے گر پڑتی۔

"محمل۔۔۔ محمل!" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں اور ذہن گہرے اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

○○○○○○○○○○

اس کی آنکھوں پہ کچھ نمی ڈالی گئی تھی۔ گیلے پن کا احساس تھا یا کچھ اور اس نے ایک دم ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

"اٹھ جاؤ' بہت سو لیا۔" وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر سامنے کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

چند لمحے تو وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی اور جب آہستہ آہستہ ذہن بیدار ہوا تو جیسے چونک کر سیدھی ہوئی۔

وہ بڑا سا پُر تعیش بیڈ روم تھا۔ قیمتی صوفے' قالین اور بھاری خوب صورت پردے۔ وہ ایک بیڈ پہ لیٹی تھی اور اس کے اوپر بیڈ کور ڈالا ہوا تھا۔ سامنے کرسی پہ وہ اکھڑے اکھڑے تیور کے ساتھ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

اسے یاد آیا وہ اسے کسی کمرے میں بند کرنے کی بات کر رہے تھے جب وہ شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔ اب وہ کدھر تھی؟ اور اسے کتنی دیر بیت چکی تھی؟ گھر میں سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔

وہ گھبرا کر قدرے سیدھی ہو بیٹھی۔ وہ ابھی تک اسی سیاہ جھلملاتی ساڑھی میں ملبوس تھی اور بیوٹیشن کی لگائی گئی ساری پنیں ویسے ہی کس کے لگی تھیں۔

"مم۔۔۔ میں کدھر ہوں؟ کیا وقت ہوا ہے؟ صبح ہو گئی؟ وہ پریشان سی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تو سامنے وال کلاک پہ نگاہ پڑی۔

ساڑھے تین بج رہے تھے۔

"ابھی صبح نہیں ہوئی اور آپ وہیں ہیں' جہاں آنے کے لیے فواد نے آپ کو ڈائمنڈ رنگ کا لالچ دیا تھا۔"

"مجھے فواد بھائی نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا' انہوں نے کہا تھا کہ میں فائل سائن کروا کر واپس آجاؤں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"

"میں کیسے مان لوں کہ تم سچ کہہ رہی ہو آغا فواد تو کہتا ہے کہ تم اس کے گھر میں پلنے والی ایک یتیم لڑکی ہو' نہ کہ اس کی بہن۔"

"یتیم ہوں' تو تب ہی تو تم جیسے عیاشوں کے ہاتھ بیچ ڈالا' اس نے مجھے جو میرا سگا تایا زاد بھائی تھا۔ تم سب گدھوں کا بس یتیموں پر ہی تو چلتا ہے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"مجھے یہ آنسو اور جذباتی تقریریں متاثر نہیں کرتیں۔" وہ اب اطمینان سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔ "مجھے صرف سچ سننا ہے اور ٹھیک ورنہ میں تھانے لے جا کر تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"

"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس سے پہلے وہ تمہیں کتنا شیئر دیتا رہا ہے' کدھر کدھر بھیجا ہے اس نے تمہیں اور تمہارے گینگ میں اور کون کون ہے؟" سگریٹ کا ایک کش لے کر اس دھواں چھوڑا تو لمحے بھر کو دھوئیں کے مرغولے ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔

"مجھ سے قسم لے لو میں سچ۔۔۔۔"

"قسم لے لوں؟ واقعی؟"

"ہاں لے لیں۔"

"سو بندوں کے سامنے عدالت میں اٹھاؤ گی قسم؟" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے سگریٹ لبوں میں دبائے کش لے رہا تھا۔

"میں تیار ہوں مجھے عدالت میں لے جائیں' میں یہ سب دہرانے کو تیار ہوں۔"

"وہ تب ہو گا جب میں تمہارے کہے پہ یقین کروں گا۔ یقین جو ابھی تک مجھے نہیں آیا۔" اس سگریٹ ایش ٹرے پہ جھٹکی۔ راکھ کے چند ٹکرے ٹوٹ کر گرے۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا کسی گینگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے فواد بھائی نے کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"تم اسے بچانے کی کوشش کر رہی ہو' میں جانتا ہوں۔"

"نہیں' پلیز۔" وہ لحاف اتار کر بستر سے اتری اور گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں آ بیٹھی۔

"اے ایس پی صاحب!" اس نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ "میں لاعلم تھی کہ آپ کا کیا مقصد ہے، کہ' فواد بھائی کا کیا مقصد ہے' میں میریٹ میں ڈنر پہ جانے ک ے لیے تیار ہوئی تھی۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" اس کی کانچ سنہری آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے۔ "اللہ کی قسم! یہ سچ ہے۔"

"اللہ کی قسم کھانے کے لیے آغا فواد نے کیا پیش کیا تھا؟ ڈائمنڈ کا سیٹ؟"

وہی شکی پولیس آفیسر' اور مخصوص طنزیہ انداز۔ جتنا وہ شخص وجیہہ تھا' اس کی زبان اس سے بڑھ کر کڑوی تھی۔ محمل کا دل چاہا' اس کا منہ نوچ لے اور اگلے ہی پل وہ اس پہ جھپٹی اور اس کی گردن دبوچنی چاہی مگر ہمایوں نے اس کی دونوں کلائیاں اپنی گرفت میں لے لیں۔ اسی کشمکش میں محمل کے دو ناخن اس کی گال سے رگڑے گئے۔

"صرف آنکھیں نہیں' تمہاری تو حرکتیں بھی بلیوں والی ہیں۔" وہ کھڑا ہوا' اور اس کو کلائیوں سے پکڑے پکڑے کھڑا کیا' پھر جھٹکا دے کر چھوڑا۔ وہ دو قدم پیچھے جا ہوئی۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے گھر جانے دو۔ میں تمہاری منت کرتی ہوں۔" وہ مڑ کر جانے لگا تو وہ تڑپ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور پھر سے ہاتھ جوڑ دیے۔ "صبح ہو گئی تو بدنام ہوں جاؤں گی۔"

"میں نے کہا نا بی بی! مجھے یہ جذباتی تقریریں متاثر نہیں کرتیں۔" اس نے اپنے گال پہ ہلکا سا ہاتھ پھیرا' پھر استہزائیہ مسکرایا۔ پھر کہا۔ "تم بہادر لڑکی ہو۔ میں تمہیں گھر جانے دوں گا مگر ابھی نہیں۔ ابھی تم ادھر ہی رہو گی۔ کم از کم صبح تک۔"

"میں بدنام ہو جاؤں گی اے ایس پی صاحب! رات گزر گئی تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔"

"ہو جائے' مجھے پروا نہیں ہے۔" وہ سگریٹ جھک کر ایش ٹرے میں پھینک کر دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ ہاتھ جوڑے کھڑی رہ گئی اور وہ دروازہ باہر سے بند کر کے جا چکا تھا۔ دروازے کی جانب وہ لپکی اور ڈور ناب زور سے کھینچا۔ وہ باہر سے بند تھا۔

"دروازہ کھولو۔۔۔۔ کھولو۔" وہ دونوں ہاتھوں سے زور زور سے دروازہ بجانے لگی' مگر جواب ندارد۔۔۔ وہ بے بس سی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

فواد۔۔۔ فواد اس کے ساتھ ایسا کر سکتا تھا؟ اسے یقین نہ آتا تھا۔ اس نے کیا بگاڑا تھا' فواد کا جو چند روپوں کو عوض اسے بیچ دیا؟

وہ گھٹنوں پہ سر رکھے' آنسو بہاتی' وہ شام یاد کر رہی تھی جب وہ اسے دیکھتے دیکھتے چونکا تھا اور چائے کا کپ لیتے ہوئے اس کی انگلیاں اس کے ہاتھ کے ساتھ مس ہوئی تھیں۔

"کم عمر' خوب صورت اور ان چھوئی"۔ آغا نے کہا تھا یہ ہماری ڈیمانڈ پہ پوری اترتی ہے۔

تو وہ اس لیے چونکا تھا کہ کسی عیاش شخص کی بتائی گئی ڈیمانڈ پہ اس کے گھر میں پلنے والی وہ یتیم لڑکی پوری اترتی تھی۔

"تم کتنی خوب صورت ہو محمل! مجھے پتا ہی نہیں لگا۔" اس کے لہجے کا فسوں اور پھر اس کی وہ ساری عنایتیں۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی کمزوری کیا ہے' اس نے اس کو اس کی من پسند چیزوں کی جھلک دکھائی

یہاں تک کہ وہ جب اس کے مکمل قابو میں آگئی تو فواد نے اسے ادھر بھیج دیا اور وہ بھی کتنی بے وقوف اور سادہ تھی' کہ اسے پتہ ہی نہ چلا۔ وہ اس کو آفس میں اِدھر اُدھر چیزیں سائن کروانے بھیج دیتا تھا' اور کوئی کام تو اس نے محمل سے لیا ہی نہ تھا' وہ تب بھی نہ سمجھ سکی؟

اور اب یہ شخص ہمایوں داؤد' وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ آدمی کون تھا' اس سے یہ باتیں کیوں پوچھ تھا اور اس کا کیا مقصد تھا۔ اسے صرف علم تھا تو اتنا کہ اگر رات بیت گئی تو صبح اسے کوئی قبول نہ کرے گا اور قبول تو شاید اب بھی کوئی نہ کرے۔ کوئی فواد کے خلاف اس کی بات پہ یقین نہیں کرے گا' کوئی اسے بے گناہ نہ سمجھے گا اور فواد' وہ تو شاید اس سرے سے ہی مکر جائے کہ وہ کبھی محمل کو آفس لے کر گیا ہے۔ خدایا! وہ کیا کرے؟

اس نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ کمرہ قدرے دھندلا سا دکھائی دیتا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں تو آنسوؤں کی دھند نیچے لڑھکتی چلی گئی۔

کمرہ نہایت خوب صورتی سے آراستہ تھا۔ قیمتی قالین' خوب صورت فرنیچر' اور بھاری مخملیں پردے۔

پردے؟ وہ چونکی۔ کیا ان کے پیچھے کوئی کھڑکی تھی؟ وہ پردوں کی طرف دوڑی اور جھٹکے سے انہیں ایک رخ کھینچا۔ پردہ کھلتا چلا گیا۔

باہر ٹیرس تھا اور اس کی روشنیاں جلی ہوئی تھیں' جن میں وہ بغیر دقّت کے دوگن مین چوکس کھڑے دیکھ سکتی تھی۔

اس نے گھبرا کر پردہ برابر کیا۔

"اللہ تعالیٰ' پلیز!" وہ رو کر دعا کرنے لگی اور جب دعا کرتے کرتے تھک گئی تو۔۔۔۔ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکھڑی ہوئی اور اپنا عکس دیکھا۔

رونے سے سارا کاجل بہہ گیا تھا' آنکھیں متورم اور قدرے بھیانک لگ رہی تھیں۔ جوڑا ڈھیلا ہو کر گردن تک آگیا تھا اور گھنگریالی لٹوں کے بل سیدھے ہونے لگے تھے۔

محمل ایک مظبوط اعصاب کی لڑکی تھی' اس کے باوجود فواد کے بھیانک روپ کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ شروع میں تو اس نے ہمت ہار دی اور اعصاب جواب دے گئے' لیکن اب وہ کسی حد تک سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی تھی۔ فواد سے سارے بدلے تو وہ بعد میں چکائے گی' ابھی اس اکھڑ اور سرد مہر اے ایس پی کی قید سے نکلنا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا' کچھ خاص نظر نہ آیا تو پھر وارڈروب کھولا۔ اندر مردانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ ہینگرز الٹ پلٹ کیے اور سوچ کر ایک کرتا شلوار نکالا۔ براؤن کرتا اور سفید شلوار۔ سب سے پہلے اس نے ساڑھی کے بوجھ سے نجات حاصل کی' پھر اس کرتے شلوار کو پہن کر بال سیدھے کر کے بینڈ میں باندھے اور باتھ روم میں جا کر منہ اچھی طرح دھویا۔ باہت نکلنے کے لیے کسی روزن کو تلاشتی اس کی نگاہوں کو باتھ روم کی کوئی کھڑکی دروازہ نظر نہ آیا تو مایوسی سے پلٹنے لگی تھی کہ ایک دم چونکی۔

ایک دیوار میں شلیف تھا۔ اس میں شیمپو اور شیو کا سامان رکھا تھا۔ شیلف کا اندر سے رنگ باقی دیوار سے زیادہ چکنا سفید تھا۔ بھلا کیوں؟

وہ قریب آئی' سارا سامان نیچے اتارا' اور پھر بغور اندر دیکھتے ہوئے ہاتھ پھیرا تو احساس ہوا کہ اس خانے کے پیچھے دیوار نہیں بلکہ کارڈ بورڈ کے سفید پھٹے تھے جو میخوں سے جڑے تھے۔ میخیں کچی اور تازہ لگ رہی تھیں۔ آگے کا کام بہت آسان تھا۔ اس نے سارے نل کھول دیے' تاکہ آواز باہر نہ جائے اور تھوڑی سی محنت کے بعد پھٹے کھینچ کر اتار لیے۔ وہ جلدی میں لگائے لگ رہے تھے' سو اسے زیادہ زور نہیں لگانا پڑا تھا۔

ان کے پیچھے کھڑکی تھی۔ اچھی خاصی چوڑی تھی۔ وہ اس میں سے آسانی سے گزر سکتی تھی۔ بے حد مطمئن سی ہو کر محمل نے کھڑکی کھولی اور جب باہر جھانکا تو ایک لمحے کو سر چکرا گیا۔ کھڑکی سے دو فٹ کے فاصلے پہ دیوار تھی۔ گھر کی چاردیواری کھڑکی اور چاردیواری کے درمیان صرف خلا تھا اور بہت نیچے پکّا فرش تھا۔ وہ اس گھر کی غالباً تیسری منزل پہ موجود تھی۔ شاید اسی لیے انہوں نے کچّے پکے پھٹے لگا دیے تھے' اندازہ ہو گا کہ وہ یہاں سے نہیں نکل سکتی۔

اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔ یہ آخری راستہ بھی بند ہوتا نظر آرہا تھا۔ وہ مایوس سی نل بند کر کے کھڑکی بند کرنے ہی لگی تھی کہ سناٹے میں ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ صحن میں کیا کر رہی ہیں؟"

"باجی! وہ میڈم مصباح نے کہا تھا کہ ارلی مارننگ منہ پہ گلاس رکھ کر پریکٹس کروں تو آواز اچھی نکلتی ہے' وہی کر رہی تھی۔"

لڑکیوں کی باتیں کرنے کی آوازیں' بہت قریب نہیں تو بہت دور بھی نہیں تھیں۔ وہ چونکی اور پھر باتھ روم کی لائٹ بند کی۔

باہر کا منظر قدرے واضح ہوا۔ کھڑکی سے دیوار کا فاصلہ دو فٹ کا تھا' مگر وہ دیوار کی منڈیر تھی اور آوازیں کہیں نیچے سے نہیں' برابر سے آرہی تھیں۔ بالکل برابر سے یعنی اس باتھ روم کے برابر سامنے کا صحن تھا۔

اگر وہ یہ دیوار پھاند جائے تو۔۔۔۔؟

اس اچھوتے خیال نے ذہن میں سر اٹھایا تو اس نے جوتے اتارے اور نیچے جھانکا۔ اگر گر گئی تو نہیں بچے گی' مگر موت اس ذلت سے تو بہتر ہو گی جو صبح یا اس سے بھی بدیر گھر پہنچنے پہ اسے اٹھانی پڑے گی۔

اس نے دونوں ہاتھ چوکٹ پہ رکھے ہی تھے کہ کمرے کا دروازہ کسی نے زور زور سے کھٹکھٹایا۔ دروازے کی وہ کنڈی اندر سے لگا چکی تھی' سو وہ کھول نہ پا رہے تھے یقیناً کسی نے پھٹے اکھاڑنے کی آواز سن لی تھی۔ وہ لمحے بھر کو بھی نہ گھبرائی اور ہاتھ بڑھا کر دیوار کو ٹٹولا۔ وہ قریب ہی تھی۔

"اللھم۔۔۔اونہوں۔۔۔" برابر والے صحن میں وہ کھنکاری تھی' اگلے لمحے اس کی مدھر مگر ہلکی آواز اندھیری فضا میں گونجنے لگی۔

"اللھم اجعل فی قلبی نورا۔" (اے اللہ! میرے دل میں نور ڈال دے۔۔)

محمل نے دیوار پہ دونوں ہاتھ رکھے اور نیچے دیکھے بغیر پاؤں بھی اوپر رکھ دیا۔

"وفی بصری نوراًوفی سمعی نورا۔" (اور میری بصارت و سماعت میں نور ہو۔)

گھوڑے کی پیٹ پہ سوار کی طرح سے وہ دیوار پہ بیٹھی اور نیچے دیکھا۔ صحن کی زمین بہت قریب تھی۔ دیوار چھوٹی سی تھی۔

"وعن یمینی نوراً وعن یساری نورا۔" (اور میرے دائیں اور بائیں نور ہو)

اس نے آہستہ سے دونوں پاؤں زمین پہ رکھے۔ وہ بالآخر برابر والوں کی چھت پہ اتر آئی تھی۔ لمحے بھر کو وہ بے یقین سی پلٹ کر دیوار کو دیکھنے لگی جس کے پار اے ایس پی ہمایوں داؤد کا گھر تھا۔ بلکہ قید خانہ جس سے وہ نکل آئی تھی۔ اسی پل دیوار کے پار سے روشنی سی چمکی۔ وہ ٹھٹکی۔ یقیناً کسی نے باتھ روم کی لائٹ جلائی تھی۔

اپنی بے وقوفی پہ اسے غصہ آیا۔ اسے باتھ روم کا دروازہ بند کر کے نل کھول کر آنا چاہیے تھا مگر عادی فراری تو نہ تھی' یا پھر لڑکی کی آواز کے فسوں میں ایسی کھوئی تھی کہ ہوش نہ رہا تھا۔

"وفوقی نوراً وتحتی نورا۔" (اور میرے اوپر نیچے نور ہو)

سامنے ایک برآمدہ تھا جس کے آگے گرل لگی تھی۔ گرل کا دروازہ کھلا تھا اور دروازے سے کافی دور ایک لڑکی زمین پہ بیٹھی' گرل سے ٹھیک لگائے' آنکھیں بند کیے' منہ پہ گلاس رکھے گنگنا رہی تھی۔

"وامامی نوراً وخلفی نورا۔" (اور میرے آگے پیچھے نور ہو۔)

وہ دیوار کے ساتھ گھٹنوں کے بل رینگتی گرل تک آئی۔ وہ لڑکی دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی مناجات میں گم تھی۔

"واجعل لی نورا۔" (اور میرے لیے نور بنا دے۔)

مکمل چاپ پیدا کیے بغیر کھلے دروازے سے اندر رینگ گئی۔ لڑکی اسی طرح مگن سی تھی۔

"وفی لسانی نوراًو عصبی نورا۔" (اور میری زبان اور اعصاب میں نور ہو۔)

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھا۔ لمبا سا برآمدہ خالی تھا۔ بس دور ایک فریج پڑا تھا اور اس کے ساتھ جالی دار الماری تھی۔ اندھیرے میں مدھم چاندنی کے باعث اسے اتنا ہی نظر آیا تھا۔ وہ بہت آہستہ سے اٹھی اور دبے پاؤں فریج کی طرف بڑھی۔

"ولحمی نوراًودمی نورا۔" (اور میرے گوشت اور لہو میں نور ہو۔)

فریج اور الماری کے درمیان چھپنے کی جگہ تھی' وہ جھٹ ان کے درمیان آبیٹھی' مگر سامنے ہی دروازہ تھا۔ وہ لڑکی واپس آتی تو سیدھی اس پہ نگاہ پڑتی۔ نہیں' اسے یہاں چھپنے کی بجائے نیچے جانا چاہیے۔

"وشعری نوراًو بشری نورا۔" (اور میرے بال اور کھال میں نور ہو۔)

اندر جانے والا دروازہ بند تھا۔ اگر اسے کھولتی تو آواز باہر جاتی۔ وہ پریشان سی کھڑی ہوئی۔ تب ہی جالی دار الماری کے ہینڈل سے کچھ لٹکتا نظر آیا۔ اس نے جھپٹ کر وہ اتارا سیاہ جارجٹ کا لبادہ۔

اس نے چاندنی کی روشنی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا چاہا۔

"واجعل فی نفسی نورا۔" (اور میرے نفس میں نور ہو۔)

باہر وہ بے خبر سی ابھی تک دعا پڑھ رہی تھی۔

اس نے لبادہ کھولا۔ وہ سیاہ عبایا تھا اور ساتھ ایک گرے سکارف۔ محمل نے پھر کچھ نہیں سوچا اور عبایا پہننے لگی۔ تبھی اسے احساس ہوا کہ وہ مردانہ کرتا شلوار میں کھڑی ہے اور ننگے پاؤں ہے۔ وہ عبایا بھی اسے غنیمت لگا تھا۔

"واعظم لی نورا۔" (اور میری ہڈیوں میں نور ہو۔)

اسکارف کو اس نے بمشکل چہرے کے گرد لپیٹا۔ عادت نہ تھی تو مشکل لگ رہا تھا۔ اب اسے کسی طرح نیچے سٹک تک پہنچنا تھا' آگے اپنے گھر کا راستہ تو آنکھیں بند کر کے بھی آتا تھا۔

"اللھم اعطنی نورا۔" (اے اللہ! مجھے نور عطا کر۔)

وہ اسی ترنم میں پڑھ رہی تھی۔ محمل تیزی سے عبایے کے بٹن بند کر کے سکارف پر ہاتھ پھیر کر درست کر رہی تھی کہ ایک دم اسے بہت خاموشی لگی۔

باہر صحن بہت چپ سا ہو گیا تھا۔ شاید اس لڑکی کی دعا ختم ہو گئی تھی۔

اس نے قدرے گھبراہٹ' قدرے جلدبازی میں تیزی سے دروازہ کھولنا چاہا' اسی پل اس لڑکی نے پیچھے گرل کی چوکھٹ پہ قدم رکھا۔

"السلام علیکم۔۔۔۔کون؟" چونکی سی آواز اس کے عقب میں ابھری تو اس کے بڑھتے قدم رُک گئے۔

دروازے پہ ہاتھ رکھے رکھے وہ گہری سانس لے کر پلٹی۔

وہ سامنے شلوار قمیض میں ملبوس' سر پہ دوپٹہ لپیٹے' ہاتھ میں کتاب پکڑے' الجھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

محمل کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی' جانے اب کیا ہوا گا؟

"وہ میں آپ کی آواز سن کر آئی تھی' بہت اچھی تلاوت کرتی ہیں آپ۔"

"تلاوت نہیں۔۔۔وہ دعائے نور تھی۔ میری آواز نیچے تک آرہی تھی کیا؟" لڑکی کا انداز سادہ مگر محتاط تھا۔ محمل کا دماغ تیزی سے کام کررہا تھا۔ اسے کسی طرح اس لڑکی کو باتوں میں الجھا کر وہاں سے نکلنا تھا۔ ایک دفعہ وہ سڑک تک پہنچ جائے' تو آگے گھر کے تمام راستے اسے آتے تھے۔

"خوب صورت آواز ہر جگہ پہنچ جاتی ہے' میں تلاوت سمجھ کر آئی تھی' معلوم نہ تھا کہ آپ دعا مانگ رہی ہیں۔"

"دعا مانگ نہیں' یاد کررہی تھی۔ آپ نے بتایا نہیں' آپ کا نام؟"

شائستگی سے کہتی وہ لڑکی دو قدم آگے آئی تو گرل سے چھن کر آتی چاندنی میں اس کا چہرہ واضح ہوا۔ چکنی سپید رنگت۔ بے حد گلابی ہونٹ اور بادامی آنکھیں جن کی رنگت سنہرے پکھراج کی سی تھی۔ گولڈن کرسٹل یہ پہلا لفظ محمل کے ذہن میں آیا تھا اور اسے دیکھتے ہی وہ لمحے بھر کو چونکی تھی۔ بہت شدت سے محمل کو احساس ہوا تھا کہ اس نے اس لڑکی کو پہلے کہیں دیکھ رکھا ہے، کہیں بہت قریب' ابھی کچھ وقت پہلے۔ اس کے نقش نہیں' یہ دو بھوری سنہری آنکھیں تھیں جو شناسا تھیں۔

"میں محمل ہوں۔" جانے کیسے لبوں سے پھسل پڑا۔ "مجھے دراصل راستے نہیں معلوم' تو بھٹک جاتی ہوں۔"

"اوہ آپ ہاسٹل میں نئی آئی ہیں؟ نیو کمر ہیں؟"

اور اسے امید کا ایک سرا نظر آگیا۔ وہ شاید کوئی گرلز ہاسٹل تھا۔ وہ شاید کوئی گرلز ہاسٹل تھا۔

"جی' میں شام میں ہی آئی ہوں۔ نیو کمر! اوپر آتو گئی ہوں مگر نیچے جانے کا راستہ نہیں مل رہا۔"

"نیچے' آپ کے رومز تو تھرڈ فلور پہ ہی ہیں نا' پھر نیچے۔۔۔۔اوہ آپ تہجد پڑھنے کے لیے اٹھی ہوں گی یقیناً۔" میں جارہی ہوں' آپ Prayer Hall وہ خود سے ہی کہہ کت مطمئن ہو گئی۔ "میں بھی تہجد کے لیے نیچے میرے ساتھ آجائیں۔"

اس لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا' پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں فرشتے ہوں' آجائیں۔" وہ دروازہ دھکیل کر آگے بڑھ گئی تو محمل بھی متذبذب سی پیچھے ہولی۔ سامنے سنگ مرمر کی طویل راہداری تھی۔ دائیں طرف اونچی کھڑکیاں تھیں جن سے چھن کر آتی چاندنی سے راہداری کا سفید مرمریں فرش چمک اٹھا تھا۔ فرشتے راہداری میں آگے تیز تیز چلتی جارہی تھی۔ وہ ننگے پاؤں اس کے تعاقب میں چلنے لگی۔ مردانہ کھلے پائنچے اس کے پاؤں میں آرہے تھے' مگر اوپر عبایے نے ڈھانپ رکھا تھا۔ راہداری کے اختتام پہ سیڑھیاں تھیں۔ سفید چمکتے سنگ مرمر کی سیڑھیاں جو گولائی میں نیچے جاتی تھیں۔ اس نے ننگے پاؤں زینے پہ رکھے۔ رات کے اس پہر زینوں کا سنگ مرمر بے حد سرد تھا۔ یخ ٹھنڈا۔ وہ محسوس کیے بغیر تیز تیز سیڑھیاں اترنے لگی۔

تین منزلوں کے زینے ختم ہوئے تو سامنے ایک کشادہ برآمدہ تھا۔ برآمدے کے آگے بڑے بڑے سفید ستون تھے اور سامنے لان نظر آتا تھا ہلکی چاندنی میں برآمدہ نیم تاریک سا لگ رہا تھا۔

ایک کونے میں چوڑی' بے حد چوڑی سیڑھیاں نیچے جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ فرشتے ان سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو لمحے بھر کو تو اسے خوف آیا۔ وہ بے حد چوڑی سیڑھیاں خاصی نیچے تک جارہی تھیں۔ مدھم چاندنی میں چند زینے ہی دکھتے تھے' آگے سب تاریکی میں گم تھا۔ جانے کیا تھا نیچے؟

فرشتے کے پیچھے وہ سہج سہج نیم تاریک زینے اترنے لگی۔ بہت نیچے جا کر فرش قدموں تلے آیا تو محسوس ہوا کہ نیچے نرم سا قالین تھا جس میں اس کے پاؤں دھنس گئے تھے۔ وہ ایک بے حد طویل و عریض کمرے میں کھڑی تھی۔ وہ کدھر شروع' کدھر ختم ہوتا تھا' کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ وہ ادھر ادھر گردن گھماتی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔

فرشتے نے دیوار پہ ہاتھ مارا۔ بٹن دبانے کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے جیسے پورا آسمان روشن ہو گیا۔ محمل نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

وہ ایک بہت بڑا سا ہال تھا۔ چھت گیر فانوس اور سپاٹ لائٹس جگمگا اٹھی تھیں۔ ہال چھ اونچے ستونوں پہ کھڑا تھا۔ بے حد سفید ستون' سفید دیواریں' روشنیوں سے جگمگاتی اونچی چھت اور دیواروں میں اونچی گلاس ونڈوز۔

"وضو کی جگہ وہ سامنے ہے۔" فرشتے نے اپنے دوپٹے کو پن لگاتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا تو وہ جیسے چونکی' پھر سر ہلا کر اس طرف بڑھ گئی۔

وضو کی جگہ نیم تاریک تھی۔ سنگ مرمر کی چوکیاں اور سامنے ٹونٹیاں۔ ایک ایک ٹائل چمک رہا تھا۔ وہ شے کو ستائش سے دیکھتی ایک چوکی پہ بیٹھی اور جھک کر ٹونٹی کھولی۔

فواد' اور وہ اے ایس پی۔۔۔۔ محمل ابراہیم کو وہ سب فراموش ہو چکا تھا۔

"سنو۔" کھلے دروازے سے فرشتے نے جھانکا۔ "بسم اللہ پڑھ کر وضو کرنا۔"

محمل نے یونہی سر ہلا دیا اور پھر گیلے ہاتھوں کو دیکھا جن پہ ٹونٹی سے پانی نکل کر پھسل رہا تھا۔ وہ سر جھٹک کر وضو کرنے لگی۔

فرشتے جیسے اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

محمل اس کے برابر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی شاید تہجد پڑھنی تھی اس نے ہاتھ اٹھائے تو رات بھر کے تمام مناظر ذہن میں تازہ ہو گئے۔ درد کی ایک تیز لہر سینے میں اٹھی تھی۔

دھوکہ دہی' اعتماد کا خون' فراڈ' بے وقوف بنائے جانے کا احساس۔۔۔ کیا کچھ فواد نے نہیں کیا تھا اس کے ساتھ؟ وہ کس کس کا ماتم کرتی؟

سلام پھیر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ساری عمر کی محرومیاں اور نارسائیاں سامنے آنے لگیں۔

" میں کیا مانگوں؟ مانگنے کی ایک طویل فہرست ہے میرے سامنے۔ مجھے کبھی وہ نہ ملا جس کی میں نے تمنا کی تھی' جو ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے انسان کے پاس ہونا چاہیے' مجھے کبھی بھی وہ نہ ملا جو لوگ جمع کرتے ہیں۔ کیوں؟ کیوں میرے پاس وہ سب نہیں ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں؟"

اور جب دل نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر آنسو خشک کیے اور سر اٹھایا۔

سامنے' ہال کے سرے پہ ایک بڑا سا سٹیج بنا تھا۔ درمیان میں میز اور کرسی رکھی تھی' ایک طرف فاصلے پہ ڈائس بھی رکھا تھا۔ شاید وہاں درس و تدریس کا کام بھی ہوتا تھا۔

کرسی کے پیچھے دیوار پہ ایک خوبصورت خطاطی سے مزین فریم آویزاں تھا۔ اس پہ وہ سرسری سی نگاہ ڈالتی یک دم ٹھٹک کر رکی۔

خوب صورت عربی عنارت کے نیچے اردو میں خوشخط لکھا تھا۔

"پس لوگوں کو چاہیے کہ اس پہ خوشی منائیں۔ قرآن ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ جمع کر رہے ہیں۔" (یونس:58)

وہ یک لخت چونکی۔

"کیا دیکھ رہی ہو محمل؟" فرشتے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہی کہ میں نے بھی ابھی کچھ ایسا ہی سوچا تھا جو ادھر لکھا ہے کتنا عجیب اتفاق ہے نا۔"

"اتفاق کی کیا بات ہے؟ یہ فریم اسی لیے تو ادھر لگا تھا کیونکہ تم نے آج صبح یہاں یہی بات سوچنی تھی۔"

"مگر فریم لگانے والے کو تو علم نہیں تھا کہ میں یہی سوچوں گی۔"

"لیکن اس آیت کے اتارنے والے کو تو تھا نا۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟"

"ج نے قرآن اتارا ہے' وہ جانتا ہے کہ تم نے کب کیا سوچنا ہے اور یہ تمہاری سوچ کا جواب ہے۔"

"نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ "میری سوچ کا اس سے کوئی تعلق نہیں' میں تو بہت کچھ سوچتی رہتی ہوں۔"

مثلاً کیا؟ وہ دو زانو ہو کر بیٹھی تھیں اور فرشتے بہت نرمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہی کہ اچانک کسی بے قصور انسان پہ خوامخواہ مصیبت کیوں آجاتی ہے؟"

"وہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے' ہم قطعاً بھی بے قصور نہیں ہوتے محمل۔"

"غلط' بالکل غلط۔ میں نہیں مانتی۔" وہ جیسے بھڑک اٹھی۔ "ایک لڑکی کا سگا تایا زاد پروپوز کرنے کے بہانے ڈنر کا جھانسہ دے کر خوب بننے سنورنے کا کہہ کر' اپنے کسی عیاش دوست کے گھر کے جا کر ایک رات کے لیے بیچ آئے' یہ خوامخواہ کی مصیبت' خوامخواہ کا ظلم نہیں ہے کیا؟"

"نہیں۔"

"نہیں؟" محمل نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔

"ہاں' قطعاً نہیں۔ اسی صورت حال سے بچنے کو تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پہلے ہی بتا دیا تھا۔ یقیناً اس لڑکی کو یہ تو علم ہو گا کہ اسے ایک نامحرم کے لیے تیار نہیں ہونا چاہیے' اس کے ساتھ ڈنر پہ نہیں جانا چاہیے' کزن بھی تو نامحرم ہے اور اسے یہ بھی پتہ ہو گا کہ اسے اپنا جسم اور چہرہ اسی طرح ڈھکنا چاہیے کہ کسی نامحرم' بالفرض اس کے

کزن کو' کبھی علم ہی نہ ہو سکے کہ وہ اتنی خوبصورت ہے کہ وہ اسے "بیچنے" کا سوچے۔ اب بتاؤ' یہ ظلم ہے یا اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی؟"

وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بنا پلک جھپکے فرشتے کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے دوزانو بیٹھی آہستگی اور نرمی سے کہہ رہی تھی۔

"اور یقیناً اپنے کزن کے دھوکے میں آنے سے قبل کسی نے اللہ کے حکم سے اسے خبردار ضرور کیا ہو گا۔ اس کے ضمیر نے یا شاید کسی انسان نے مگر اس نے پھر بھی نہیں سنا اور اس کے باوجود اللہ تعالٰی اسے عزت اور حفاظت سے رکھے تو یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے' آؤٹ آف دی فیور ہے۔ ہم اتنے بے قصور ہوتے نہیں ہیں محمل! جتنا ہم خود کو سمجھتے ہیں۔"

وہ کہے جا رہی تھی اور اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔

چچاؤں کا قطعیت سے محمل کو فواد کے آفس میں کام کرنے سے منع کرنا۔۔۔ حسن کے الفاظ۔۔۔ اور وہ تنبیہہ جو سدرہ کی منگنی والے روز اس نے کی تھی۔

اس نے دائیں کلائی دیکھی۔ اس پہ اسے مندمل ہوئے زخم کے نشان تھے۔ ہاں' حسن نے اسے خبردار کیا تھا۔

"میں۔۔۔ فرشتے! میں۔۔۔ واقعی مجھے۔"

"اپنی نادانیوں پہ کسی کو گواہ نہیں بناتے محمل! ۔۔۔۔۔۔۔ چلو فجر کی اذان ہو رہی ہے' نماز پڑھتے ہیں۔"

وہ سادگی سے کہتی پھر کھڑی ہو گئی تھی' مگر محمل اپنی جگہ سے ہل نہ پائی۔

آگہی کا آئینہ بہت بھیانک تصویر پیش کر رہا تھا۔ اسے ایک ایک کر کے تمام باتیں پھر سے یاد آنے لگیں۔ فرشتے ٹھیک کہہ رہی تھی۔ سب سے زیادہ قصور تو خود ع اسی کا تھا۔ وہ آخر فواد کی گاڑی میں بیٹھی ہی کیوں تھی؟

اس نے دل اور مصحف میں سے دل کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

اس نے بھیگی بھیگی آنکھیں اٹھائیں۔ فرشتے اسی سکون سے رکوع میں کھڑی تھی اور سامنے وہی الفاظ چمک رہے تھے۔

"قرآن ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ جمع کر رہے ہیں۔"

اس کا دل رو دیا تھا۔

کیسے ڈھٹائی سے اس نے اس سیاہ فام لڑکی کو اس کا مصحف واپس کیا تھا۔ اس سے اس کی آواز میں کیسی بے رخی تھی۔

ٹی وی پہ اذان لگتی' یا تلاوت ہوتی تو وہ چینل بدل دیا کرتی تھی۔ یہ آواز کانوں پہ بوجھ لگتی تھی۔ سیپارے پڑھنا کتنا کٹھن لگتا تھا اور فجر تو سوائے پیپرز کے' اس نے کبھی نہ پڑھی تھی۔ اب وہی فجر پڑھنے کے لیے وہ فرشتے کے برابر کھڑی ہو گئی۔

"میرے اللہ تعالیٰ' مجھے گھر واپس پہنچا دے۔" وہ پھر سے رو دینے کو تھی۔ "مجھے تیری قسم' میں پھر کبھی فواد بھائی کے ساتھ کبھی تنہا' کبھی اکیلے نہیں ملوں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں۔ آئی سوئیر!"

دعا منگ کر قدرے پُر سکون ہوئی تو چہرے پہ ہاتھ پھیر کر اٹھی۔

"ایک بات پوچھوں فرشتے؟" وہ دونوں ساتھ ساتھ ہال کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔

"پوچھو!"

"قسم کھانے اس اللہ مان جاتا ہے؟"

"قسم ناپسندیدہ چیز ہے' یہ مقدر نہیں بدلتی۔ جو ہونا ہوتا ہے' وہ ہو کر رہتا ہے۔"

"اور اگر قسم کھالی جائے تو؟"

"تو مرتے وقت تک اس کو نبھانا پڑتا ہے۔" آخری سیڑھی چڑھتے فرشتے ذرا سا چونکی۔ "کوئی الٹی سیدھی قسم مت کھانا کہ یہاں سے رہائی تم فلاں اور فلاں کام کرو گی۔"

"رہائی؟" برآمدے کی چوکھٹ پار کرتے محمل گڑبڑا گئی۔ دل زور سے دھڑکا۔

"ہاں تمھیں گھر جانا ہے نا۔ میں تمھیں چھوڑ آتی ہوں۔" وہ ساکت سی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"رک کیوں گئیں' آؤ نا۔"

"آپ کو۔۔۔۔۔ آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"بات یہ ہے محمل! اول تو تہجد کے وقت یہاں کوئی عبایا پہن کر نہیں گھومتا' دوم یہ کہ تم نے میرا عبایا اور سکارف پہن رکھا ہے اور سوئم' میں نے تمہیں صحن پھلانگتے دیکھ لیا تھا۔"

محمل نے بوکھلا کر اپنے جسم پہ موجود عبایا کو دیکھا جس سے لمبی مردانہ شلوار کے پائنچے ذرا ذرا سے جھانک رہے تھے۔

"وہ۔۔۔۔۔دراصل۔"

"ہمایوں کے باتھ روم کی کھڑکی ہماری چھت پہ کھلتی ہے۔ اس نے تمھیں باتھ روم میں بند کر دیا تھا؟ میں اس سے بات کروں گی' اسے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تھوڑا خشک مزاج ہے مگر دل کا برا نہیں آؤ۔" پھر اس کی شاکڈ شکل دیکھ کر وضاحت کی۔ "ہمایوں میرا فرسٹ کزن ہے' وہ برا آدمی نہیں ہے آؤ۔"

اسی پل کسی نے زور سے گیٹ بجایا۔ ساتھ ہی بیل بھی دی۔ فرشتے نے گہری سانس لی۔ "آؤ لڑکی۔" اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ تک لائی' پھر ہوتھ چھوڑ کر دروازہ کھولا۔

"فرشتے! ادھر وہ۔"

"السلام علیکم اور یہ کیا غلط حرکت ہے؟ تمہیں مسئلہ اس کے کزن کے ساتھ ہے تو اس کو باتھ روم میں کیوں بند کیا تھا؟"

"بالکل ٹھیک کیا تھا' ہے وہ کدھر؟" وہ جواباً بگڑ کر بولا تھا۔

محمل سہم کر قدرے اوٹ میں ہو گئی۔ یہ تو وہی تھا۔ وہ اس کی آواز پہچانتی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ہے' مگر تمہیں اس سے عزت سے پیش آنا چاہیے تھا۔" فرشتے کے لہجے میں دبی دبی سختی تھی۔

"جو بھی ہے' تم اسے۔۔۔۔۔"

"نہیں ہمایوں! تم اس کو مجرموں کی طرح ٹریٹ مت کرو۔ اس کا کیا قصور ہے؟ وہ تو اپنے بھائیوں جیسے کزن پہ ٹرسٹ کر کے معصومیت میں چلی آئی تھی۔"

وہ حق دق سنے جا رہی تھی۔ ابھی تو فرشتے کو بالواسطہ سب کتھا سنا آئی تھی اور تب فرشتے فواد کو "نامحرم" کہہ رہی تھی اور اب ہمایوں کے سامنے اس کی نادانیوں پہ کیسے پردہ ڈال گئی تھی۔

"اس کا قصور یہ ہے کہ وہ فواد کریم کی کزن ہے۔ اسے لے کر آؤ۔" اب کے ہمایوں داؤد کا لہجہ متوازن تھا۔

فرشتے اسے راستہ دینے کے لیے چوکھٹ پار کر کے باہر چلی گئی تو وہ دھڑکتے دل سے گیٹ کی اوٹ سے نکلی۔ سامنے ہی وہ تیار کھڑا تھا۔ یونیفارم میں ملبوس' مکمل طور پہ تیار' اکھڑ تیور اور ماتھے پہ بل لیے۔

"جب میں نے بکو اس کی تھی کی وہاں رہو تو تم نے باہر قدم کیوں نکالا؟"

"نوکر نہیں ہوں میں آپ کی' جو آپ کا حکم مانوں۔ آپ ہیں کون مجھے حکم دینے والے' ہاں؟" وہ بھی جواباً غرائی تھی۔

"وہاٹ؟ تم۔۔"

"زبان سنبھال کر بات کریں اے ایس پی صاحب! میں مسجد میں کھڑی ہوں' اور اب آپ کو مجھ پہ کوئی زور نہیں ہے۔" اس نے گیٹ کا کنارہ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

"تم۔۔۔۔" وہ کچھ سخت کہتے کہتے ضبط کر گیا' پھر فرشتے کی طرف پلٹا جو خاموشی سے سب دیکھ رہی تھی۔

"اس سے کہو میرے ساتھ آئے۔ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔"

فرشتے نے خاموشی سے ہمایوں کی بات سنی اور جب وہ چپ ہوا تو وہ محمل کی طرف مڑی۔

"اس کے ساتھ چلی جاؤ' یہ تمہارا دشمن نہیں ہے۔"

"مجھے ان پر رتی برابر بھروسہ نہیں ہے۔"

"ہونا بھی نہیں چاہیے مگر تمہارے تنہا گھر جانے اور پولیس مؤبائل میں جاتے میں فرق ہو گا۔ آگے تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔"

بات کچھ ایسی ہی تھی کہ وہ خاموش سی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے' آئیں۔" اس نے باہر قدم رکھے' پھر پلٹ کر فرشتے کو دیکھا جو گیٹ کے سامنے سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

اس کی پشت پہ وہ عالیشان تین منزلہ عمارت تھی جس کے اونچے سفید ستون بہت وقار سے کھڑے تھے۔ جیسے کوئی بلند و بالا محل ہو۔ اس کا گنبد نہ تھا' مگر فرشتے اسے مسجد کہہ رہی تھی۔

اس سے متصل بنگلہ اپنی خوب صورت آرائشش کے ساتھ وہیں موجود تھا جہاں اس نے رات میں دیکھا تھا۔

"تھینکس۔" وہ کہہ کر رکی نہیں۔

ہمایوں سامنے کھڑی پولیس موبائل کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ وہ اعتماد سے چلتی ہوئی آئی اور فرنٹ ڈور کھول کر نشست سنبھالی۔

"آپ مجھے میرے گھر لے کر جا رہے ہیں؟"

"نہیں۔" سرد سے انداز میں کہہ کر وہ گاڑی سڑک پہ ڈال چکا تھا۔

"پھر؟ پھر ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"تھانے!"

"مگر مجھے گھر۔۔۔۔"

"بی بی! مجھے بحث پسند نہیں ہے۔ خاموش رہو۔"

اس کو جھڑک کر ہمایوں نے اسپیڈ اور بڑھا دی۔

وہ نم آنکھوں سے سامنے سڑک کو دیکھنے لگی۔ جانے اس کی قسمت اس کو اب اور کیا کیا دکھانے والی ہے۔

○○○○○○○○○○

آج آغا ابراہیم کی عالیشان محل نما کوٹھی کے لان میں صبح سے ہی سب جمع تھے۔

آغا کریم چہرے پہ ڈھیروں غیض و غضب لیے پُر رعونت انداز میں کرسی پہ براجمان تھے۔ مہتاب تائی' فضہ اور ناعمہ چچی قریب ہی کرسیوں پہ بیٹھی معنی خیزی سے مدھم سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ غفران چچا اور اسد چچا بھی پاس ہی پریشان سے بیٹھے تھے۔

برآمدے کے مختصر زینے پہ آرزو بیٹھی تھی۔ گھٹنوں پہ پلیٹ رکھے' وہ اپنی ازلی بے نیازی سے توس پہ جیم لگا رہی تھی۔

اس کے پیچھے برآمدے میں بچھی کرسیوں پہ باقی لڑکیاں بیٹھی کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

حسن مضطرب سا گھاس پہ ٹہل رہا تھا۔ بار بار اپنے سیل پہ کوئی نمبر پریس کرتا وہ جھنجھلا سا رہا تھا۔ وسیم اپنے کمرے میں تھا اور۔

فواد' آغا جان کے برابر کرسی ڈالے اخبار پھیلائے سرسری سا مطالعہ کر رہا تھا۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر سب کے چہروں کے تاثرات دیکھ لیتا۔ اس کے انداز میں اطمینان و سرشاری تھی۔

بس ایک مسرت تھیں جو کچن میں کرسی پہ بیٹھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں۔ ان کی ساری زندگی کی ریاضت رائیگاں گئی تھی۔ محمل کل اکیڈمی جانے کا کہہ کر نکلی تھی اور جب شام تک اس کی واپسی نہ ہوئی تو ان کا دل بیٹھنے لگا تھا۔ کتنے نفل پڑھ ڈالے' کتنی دعائیں کر لیں' مگر وہ واپس نہ آئی۔

بات چھپنے والی کہاں تھی بھلا؟ سب کو خبر ہو ہی گئی۔ آغا جان تو سراپا غیض و غضب بن گئے۔ تھانے جانے کی بات کی تو فواد نے ہی انہیں سمجھایا کہ گھر کی عزت داؤ پہ لگانے کا فائدہ' تھوڑی دیر مزید انتظار کر لیتے ہیں۔

حسن اور اسد چچا ساری رات اسے ہسپتالوں' مردہ خانوں اور سڑکوں پہ تلاشتے رہے تھے۔ مگر جب تین بجے کے قریب وہ ناکام لوٹے تو گھر میں گویا صف ماتم بچھ گئی۔

عورتوں کی معنی خیز نگاہیں' مردوں کے ملامت بھرے فقرے مسرت کو اپنی روح میں گڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ وہ اسی وقت سے روئے چلی جا رہی تھیں۔ کوئی صفائی' کوئی دہائی نہیں' بس آنکھ میں آنسو اور لبوں پہ وہ ایک ہی دعا کہ محمل کی لاش کسی ہسپتال' کسی نہر نالے سے مل جائے مگر وہ نہ ہو جو ان کی ساری ریاضت ضائع کر دے۔

"بھاگ گئی کسی کے ساتھ' ارے میں تو پہلے ہی کہتی تھی۔" صبح کا سورج طلوع ہونے لگا تھا جب تائی مہتاب کی آواز کچن میں سنائی دی۔

"سک تو مجھے بھی یہی ہے۔" ناعمہ چچی نے بلند سی سرگوشی کی۔ وہ سب رات سے جاگ رہی تھیں۔ البتہ حسن کے علاوہ دوسرے لڑکے لڑکیاں بھرپور نیند لے کر ابھی بیدار ہوئے تھے۔

"بس!" آغا جان ایک دم دھاڑے۔ اندر کچن میں روتی مسرت نے دہل کر بھیگا چہرہ اٹھایا۔

سب نے چونک کر آغا جان کو دیکھا جن کا سرخ و سفید چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

"اب اگر وہ زندہ اس دہلیز پہ واپس آئی تو میں اسے یہی دفن کر دوں گا۔ سن لیا سب نے۔"

"ارے ایسی بیٹیوں کا تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دینا چاہیے۔ ابراہیم اس کو بھی ساتھ لے مرتا۔ ہماری عزت داغ دار کرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ توبہ توبہ۔"

"ضرور کسی کے ساتھ چکّر تھا۔ قرآن اٹھا کر چھت پہ جاتی تھی' توبہ استغفار' تاکہ ہم اس پہ شک نہ کریں۔ اسی لیے تو میں نے اس دن کہا تھا' مگر کوئی سنے تو۔" تائی مہتاب کو اپنا غم یاد آیا تھا۔

مسرت کا دل ڈوبتا چلا گیا۔

"تم مر جاؤ محمل' خدارا مگر واپس نہ آؤ۔" ان کا دل درد سے چلاّیا تھا۔

"آج کے بعد اس کا نام کوئی اس گھر میں نہیں لے گا' اور اگر۔۔۔" آغا جان کی بات ادھوری رہ گئی۔

کسی نے زور سے گیٹ پہ دستک دی تھی۔

سب نے چونک کر گیٹ کو دیکھا' یہاں تک کہ برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی توس کھاتی آرزو نے بھی سر اٹھایا تھا۔

مسرت دھڑکتے دل کے ساتھ کھڑکی میں آن کھڑی ہوئیں۔ صبح کے سات بجے سے پہلے تو کبھی اس طرح دستک نہ ہوئی تھی۔

"حسن! دروازہ کھولو۔" اسد چچا نے کہا تو حسن نے آگے بڑھ کر گیٹ کے چھوٹے دروازے کے ہینڈل کا ہک کھولا اور پیچھے ہوا۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ ایک مرمریں سپید ہاتھ دروازے پہ دھرا اور پھر چوکھٹ پہ اندر آتے سپید ننگے پاؤں دکھائی دیے۔

آغا جان بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ باقی سب بھی ساتھ ہی اٹھے سب کی نظریں گیٹ پہ جمی تھیں جہاں چھوٹے دروازے کو کھول کر وہ اندر داخل ہو رہی تھی۔

سیاہ پاؤں تک آتا عبایا اور چہرے کے گرد سختی سے لپٹا سرمئی اسکارف' ننگے پاؤں' سر جھکائے محمل ابراہیم نے اندر قدم رکھا۔

"حسن! اس سے کہو یہاں سے دفع ہو جائے' ورنہ میں اس کا خون کر دوں گا۔" آغا جان زور سے دھاڑے تھے۔

"ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ لڑکی ورنہ۔"

"آپ کے باپ کا گھر ہے جو نکل جاؤں؟"

وہ جو گردن جھکائے اندر قدم رکھ رہی تھی' ایک دم سر اٹھا کر اتنی بے خوفی سے غرائی کہ لمحے بھر کو سب بھونچکارہ گئے۔ تائی مہتاب نے تو ششدر سا ہو کر منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

حسن الجھ کر محمل کو دیکھ رہا تھا اور فواد۔۔۔

فواد اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔

وہ اب پلٹ کر گیٹ کھول رہی تھی۔

دوسرے لمحے زن سے دو پولیس موبائلز آگے پیچھے ڈرائیو وے پہ اندر آئیں۔ کھٹا کھٹ دروازے کھلے اور سپاہی اتر کر تیزی سے ارد گرد پھیلتے چلے گئے۔

"پورے گھر کی تلاشی لو۔" بلند حکمیہ کہتا وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر نیچے اترا۔ یونیفارم میں ملبوس' چہرے پہ مدھم سی فاتحانہ مسکراہٹ لیے وہ گھاس پہ کھڑا ان پتھر ہوئے لوگوں کے قریب آیا۔ وہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ کوئی اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ فواد کو سب سے پہلے ہوش آیا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی جا رہی تھی۔

"کیا بکواس ہے؟" اس نے غرا کر ہاتھ پیچھے کرنے چاہے۔

"اس بکواس میں لکھا ہے کہ تمہاری ضمانت قبل از گرفتاری منسوخ ہو چکی ہے اور یہ کہ تمہیں فوری گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جائے۔"

"مسئلہ کیا ہے آفیسر؟ کیا کیا ہے میرے بیٹے نے؟"

"آغا صاحب! آپ کے بیٹے نے اپنی کزن۔۔۔۔" ہمایوں نے ایک نگاہ محمل پہ ڈالی جو گیٹ کے ساتھ' سینے پہ ہاتھ باندھے کھڑی نفرت بھری نظروں سے فواد کو دیکھ رہی تھی۔" محمل ابراہیم کو اپنی ایک پھنسی ہوئی فائل نکلوانے کے عوض ایک رات کے لیے بیچا اور ابھی ناشتہ کرتے ہوئے غالباً اسی فائل کے اپروو ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی سر' میرا بیٹا۔۔۔۔"

"آپ کا بیٹا شمالی علاقہ جات کی لڑکیوں کے اغوا اور خرید و فروخت میں ملوث ہے' یہ آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی۔ اس دفعہ انہوں نے چالاکی کی اور اپنی کزن کا سودا کر کے اسے دھوکے سے متعلقہ پارٹی کے پاس بھیجا' البتہ آپ کی بھتیجی پولیس کی حفاظت میں رہی ہے کیونکہ وہ سب پولیس پلان کے تحت تھا۔ آغا فواد نے گینگ کو منظر عام پر نہ لانے کے لیے چال تو اچھی چلی مگر ہر چال کامیاب نہیں ہوتی۔"

"محمل کا اس اے ایس پی سے چکّر تھا۔" فواد خاموشی سے سن کر بہت آرام سے بولا۔ "میں نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا تھا' اب اپنے کرتوت پہ پردہ ڈالنے کے لیے یہ مجھے پھنسا رہے ہیں تاکہ۔"

"خاموش ہو جائیں۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔ "ایک لفظ بھی آپ نے میرے متعلق کہا تو میں آپ کا منہ نوچ لوں گی۔ آپ نے میرے ساتھ کیا کیا' آپ کو اندازہ ہے؟"

"ارے یہ کیا چپ رہے' تائی مہتاب جیسے ہوش میں آئی تھیں' ایک دم سینے پہ ہاتھ مارتی سامنے آئیں۔ "سارا فساد اسی لڑکی کا مچایا ہوا ہے۔ یہ میرے بیٹے کو پھنسا رہی ہے تاکہ اس کے اپنے کرتوت نہ کھلیں' آغا صاحب۔"

انہوں نے تائید طلب نظروں سے آغا جان کو دیکھا اور پھر ادھر ادھر گردن گھمائی۔ سب خاموش کھڑے تھے۔

کسی نے ہاں۔۔۔۔۔یا ناں نہیں کی۔

"لڑکی کا نام محمل ابراہیم ہے۔" ہمایوں نے موبائل کا بٹن دبا کر ان کے سامنے کیا۔ اسپیکر سے آواز گونجنے لگی۔ فواد کی آواز۔ جو بنا دقت کے پہچانی جاتی تھی۔ "تین تاریخ' ہفتے کی شام وہ آپ کے پاس ہو گی۔ معصوم' ان چھوئی اور نوجوان ہے۔ آپ کی ڈیمانڈ پہ پوری اترتی ہے۔" اور ایک قہقہہ۔

محمل کو اپنا چہرہ تمتماتا ہوا محسوس ہوا۔

ذرا سے وقفے سے مختلف آوازیں گونجی تھیں۔

"فواد بھائی! یہ لوگ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"فواد بھائی! یہ لوگ میرے ساتھ کچھ غلط کر دیں گے۔"

" بکواس بند کرو اور میری بات غور سے سنو۔ تمہیں وہ ڈائمنڈ رنگ چاہیے نا؟ تو جیسے وہ کہیں' کرتی جاؤ۔ بس ایک رات کی ہی تو بات ہے۔ صبح تمہیں ڈرائیور لینے آجائے گا۔"

ہمایوں نے بٹن دبایا' اور موبائل نیچے کیا۔ فواد نے سر جھٹکا۔

" آڈیو قانون عدالے میں قابل قبول نہیں ہوتا اے ایس پی صاحب۔"

" گھر کی عدالت میں تو ہوتا ہے۔"

اور وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ان سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہر شخص اپنی ساکت و متاسف کھڑا تھا۔

"دیکھ لوں گا میں' ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔"

"فی الحال تو تمہیں ایک لمبے عرصے تک جیل کی دیواروں کو دیکھنا ہو گا۔"

"اسی دن کے لیے۔" حسن ایک دم تیزی سے سامنے آیا۔ "اسی دن کے لیے کہتا تھا کہ اس سے دور رہو' ساری دنیا جانتی ہے' یہ کس قماش کا آدمی ہے' لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہے' اسی لیے تمہیں منع کرتا تھا۔"

"مجھے منع کر سکتے تھے' اس کے ہاتھ نہیں توڑ سکتے تھے؟ میری جگہ اپنی بہن ہوتی تو بھی کچھ نہ کرتے؟" وہ جواباً ایسے تڑخ کر بولی کہ حسن کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ محمل کبھی ایسے نہ بولی تھی۔

"محمل۔۔۔۔میں۔"

"مجھے آپ کی کوئی وضاحت نہیں چاہیے۔ آپ سب ایک سے ہیں۔" اس نے منہ پھیر لیا تھا۔ تب ہی اس نے برآمدے کے ستون کے ساتھ نڈھال سی مسرت کو دیکھا جو جانے کب ادھر آکھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے قریب برآمدے کی سیڑھی پہ بیٹھی آرزو بنا پلک جھپکے مبہوت سی اس مغرور اور وجیہہ سے اے ایس پی کو دیکھ رہی تھی۔ توس کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔

"آغا صاحب! انہیں روکیں' یہ میرے بیٹے کو کدھر لے کر جا رہے ہیں۔" وہ فواد کو لے جانے لگے تو تائی مہتاب' آغا جان کا بازو جھنجھوڑ کے رو پڑی تھیں۔

آغا جان چپ کھڑے تھے' بالآخر غفران چچا آگے بڑھے۔

"بھابھی بیگم! حوصلہ رکھیں ان شاء اللہ فواد شام تک گھر پہ ہو گا۔" ان کی بات پہ ہمایوں نے استہزائیہ سر جھٹکا اور پلٹا۔

"ایک منٹ اے ایس پی صاحب۔"

آغا جان ٹھہرے ہوئے انداز میں مخاطب ہوئے تھے۔ وہ چونک کر پلٹا۔

"یہ لڑکی رات باہر گزار آئی ہے' ہم شریف لوگ ہیں' اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آپ بھلے اسے بھی ساتھ ہی لے جائیں۔"

محمل ساکت رہ گئی۔ اسے لگا وہ کبھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گی۔

"واقعی؟" ہمایوں نے ابرو اٹھائی۔

برآمدے کے ستون سے لگی مسرت کے آنسو پھر سے ابل پڑے۔

"جی واقعی!" ان کے چبا کر کہنے پہ وہ مسکرایا۔

"ٹھیک ہے محمل بی بی! تھانے چلیے آپ سلطانی گواہ ہیں' گواہی دیں اور فواد کریم کو ساری عمر جیل میں سڑتے دیکھیں۔ میں نے تو چاہا تھا' گھر کی بات گھر میں رہ جائے' لیکن اگر آپ چاہتے ہیں تو ساری دنیا کو علم ہو کہ فواد نے گھر کی بچی کا سودا کیا ہے تو ٹھیک ہے' ہم اس سلطانی گواہ کو ساتھ لے چلتے ہیں نہ آپ اس بچی کو سمجھا بجھا کر راضی کر کے چپ کرا سکیں گے' نہ ہی فواد کبھی باہر آئے گا۔ چلو محمل۔"

"ارے نہیں اے ایس پی صاحب! محمل ہماری بچی ہے' بھائی صاحب یونہی ناراض ہیں' ہمیں یقین ہے کہ یہ پولیس کی حفاظت میں رہی ہے۔ عزت سے گھر آئی ہے۔" غفران چچا نے بوکھلا کر بات سنبھالی۔

"نہ بھی یقین کریں' پھر بھی' محمل کو ہم نے مسجد میں بھجوا دیا تھا' عورتوں کی مسجد ہے' میری بہن ادھر پڑھاتی ہے۔" اس نے آغا صاحب کو بغور دیکھتے ہوئے بہن پہ زور دیا اور ایک سخت نظر ڈالتا پلٹ گیا۔

وہ ابھی تک ویسے ہی ساکت و ششدر کھڑی تھی جیسے آغا جان کے الفاظ کا ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔

گاڑیاں گیٹ سے باہر نکل گئیں۔ غفران چچا موبائل پہ کوئی نمبر ملانے لگے۔ تائی مہتاب زور زور سے رونے لگیں۔

"یہ سارا اسی منحوس کا کیا دھرا ہے۔ اسے گھر سے نکالیے آغا صاحب! کمبخت نے میرے بچے کو پھنسا دیا' اپنے باپ کے ساتھ کیوں نہیں مر گئی؟"

وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھیں مگر حسن درمیان میں آ گیا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ تائی اماں؟" ان کے دونوں ہاتھوں کو گرفت میں لیے اس نے بمشکل انہیں باز رکھا" بھلا ایک لڑکی کے کہنے پہ فواد کریم جیسے اثر و رسوخ والے شخص کے اریسٹ ورانٹ بن سکتے ہیں؟"

"یہ جھوٹ بکتی ہے' میں اسے جان سے مار دوں گی۔"

"محمل۔۔۔! اندر جاؤ۔" فضہ چچی نے آہستہ سے کہا' تو وہ چونکی اور پھر اندر کی طرف دوڑی۔

فضہ اور ناعمہ نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آغا جان ڈرائیو وے کی بڑھ گئے۔ تائی اماں ابھی تک حسن کے بازوؤں میں رو چینچ رہی تھیں۔

وہ بھاگتی ہوئی برآمدے کے سرے پہ رکی۔ ستون سے لگی مسرت نے منہ پھیر لیا۔ اسے دھکا سا لگا۔

"اماں۔۔۔۔!" اس کی آنکھوں میں مرچیں چبھنے لگیں۔

"اے محمل۔۔۔!" آرزو نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا' تو وہ ذرا سا چونکی۔

"یہ ہینڈسم آفیسر کون تھا؟"

"یہ ہمایوں تھا ہمایوں داؤد۔"

"ہوں نائس نیم۔ کدھر رہتا ہے؟"

جہنم میں۔ ایڈریس چاہیے؟" وہ زہر خند ہوئی تو آرزو نے برا سا منہ بنایا۔ محمل اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک شکوہ کناں نگاہ ماں پہ ڈالتی اندر بھاگتی گئی۔

"ہمایوں داؤد۔۔۔!" آرزو زیر لب مسکرائی اور پھر توس۔۔۔ کھانے لگی۔

○○○○○○○○○○○

گھر میں اگلے کئی روز تک خاموشی چھائی رہی۔ بس ایک حسن تھا جو ہر دم' ہر ایک کے سامنے اس کا دفاع کرتا نظر آتا۔

"اگر محمل کی جگہ آرزو ہوتی تو بھی آپ یہی کہتیں چچی؟ وہ ناعمہ کی کسی بات پہ بھڑک کر بولا' تو وہ سر منہ لپیٹے اندر پڑی تھی' جھٹکے سے اٹھی اور تیزی سے باہر آئی۔

"آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ہر ایک کے سامنے صفائی دینے کی۔" وہ لاؤنج میں آ کر ایک دم چلا کر بولی تو سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"مگر محمل!"

"اگر ان لوگوں نے ان لوگوں نے مجھے یونہی پورے خاندان میں بے عزت کرنا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر عزت ایک دفعہ چلی گئی تو میں کس عزت کو بچانے کے لیے کورٹ میں چپ رہوں گی؟ میں بھی بھری عدالت میں سارے شہر کو بتاؤں گی۔ سن لیں آپ سب۔"

اپنے پیچھے دھاڑ سے دروازہ بند کر کے اس نے پھر خود کو کمرے میں قید کر لیا۔ اندر مسرت بستر کی چادریں درست کر رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر لمحے بھر کو سر اٹھایا' پھر واپس کام میں مصروف ہو گئیں۔

"آپ بھی مجھ سے ناراض ہیں اماں؟" مسرت خاموشی سے تکیے پہ غلاف چڑھاتی رہیں۔

"اماں!" اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ وہ تکیے درست کر کے دروازے کی طرف بڑھیں۔

"میں نے کیا کیا ہے اماں؟" وہ رو پڑی تھی۔

دروازے کی طرف بڑھتی محمل نے گردن موڑی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا محمل!" بہت دنوں بعد وہ اس سے بولی تھیں۔

"اماں۔" وہ تڑپ کر ان کے قریب آئی۔ "فواد بھائی نے مجھے منگنی کا کہہ کر۔۔۔۔"

"مجھے پتہ ہے۔"

"پتہ ہے مگر یقین نہیں ہے؟"

"ہے۔"

"پھر بات کیوں نہیں کرتیں مجھ سے؟"

"میں برسوں ان کی خدمت کرتی رہی کہ شاید کبھی یہ ہمیں کچھ عزت دیں' مگر میری بیٹی ان ہی کے بیٹے کو پکڑوا کر اس کے خلاف کورٹ کچہری میں گواہی دیتی پھرے۔۔۔۔پہلے زندگی کم مشکل تھی محمل جو تم نے مزید مشکل بنا دی ہے۔" وہ تھکی تھکی سی پلٹ گئیں۔

وہ نم آنکھوں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ایک غلط قدم اسے یہاں لا پہنچائے گا' اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

○○○○○○○○○○○○

پھر کتنے دن وہ ماتم کرتی رہی' اس کے پاس رونے کو بہت کچھ تھا۔ پھر کئی دنوں بعد اسے اس عبایا اسکارف اور مردانہ شلوار قمیض کا خیال آیا تو دونوں کو الگ الگ شاپر زمیں ڈال کر فرشتے کو واپس کرنے نکلی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہمایوں داؤد کے منہ لگنے کی' فرشتے کو دے دوں گی' وہی آگے پہنچا دے گی۔" اس نے سوچا تھا۔

بس اسٹاپ کا بینچ اب ویران ہوتا تھا۔ وہ سیاہ فام لڑکی کبھی واپس نہ آئی تھی۔ جانے کون تھی' کہاں چلی گئی۔ وہ اکثر سوچتی رہ جاتی۔

بس سے اتر کر اس نے سڑک پہ کھڑے گردن اونچی کر کے دیکھا۔ وہ دونوں عمارتیں ساتھ ساتھ تھیں۔ ہمایوں داؤد کا بنگلہ سبز بیلوں سے ڈھکا تھا اور ساتھ موجود اونچے ستونوں والی سفید عمارت کوئی انسٹی ٹیوٹ تھا شاید۔

"کوئی ضرورت نہیں اس فضول انسان کا دروازہ کھٹکھٹانے کی۔ میں مسجد ہی چلی جاتی ہوں۔" وہ مسجد کے سیاہ گیٹ کے سامنے آئی۔ گیٹ کا سیاہ لوہا چمک رہا تھا اسے اس چمکتے لوہے میں اپنا عکس دکھائی دیا۔

بلیو جینز کے اوپر گھٹنوں تک آتا کرتا' گردن سے لپٹا دوپٹہ' اونچی بھوری پونی ٹیل باندھے' ماتھے میں بل ڈالے وہ اپنے مخصوص حلیے میں تھی۔

گیٹ کے اس طرف ایک بورڈ لگا تھا جس کو وہ پہلے نہ دیکھ سکی تھی۔ اس پہ واضح لکھا تھا۔

"No men Allowed (مردوں کا داخلہ ممنوع ہے) "

ساتھ ہی باوردی گارڈ بیٹھا تھا۔ اس مے گہری سانس لے کر اندر قدم رکھا۔

بڑا سر سبز لان۔ سامنے سفید سنگ مرمر کا چمکتا برآمدہ۔ برآمدے کے کونے میں ریسپشن ڈیسک کے پیچھے کھڑی لڑکی' جو سیاہ عبایا کے اوپر سرمئی اسکارف میں ملبوس' فون کان سے لگائے محو گفتگو تھی۔

سامنے سے سفید شلوار قمیض میں ملبوس ایک لڑکی چلی آرہی تھی۔ اس نے عنابی اسکارف لے رکھا تھا۔ جیسے یونیفارم ہو۔ محمل کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے مسکرا کر "السلام علیکم" کہا۔

"جی؟" وہ چونکی۔ وہ لڑکی مسکرا کر اس کے پاس سے گزر گئی۔

"ہیں؟ اس نے مجھے سلام کیوں کیا؟ کیا یہ مجھے جانتی ہے؟" وہ الجھ رہی تھی کہ ریسپشنسٹ کی آواز آئی۔

"السلام علیکم۔ کین آئی ہیلپ یو؟"

"جی۔ مجھے فرشتے سے ملنا ہے۔" وہ ڈیسک کے قریب آئی۔

"فرشتے باجی کلاس میں ہوں گی۔ اندر کاریڈور میں رائٹ پہ فرسٹ ڈور۔"

"اچھا۔"

وہ ادھر ادھر دیکھتی سنگ مرمر کے چمکتے فرش پہ چلتی جا رہی تھی۔ کاریڈور میں پہلے کھلے دروازے پہ وہ رکی۔ اندر سے فرشتے کی مضبوط مگر خوب صورت آواز آ رہی تھی۔

"مرتین سے مراد بنی اسرائیل میں ہونے والا دو مرتبہ کا فساد ہے۔ مفسر کے مطابق پہلی دفعہ سے مراد ذکریا کا قتل' جبکہ دوسری دفعہ سے عیسیٰ کے قتل کی سازش مراد ہے۔"

اس نے کھلے دروازے سے گردن اندر کی۔ سامنے بنے پلیٹ فارم پہ کرسی پہ وہ بیٹھی اپنے آگے میز پہ کتاب کھولے مصروف سی پڑھا رہی تھی۔ اس کے سامنے قطار در قطار لڑکیاں کرسیوں پہ بیٹھی تھیں۔ عنابی اسکارف میں لپٹے بہت سے جھکے سر اور تیزی سے لکھتے قلم۔ وہ واپس پلٹ گئی۔

برآمدے میں ریسپشن ڈیسک کے سامنے دیوار سے لگے کاؤچ پہ بیٹھ کر وقت کاٹنا اسے بہتر لگا' سو کتنی ہی دیر وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی' پاؤں جُھلاتی چیونگم چباتے ہوئے تنقیدی نگاہوں سے ارد گرد گزرتی لڑکیوں کا جائزہ لیتی رہی۔

وہاں ایک منظم سی چہل پہل ہمہ وقت ہو رہی تھی۔ وہ جیسے کوئی اور ہی دنیا تھی۔ یونیفارم میں ملبوس ادھر ادھر تیزی سے آتی جاتی لڑکیاں۔ وہاں ہر طرف لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں۔ اسٹوڈنٹس کی سفید شلوار قمیض اور اوپر کسی رنگ کا اسکارف تھا' جبکہ تمام ٹیچرز اور آفیشلز کے سیاہ عبایے اور سرمئی اسکارف تھے۔ ان کے عبایا اور اسکارف لینے کا انداز بے حد نفیس تھا۔ بہت ہی پُراعتماد' ایکٹو اور مصروف سی لڑکیاں۔ جیسے وہ الگ سی دنیا وہ لڑکیاں ہی چلا رہی تھیں۔ کچھ تھا اس، مسجد میں جو محمل کو کہیں اور نظر نہیں آیا تھا۔

"السلام علیکم۔ اگر آپ بور ہو رہی ہیں تو اس کا مطالعہ کر لیں۔"

"شیور۔" اس نے شانے اچکا کر ریسپشنسٹ کے ہاتھ سے وہ دبیز کتاب لی۔

چند صفحے پلٹتے ہی اسے بے اختیار وہ شام یاد آئی جب آغا جان نے ٹیرس پہ اس سے وہ سیاہ جلد والا مصحف چھینا تھا۔ وہ قرآن کی سادہ ٹرانسلیشن تھی۔

وہ یونہی درمیان سے کھول کر پڑھنے لگی۔

"اور اس نے ہی غنی کیا اور مالدار بنایا ہے۔ اور وہی ہے جو شعری (ستارے) کا رب ہے اور بلاشبہ اس نے ہی پہلی قوم عاد کو ہلاک کیا اور قوم ثمود کو بھی۔ پھر کچھ باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم لوط کو بھی۔ بلاشبہ یہ سب انتہائی

ظالم و سرکش لوگ تھے۔ اور اسی نے پلٹا الٹی ہوئی بستیوں کو۔ پھر ان پر چھا گیا جو چھانا تھا۔ تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں پہ جھگڑو گے؟ یہ تو تنبیہہ تھی پہلی تنبیہات میں سے۔ آنے والی قریب آ گئی۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی ظاہر کرنے والا نہیں تو کیا تم اس قرآن سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو' روتے نہیں اور تم کھیل تماشا کر رہے ہو؟"

"محمل؟ ارے۔۔۔۔!"

وہ جو بالکل کھو کر پڑھتی چلی جا رہی تھی' بری طرح چونکی۔

فرشتے سامنے کھڑی تھی۔

اس نے قرآن بند کیا اور میز پر رکھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم۔ کیسی ہو؟" فرشتے اس کے گلے لگ کر الگ ہوئی اور اسے شانوں سے تھام کر مسکرا کر دیکھا۔ وہ محمل سے دو انچ لمبی تھی۔ شفاف سپید چہرہ سرمئی اسکارف میں مقید' اور وہ کانچ سی بھوری آنکھیں

"ٹھیک' آپ کیسی ہیں؟"

"الحمدُللہ۔ اتنے دنوں بعد تمہیں دیکھ رہی ہوں' گھر میں سب ٹھیک ہے؟"

"جی۔" اس نے نگاہیں جھکائیں اور بہت سی نمی اپنے اندر اتاری۔

"آپ کی چیزیں تھیں میرے پاس۔" اس نے شاپر اوپر کیا۔

"میں سمجھی' تم میرے لیے کوئی گفٹ لائی ہو۔" وہ ہنسی اور شاپر لے لیا۔کوئی تکلف نہیں' بہت خالص سا انداز۔سچا اور خالص۔

"لیکن اگر تم یہ رکھنا چاہو تو۔۔۔۔"

"نہیں' میں یہ عبایا وغیرہ نہیں لیتی۔"

"نو پرابلم دین۔بہت شکریہ۔" وہ خوش دلی سے مسکرائی تو محمل کو اچھا لگا۔

بہت مذہبی لوگ عموماً اتنے سنجیدہ اور سخت نظر آتے ہیں کہ جیسے ایک وہی نیک مومن ہوں اور باقی سب گناہ گار کافر۔اسے ایسے لوگوں سے شدید چڑ ہوتی تھی جن کے سامنے اسے لگے کہ یہ مجھے بہت گناہ گار سمجھ رہا ہے، مگر فرشتے اور اس کی مسجد کی لڑکیاں اس روایتی امیج سے بہت مختلف تھیں۔

"یہ ان کا ہے۔" اس نے دوسرا شاپر سامنے کیا۔

"ہمایوں کا؟"

"جی۔"

"اچھا' ہمایوں کبھی شہر ہوتا ہے' کبھی نہیں۔میرا اس سے ایزیچ کونٹیکٹ نہیں رہتا۔میں بھول بھی جاتی ہوں بہت۔اگر تم یہ اس کے چوکیدار کو دے دو' تو وہ پہنچا دے گا۔"

"فرشتے! انہوں نے آپ کو اپنی اور فواد بھائی کی ڈیل کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ڈیل نہیں' وہ دراصل آغا فواد سے بہت تنگ تھا اور اسے اس کے گینگ کی کسی لڑکی کے ذریعے پکڑنا چاہتا تھا۔"

"وہ گینگ کی لڑکی کی توقع کر رہے تھے تو آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں ان کی کزن ہوں؟"

"تم نے خود بتایا تھا جب ہم پریئر ہال میں تہجد پڑھ رہے تھے۔"

"اوہ!" کئی دن کی الجھن سلجھ گئی۔ "میں تو گینگ کی لڑکی نہیں تھی' پھر انہوں نے فواد بھائی کو کیسے اریسٹ کر لیا؟"

"یہ تو تم ہمایوں سے پوچھنا۔ میری تو عرصے سے اس سے بات نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک۔ دو بجنے کو ہیں فرشتے! میں پھر آؤں گی۔"

اور وہ سوچ رہی تھی کہ اس کا ہمایوں سے زیادہ رابطہ نہیں رہتا مگر اسے فواد کے کیس کی ہر بات معلوم تھی۔ عجیب بات تھی۔

"اور میں دعا کروں گی کہ تم کبھی ہمارے ساتھ آکر قرآن پڑھو۔"

"معلوم نہیں۔ شاید میں کچھ عرصے تک انگلینڈ چلی جاؤں۔"

"اوہ۔" فرشتے کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔

"آپ کی مسجد میں قرآن پڑھاتے ہیں؟"

"ہاں یہ دراصل ایک اسلامک سکول ہے۔"

"ہوں' میں چلتی ہوں۔" وہ اسے لان تک چھوڑنے آئی۔

"تمہیں کبھی کسی نے اس کتاب کی طرف نہیں بلایا محمل؟" جاتے سمے اس نے پوچھا تو اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

یادوں کے پردے پہ ایک سیاہ فام سا چہرہ لہرایا تھا۔

"بلایا تھا' مگر میں نے دل کا انتخاب کیا اور میں خوش تھی۔ اس نے کہا تھا یہ کتاب سحر کر دیتی ہے' اور مجھے مسحور ہونے سے ڈر لگتا ہے۔"

"کتاب سحر نہیں کرتی' پڑھنے والا خود کو سحر زدہ محسوس کرتا ہے۔"

"ان دونوں میں کیا فرق ہے؟"

"بہت ہے۔ لفظوں کو الگ الگ پرکھنا سیکھو' ورنہ زندگی کی سمجھ نہیں آئے گی۔"

فرشتے چلی گئی اور وہ شاپر اٹھائے خود کو گھسیٹتی باہر نکلی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح آٹھ بجے وہ مسجد کے گیٹ پر تھی۔ اندر داخل ہونے سے قبل اس نے رک کر بیلوں سے ڈھکے بنگلے کو دیکھا جس کا سنگی بینچ آج بھی ویران پڑا تھا۔۔۔

بابا تمہارے صاحب ہے؟ کچھ سوچ کر اس نے باوردی گارڈ کو مخاطب کیا۔

وہ تو شہر سے باہر گیا ہے۔

کب آئے گا؟

معلوم نہیں۔۔

اچھا۔ اس نے زرا سی ایڑی اونچی کر کے گیٹ کے پار دیکھا۔ ہمایوں کی گاڑی کھڑی تھی۔۔ وہ۔۔ وہ بی۔ وہ جہاز پہ گیا ہے۔ گارڈ قدرے گڑبڑایا۔۔

۔ بھاڑ میں گیا تمہارا صاحب میری طرف سے۔۔

اس سفید سر پہ جھوٹ تو نہ بولو نہیں ملنا چاہتا تو سیدھا منع کر دو۔۔ جھوٹ بولنا منافقت کی نشانی ہوتی ہے۔ ایمان کی نہیں۔ خدا کا خوف کرو۔ وہ آخری فقرہ قدرے نصیحت میز آنداز میں کہتی سکول کے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ پتہ نہیں ہمایوں نے اس کے لیے یہ کیوں کہہ رکھا تھا۔۔

اور پتہ نہیں میں نے صیح کیا یا غلط۔ مگر وہ ایسے میری جائیداد کبھی نہیں دیں گے۔ پھر اور کیا کرتی۔۔ بے زار سا تاثر چہرے پہ سجائے، بیگ اُٹھائے وہ سست روی سے بر آمدے کی طرف چل رہی تھی۔

اور یہ جھوٹ تو نہیں، اس نے مجھے حبس بے جا میں رکھا تھا۔

اس نے چپل ریک پہ اتاری اور خود کو گھسیٹتی ہوئی نیچے سیڑھیاں اُترے لگی۔

مگر اغوا تو نہیں کیا تھا میں ادھر اپنی مرضی سے گئی تھی تو اس پر اغوا کا الزام لگا دینا جھوٹ نہیں ہو گا۔۔

وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ زینے اتر رہی تھی۔

نہیں جھوٹ کہاں اس نے ڈیل تو کی تھی، اغوا اور خریدنا ایک ہی بات ہے۔ اگر زرا سالفظوں کا ہیر پھیر کر دوں تو کیا ہے۔

اس نے کرسی پہ بیٹھ کے کتابیں سائیڈ بورڈ پہ رکھیں۔

اور ساتھ بیٹھی لڑکی کے سیپارے پر جھانکا۔ اور پھر مطلوبہ صفحہ کھولنے لگی۔ تفسیر شروع ہو چکی تھی۔ وہ آج پھر لیٹ تھی۔

فواد کے خلاف گواہی نہ بھی دوں تو بھی وہ سزا پائے گا، وہ اتنا بڑا اے ایس پی، کوئی میرے بیان سے اسے سزا تھوڑی ملے گی، بس لفظوں کو تھوڑا انٹر چینج کر دیا جائے، تو کیا ہے۔ میری نیت تو صاف ہے۔ مطلوبہ صفحہ کھول کر اس نے پین کی کیپ اتاری، اور آج کی تاریخ لکھنے لگی۔

اور تم جھوٹ کو سچ کے ساتھ نہ ملاو اور نہ تم سچ کو چھپاو حالانکہ تم خوب جانتے ہو۔۔

میڈم مصباح کی آواز پہ جیسے کرنٹ کھا کر اس نے سر اٹھایا۔ وہ اپنی ٹیچر چیئر پہ بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے بے اختیار اپنے سیپارے کو دیکھا۔ اس صفحے پہ سب سے اوپر یہی لکھا تھا۔۔

تم میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو۔ اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ اور تم جھوٹ کو سچ سے نہ ملاو۔ اور نہ تم حق کو چھپاو حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔ وہ سُن سی بے ساکت سی پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان الفاظ کو دیکھ رہی تھی ۔ میڈم آگے پڑھ رہی تھیں اور اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ساری آوازیں جیسے بند ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ بنا پلک جھپکے ان ہی الفاظ کو دیکھ رہی تھی۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو۔ اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو

؟حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ کیا پھر تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟؟؟

اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے زرا دیر پہلے گارڈ کو کی گئی نصیحت اس کے کانوں میں گونجی۔ اسے لگا وہ کتاب اسے اس سے زیادہ جانتی ہے۔۔

پھر۔۔ پھر میں کیا کروں؟ اس کا دل کانپنے لگا تھا۔ بے اختیار اس نے رسی تھامنا چاہی۔ کلام کی رسی۔ وہ نہ جانتی تھی کہ دوسرے سرے پر کون ہے مگر اسے یقین تھا دوسرے سرے پر کوئی ضرور موجود ہے

صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو بے شک وہ۔ نماز۔ سب پہ بہت بھاری، سوائے ان کے جوڈرنے والے ہیں۔۔

اس نے وحشت زدہ سی ہو کر سر اُٹھایا۔ پنک اسکارف والے بہت سے سر اپنی کتابوں پر جھکے ہوئے تھے۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا

اس نے پھر سے ان الفاظ کو پڑھا۔ وہ کوئی مضمون نویسی نہ تھی، وہ گفتگو تھی۔ بات" اوہ مائی گاڈ" اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

It's talking to me.

ساتھ بیٹھی لڑکی نے سر اٹھایا۔ " تو یہ ٹاک ہی تو ہے۔ کلام۔ اس کو ہم کلام پاک اس لیے تو کہتے ہیں۔" وہ سادگی سے کہہ کر اپنے سیپارے پہ جھک گئی۔

محمل نے سیپارہ بند کر دیا' اور کچھ بھی اٹھائے بنا، تیزی سے بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

فرشتے اپنے آفس میں آئی تو وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"محمل تم؟"

میں۔۔۔میں آئندہ نہیں آؤں گی، میں مدرسہ چھوڑ رہی ہوں۔" وہ جو کرسی پہ بیٹھی تھی بے چینی سے کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف اور گھبراہٹ تھی۔ فرشتے نے آرام سے فائل میز پر رکھی اور کرسی کی دوسری جانب جگہ سنبھال لی، کھڑکی کے بلائینڈز بند تھے، کمرے میں چھاؤں سی تھی۔

"آپ میری بات سن رہی ہیں؟"

بیٹھو۔" وہ میز کی دراز کھول کر جھکی کچھ تلاش کرنے لگی تھی۔ محمل بمشکل ضبط کرتی کرسی پہ ٹکی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ادھر سے بھاگ جائے۔

میں نہیں آؤں گی آئندہ فرشتے" اس نے دہرایا۔ وہ ابھی تک دراز سے مصروف تھی۔"

"پھر کہاں جاؤگی؟"

"بس قرآن چھوڑ رہی ہوں۔"

اسے چھوڑ کر کہاں جاؤگی محمل!" وہ کچھ کاغذات نکال کر سیدھی ہوئی اور اسے دیکھا۔"

"اپنی نارمل لائف میں"

"تمہیں یہ ابنارمل لائف لگتی ہے؟"

یہ مجھ سے بات کرتی ہے فرشتے!" وہ دبی دبی سی چیخی۔ "آپ سمجھ نہیں سکتیں، میں کتنے کرب سے گزر رہی"

"ہوں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ آپ سمجھ نہیں سکتیں۔

"میں سمجھ سکتی ہوں، جب قرآن مخاطب کرنے لگتا ہے تو سب اس قرب سے گزرتے ہیں۔"

نہیں" اس نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا جو میرے ساتھ ہوا، آپ تصور نہیں "کر سکتیں۔

"تمہیں لگتا ہے تم پہلی ہو؟"

اس نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

ہم انسان ہی تو یہ بوجھ اٹھانے کے قابل ہیں، پھر تم اتنی کمزور کیوں پڑ رہی ہو؟ ہم پہاڑ ہوتے تو نہ سہار "سکتے۔ دب جاتے۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ فرشتے کو وہ لمحہ بھر میں بہت بیمار لگی تھی۔

"!وہ میری سوچیں پڑھ رہی ہے فرشتے"

"وہ مخلوق نہیں ہے کلام ہے۔ بات ہے اللہ کی بات، اور اللہ ہی تو سوچیں پڑھ سکتا ہے۔"

وہ گم صم سی ہو گئی۔

"میں۔۔۔ میں اللہ تعالیٰ سے بات کر رہی تھی؟"

"تمہیں کوئی شک ہے؟"

مگر۔۔۔ یہ چودہ سو سال پرانی کتاب ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ پاسٹ (ماضی) میں ہو کر ہم سے چودہ سو"

سال بعد کے فیوچر (مستقبل) سے خود کو کنیکٹ کرلے؟اٹس لائیک اے میریکل۔" (یہ تو معجزہ کی طرح ہے)

"!یہی تو ہم اسے کہتے ہیں۔ معجزہ"

"اور جب یہ ختم ہو جائے گی؟ "

تو پھر سے شروع کر لینا۔ رسول اللہ سلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے، قرآن کے معجزے بار بار دہرانے" "سے کبھی پرانے نہیں ہوں گے۔ فہماًبتا رہی ہوں۔

"میں۔۔۔میں اسے چھوڑ دوں تو؟"

فرشتے نے تاسف سے اسے دیکھا۔

محمل! جب روزِ قیامت اللہ زمین آسمان کو بلائے گا تو ہر چیز کھنچی چلی آئے گی،طوعاًیا کرہاًخوشی سے یانا خوشی" سے۔ جب ہم اللہ کے بلانے پہ نماز اور قرآن کی طرف نہیں آتے تو اللہ ہمارے لیے ایسے حالات بنا دیتا ہے، دنیا اتنی تنگ کر دیتا ہے کہ ہمیں زبردستی، سخت ناخوشی کے عالم مٰیں آنا پڑتا ہے اور ہم کرہا! بھی بھاگ کر آتے "ہیں اور اس کے علاوہ ہمیں کہیں پناہ نہیں ملتی۔ اس کی طرف طوعاً آجاؤ محمل! ورنہ تمہیں کرہا! آنا پڑے گا۔

پھر وہ مزید کوئی بحث نہ کر سکی۔

اسے فرشتے کی بات سے بے حد خوف آیا تھا۔

اسے لگا وہ اب کبھی قرآن چھوڑ نہ سکے گی۔

اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس ایک لفظ میں اسکی زندگی کا سب سے بڑا امتحان چھپا تو وہ اسے کبھی مس نہ کرتی، اور نہیں تو اس کا مطلب لغت میں ہی تلاش کر لیتی مگر جانے کیسے وہ اس سے لکھنا رہ گیا تھا۔ آج کار کوع میڈم مصباح کے علاوہ ایک اور ٹیچر پڑھا رہی تھیں۔

اور دروازے میں داخل ہو جاؤ، سجدہ کرتے ہوئے، اور کہو "حطتہ" ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور عنقریب ہم محسنین کو زیادہ دیں گے۔"

وہ آیت پڑھ کر اب الفاظ کی گہرائی میں جا رہی تھیں۔ "حطتہ" کا مطلب گرانا مراد گناہ گرانے یعنی بخشش مانگنے سے ہے، اب بنی اسرائیل نے کیا یہ کہ انہوں نے جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر ہے، منہ ٹیڑھا کر کے بات کو بدل دیا، وہ سجدہ کرتے، یعنی جھک کر "حطتہ" کہہ کر داخل ہونے کے بجائے حنطتہ hinta'tun کہہ کر داخل ہوئے۔ حنطتہ کہتے ہیں۔۔"

وہ تیز تیز قلم چلا کر لکھ رہی تھی کہ کسی نے برہمی سے پین اس کے رجسٹر پہ رکھا۔ اس نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔ ایک کلاس انچارج اس کے سر پہ کھڑی تھیں۔

بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں، اور قرآن ان کے لیے دعا کرتا ہے اور بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پہ لعنت کرتا ہے۔"

"کیا ہوا میم؟ "

"آپ رجسٹر قرآن پہ رکھ کر لکھ رہی ہیں۔"

انچارج نے صدمے سے اسے دیکھا تو اس نے گھبرا کر قرآن نیچے سے نکالا۔ یہ اس کا تجوید کا قرآن تھا، سمپل آف وائٹ جلد والا۔

سوری میم۔" اس نے قرآن احتیاط سے ایک طرف رکھا اور رجسٹر پہ جھک گئی۔ پھر ادھر ادھر ساتھ والی لڑکی کے رجسٹر پہ جھانکا کہ دیکھ سکے کہ حنطتہ کا کیا مطلب میڈم نے لکھوایا ہے، مگر اس نے کچھ نہ لکھا تھا۔ قرآن کی کلاس تھی، وہ کچھ بول نہ سکتی تھی، سو مایوسی سے واپس اپنے نوٹس کو دیکھا۔ صفحے کی لائن یہاں ختم ہوتی تھی، وہاں اس نے لکھ رکھا تھا "حنطتہ" یعنی گند۔۔۔" گند کے دال کے آگے صفحہ ختم تھا۔

بعض دفعہ ہم میکانکی انداز میں کچھ لکھتے ہوئے جب صفحہ ختم ہو جائے تو آگے جو بھی چیز ہو، بھلے نیچے رکھی ہوئی کتاب ہو یا ڈیسک کی لکڑی اس پہ لکھ ڈالتے ہیں، اور بعد میں یاد ہی نہیں آتا۔

گند" اس کا مطلب ہے؟" وہ اس ادھورے لفظ پہ حیران ہوئے۔ کوئی سینس نہ بنتا تھا، مگر خیر وہ آگے لکھنے لگی۔ سوچا بعد میں کسی سے پوچھ لے گی، مگر بعد میں یاد ہی نہ رہا۔

چھٹی کے وقت اس نے ہمایوں کو اپنے گیٹ کا دروازہ بند کرتے دیکھا۔ وہ ہک چڑھا کر پلٹا ہی تھا کہ وہ سامنے کھڑی ہوئی۔

پنک سکارف میں مقید چہرہ کندھے پہ بیگ، سفید یونیفارم، اور سینے پہ ہاتھ باندھے وہ تیکھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ تبدیلی کیسے آئی؟" وہ بے اختیار مسکرا دیا۔"

غالباً اچھے موڈ میں تھا۔ محمل اسی طرح تیکھی سخت نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

خیریت؟" وہ دو قدم آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے سیاہ گیٹ کے باہر اس کا مستعد چوکیدار کن اکھیوں سے" دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ہمایوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور وہ سخت تیوریوں کے ساتھ سینے پہ بازو لپیٹے۔

"آپ کو مسئلہ کیا ہے فواد بھائی کے ساتھ؟"

"شاطر مجرم کسی بھی پولیس آفیسر کے لیے چیلنج ہوتے ہیں اور مجھے چیلنج لینے میں مزا آتا ہے۔"

"اس مزے میں اگر آپ الٹا پھنس گئے تو؟"

"میں کیوں پھنسوں گا؟ تم نے کورٹ میں مکر جانا ہے نا۔"

"آپ کو کس نے کہا کہ میں مکر جاؤں گی؟"

کیا مطلب؟" وہ یک لخت چونکا۔ وہ اسی طرح سے چبھتی نگاہوں سے دیکھتی واپس پلٹی اور سینے پہ بازو لپیٹے سر" جھکائے سڑک پر چل دی۔

عقل کے سارے راستے عجب دھوئیں میں گم ہوتے تھے، وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔

کتنے دنوں بعد آج وہ شام کی چائے سرو کرنے ٹرالی دھکیلتی باہر لائی تھی۔ لان میں سب بڑے یونہی بیٹھے تھے۔ ادھر ادھر کی خوش گپیاں، تبادلئہ خیال چل رہے تھے۔

محمل، میری چائے میں کینڈرل ڈالنا بیٹا۔" آغا جان جس بے تکلفی سے کہہ کر غفران چچا سے بات کرنے میں" مصروف ہو گئے، ناعمہ اور فضہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ جب سے فواد جیل گیا تھا، ان دونوں کا الائنس (اتحاد) تائی مہتاب سے ہٹ کر بن چکا تھا۔ دونوں کے خواب اسے داماد بنانے کے چکنا چور ہو چکے تھے۔ اور وہ اب مزید تائی کی خوشامدیں کرنے کے بجائے انہیں بے رخی دکھانے لگی تھیں۔

یہ لیجیئے آغا جان۔" اس نے بھی پورے اعتماد سے کپ ان کو تھمایا، اور پھر تائی مہتاب کو، جو الگ سی گم صم" سی بیٹھی تھیں۔

تھینک یو محمل۔" جانے انہوں نے کس دل سے بظاہر مسکرا کر کہا۔ فضہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ناعمہ" کو ہلکا سا اشارہ کیا، ناعمہ نے" ہونہہ" کہہ کر سر جھٹکا۔ ان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ یہ اچانک وہ اس پہ اتنے مہربان کیوں ہو رہے تھے۔

وہ خالی ٹرالی لیے اندر آئی تو سیڑھیوں سے اترتا حسن جو شرٹ کے کف بند کر رہا تھا، اسے دیکھ کر لمحے بھر کو رک گیا۔ "محمل!"

ایک پرانا منظر اس کی آنکھوں سے لہرایا تھا۔ فواد کا یوں اترنا پھر اس کا اسے چائے دینا، اور وہ انگلیوں کا ٹکرانا۔

کیا تب فواد نے یہ سوچا تھا کہ یہ لڑکی اس کا ہتھیار بن سکتی ہے۔ اتنی ارزاں تھی وہ؟

منظر وہی تھا، بس چہرہ بدل چکا تھا، اس کی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھنے لگیں۔

مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا" وہ تیزی سے کچن کی طرف آئی۔"

محمل رکو۔ سنو۔" وہ سرعت سے اس کے پیچھے لپکا۔ اور کچن کے دروازے پہ ٹھہر سا گیا۔"

اندر مسرت کپڑے سے سلیب صاف کر رہیں تھی، محمل ساتھ ہی کرسی پہ رخ موڑے بیٹی تھی۔ اونچی بھوری پونی ٹیل جس سے اس کی لمبی گردن پیچھے سے جھکتی تھی اور کرتے کے اوپر دوپٹے کو شانوں پہ ٹھیک سے پھیلائے، ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے وہ چہرہ موڑے بیٹھی تھی۔ اس کے اس سائڈ پوز سے بھی حسن کو اس کی آنکھوں کا سوگوار سا رنگ دکھائی دیا تھا، اسے لگا وہ بہت بدل گئی ہے۔

"محمل! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

مسرت کا سلیب کو رگڑتا ہاتھ تو رک گیا، انہوں نے حیرت سے گردن موڑی۔

"حسن۔"

"چچی! محمل سے کہیں ذرا میری بات سن لے۔"

انہوں نے اسے دیکھا، جو بے تاثر سی لب بھینچے سر جھکائے کرسی پہ بیٹھی تھی۔

"محمل! حسن بلا رہا ہے۔"

میں ان کے باپ کی نوکر ہوں جو آؤں۔" اس کا دل چاہا وہ یہ کہہ دے، مگر صبح ہی تو فرشتے نے اس سے کچھ"

کہا تھا۔

محمل۔" مسرت نے پھر پکارا۔ "

انہیں جو کہنا ہے یہیں کہہ لیں۔ منظور نہیں ہے تو بے شک نہ کہیں۔" وہ سر جھکائے ٹیبل کو دیکھ رہی تھی۔"

ایک قسم اس نے اترتی فجر میں کھائی تھی، وہ قسم اسے اب آخری سانس تک نبھانی تھی۔

محمل تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔" وہ بے بس سا اس کے سامنے آیا۔ "

وہ تمہیں فواد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ تم خود کو اس کیس میں مت الجھاؤ۔ "

اس نے گردن اٹھائے۔ وہ اس کے سامنے کھڑا فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

محمل کا چہرہ بے تاثر تھا، سپاٹ۔

"آپ نے کہہ لیا جو کہنا تھا؟ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

اس نے آلوؤں والی ٹوکری قریب کھسک کر میز سے چھری اٹھا لی، وہ چند لمحے بے بس سا اسے دیکھتا رہا پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔ مسرت الجھی سی اس کے قریب آئیں۔

"کس کیس کی بات کر رہا ہے حسن؟ "

آلو گوشت میں بنا دوں گی، آپ قورمہ دیکھ لیجئے گا اور کھیر بھی، کیونکہ میں نہیں چاہتی کسی کو کوئی شکایت ہو۔" "

وہ اب مگن سی آلو چھیل رہی تھی۔

مسرت گہری سانس لے کر صلیب صاف کرنے لگیں۔ وہ جانتی تھیں، اب وہ نہیں بتائے گی۔

اور وہ آلو چھیلتے اس عجیب بات کو سوچ رہی تھی جو صبح اس سے فرشتے نے کہی تھی۔ جب وہ رشتے داروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی آیتیں، پڑھ کر تڑپ گئی تھی اور پوچھا تھا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں ان کے لیے کیا سزا بتائی گئی ہے۔

"یتیموں سے پہلے قرابت داروں کا ذکر ہے محمل۔"

"میں اور میری ماں ان قرابت داروں کی جیسی خدمت کرتے ہیں، آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

"تو اس خدمت کا کبھی ان کو احساس بھی دلایا؟"

اماں تو ہر وقت جتی رہتی ہیں۔ مگر میں ادھار رکھنے کی قائل نہیں ہوں، وہ ایک کہیں تو میں دس سناتی "ہوں۔ ایک ایک آئٹم گنواتی ہوں جو بناؤں۔

اس نے فخر سے کہا، اور پھر فرشتے کا سنجیدہ چہرہ دیکھا تو لگا کچھ غلط کہہ دیا ہے۔

"یعنی سب کیا کرایا ملیا میٹ کر دیتی ہو، یہ تو ان پہ ظلم ہے۔"

ظلم؟ میں ظلم کرتی ہوں ان پہ؟" وہ شاکڈ رہ گئی۔"

ظلم کی تعریف کیا ہوتی ہے؟ کسی کے حق میں کمی کرنا۔ ایک کی ایک سنانا برابر کا بدلہ ہے، مگر نو اد پر سنانا "زیادتی ہے، ان کے حق میں کمی ہے۔

"وہ جو مجھے بول دیں اور میں آگے سے چپ کر جاؤں؟" ایک بھی نہ سناؤں؟"

تم اگر سنا دو گی تو سب برابر کر دو گی، پھر تم ان کے کیے کا شکوہ کسی سے کرنے کی حق دار نہیں ہو گی۔ معاف کر"

"دیا کرو، اور جانتی ہو۔ معاف کرنا کیا ہوتا ہے؟

اس کا سر خود بخود نفی میں ہل گیا۔

اس کو دکھ نہ دینا جس نے آپ کو دکھ دیا ہو، ان کو ان کے رویے کا احساس تک نہ دلانا۔ کچھ نہ بتانا۔ یہ معاف "کرنا ہوتا ہے۔ تم معاف کر دیا کرو، صبر کیا کرو۔

"ساری زندگی صبر ہی تو کیا ہے میں نے۔ "

وہ صبر نہیں ہوتا جو تم کرتی ہو۔ صبر وہ ہوتا ہے کہ اگر سر پہ بھاری پتھر بھی لگ جائے تو لبوں سے اُف تک "نہ نکلے۔ صبر وہ ہوتا ہے جو تمہاری ماں کرتی ہے۔

"اور احسان؟"

" صبر اور معاف کرنے کے بعد ان کے برے رویے کے جواب میں بہت اچھا رویہ دو۔"

میں کیوں کروں یہ سب۔ وہ کیوں نہیں کرتے؟ "

"رشتے داروں کے ساتھ ویسا ہی رویہ رکھنا چاہیے جیسا وہ ہمارے ساتھ رکھتے ہوں۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسا کرتے تھے کہ بدلے کی صلتہ رحمی کرنے والا صلتہ رحمی نہیں کرتا۔ اس" پہ تو آپ کو اجر ہی نہیں ملے گا۔ اجر تو تب ملے گا جب آپ برے کے جواب میں اچھا کریں۔ تم انہیں معاف "کرو اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔

"انہوں نے میری جائیداد کھائی ہے۔" وہ چیخ پڑی تھی "ابا اپنی ساری پراپرٹی میرے نام کر کے گئے تھے۔

بہت غلط کر کے گئے تھے پھر۔ انہیں حق نہیں تھا کہ ساری پراپرٹی وصیت کرتے۔ ان کا حق تو بس ایک" تہائی پہ تھا، اس کو بے شک تمہارے نام وصیت کر جاتے، مگر باقی کے دو تہائی حصے کی شرعاً تقسیم کی اجازت دے جاتے، تو شاید تمہارے چچا لوگ اپنے حصے پہ قناعت کر لیتے۔ وارث تو اللہ نے بنائے ہیں۔ جانے والے کو برا بھلا نہیں کہہ رہی۔ مگر ایک غلط فیصلہ بہت سوں کی زندگیاں خراب کر دیتا ہے۔

محمل! تم کچھ لوگوں کے غلط فیصلے کو بنیاد بنا کر اپنے رشتے داروں پہ ظلم کرو گی تو یہ مت بھولو کہ پل صراط پہ رحم اور امانت کے کانٹے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہر خائن اور قطع رحمی کرنے والے کو پل سے نیچے جہنم میں "گرائیں گے، اور ہر امانت دار اور صلہ رحمی کرنے والا پل پار کر جائے گا، تم وہ پل پار نہیں کرنا چاہتیں؟

وہ سر جھٹک کر تیز تیز آلو چھیلنے لگی۔

"میڈم مجھے ایک بات پوچھنا ہے؟"

"جی ضرور پوچھیے۔"

"وہ میم۔ مجھ سے نماز پڑھی نہیں جاتی، تو خیر ہے؟"

ہاں کیوں نہیں خیر ہے۔ اٹس اوکے، اگر آپ نہیں پڑھ سکتیں تو۔" محمل کو لگا منوں بوجھ اس کے کندھوں" سے اتر گیا ہو۔ وہ ایک دم کسی قید سے آزاد ہوئی تھی۔ "وہی تو میم میں باقی نیکیاں کر لوں، قرآن پڑھ لوں، "ٹھیک ہے نا، نماز پڑھنا بہت ضروری تو نہیں ہے؟

"نہیں، اتنا ضروری تو نہیں ہے۔ اگر آپ نہیں پڑھنا چاہتیں تو نہ پڑھیں۔"

"میم! کوئی فرق تو نہیں پڑے گا نا؟"

"قطعاً فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بالکل آپ کی اپنی مرضی پہ ہے۔"

اوہ۔۔۔اوکے۔" وہ بے حد آسودہ سی مسکرائی۔ مگر میڈم مصباح کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔"

یقین کریں محمل! کوئی فرق نہیں پڑے گا اسے۔ آپ بے شک نماز نہ پڑھیں، بے شک سجدہ نہ کریں۔" جو ہستیاں اس کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتیں۔ اگر آپ کر لیں اسے کیا فرق پڑے گا، اس آسماں کا بالشت بھر بھی حصہ خالی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ نہ کر رہا ہو۔ اور فرشتہ جانتی ہیں، کتنا بڑا ہو سکتا ہے؟ جب اس پہاڑی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کے پکارنے پہ پلٹ کر دیکھا تھا، تو جبرئیل علیہ السلام کا قد زمین سے آسماں تک تھا۔ اور ان کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسماں نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسے ہوتے ہیں فرشتے۔70 ہزار فرشتے روز طواف کرتے ہیں، ان کی باری پھر قیامت تک نہیں آئے گی۔ اس رب کے پاس اتنی لاتعداد ہستیاں ہیں عبادت کرنے کے لیے، آپ نماز نہ بھی پڑھیں تو اسے کیا فرق پڑے گا؟"

میڈم مصباح جا چکی تھیں اور وہ دھواں دھواں چہرے کے ساتھ کتابیں سینے سے لگائے ساکت سی کھڑی تھی۔ اس کو لگا، وہ اب کبھی نماز نہیں چھوڑ سکے گی۔

شام اس نے بہت اہتمام سے عصر پڑھی۔ پڑھ کر لاؤنج میں فون اسٹینڈ کے ساتھ بیٹھی ہی تھی کہ نادیہ کو فون کرے۔ ناعمہ چچی معاذ کو کان سے پکڑے بے بس سی ڈانٹ رہی تھیں اور وہ کان چھڑا کر جھپاک سے منہ چڑاتا بھاگ گیا تھا۔

"اتنا شیطان ہو گیا ہے یہ لڑکا، کیا کروں میں اس کا۔" وہ کمر پہ ہاتھ رکھے پریشانی سے بولیں اور محمل کی فون نمبرز پریس کرتی انگلیاں تھم گئیں۔

"شیطان ہو گیا ہے یہ لڑکا!" اس نے زیرِ لب دہرایا۔

لفظ شیطان کا روٹ ورڈ کیا تھا؟ شین، طا، نون (ش، ط، ن) شطن۔ یعنی رحمت سے دور، اللہ کی رحمت سے دور، دھتکارا ہوا۔ اوہ گاڈ، انہوں نے اپنے بچوں کو اللہ کی رحمت سے دور ہوا کہہ دیا؟

"چچی۔" اس نے ہولے سے انہیں پکارا فون کا ریسیور ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ہاں؟" ناعمہ چچی نے پریشانی سے چونک کر اسے دیکھا۔ "معاذ کو شیطان تو نہ کہیں چچی! اللہ نہ کرے وہ شیطان ہو۔ شیطان تو اللہ کی رحمت سے دور ہونے کو کہتے ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ بس کرو، دو سیپارہ کیا پڑھ لیے، اب ہمیں سکھائیں گی یہ۔ ہونہہ ان کا تو قبلہ ہی بدل گیا ہے۔" استہزائیہ کہتی باہر نکل گئیں اور وہ جہاں تھی، وہیں سُن سی بیٹھی رہی تھی۔ بہت پہلے ملنے والی وہ سیاہ فام لڑکی ایک دم اسے یاد آئی تھی۔

"اس میں تمہارا ماضی ہے، حال ہے، اور مستقبل لکھا ہے۔"

وہ سر جھکائے خاموشی سے برتن دھو کر ریک میں لگا رہی تھی۔ دُھلی پلیٹوں سے پانی کے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ اس کے ہاتھ سست روی سے کام کر رہے تھے۔ کچن میں اکیلی تھی، اماں جانے کہاں تھیں۔ باقی لوگ تو کام کے وقت کچن میں آنا مزاج کے خلاف سمجھتے تھے، مگر خیر۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ اب کوشش کرتی تھی کہ ایسی سوچوں کو دل میں جگہ نہ دے۔ اب محسوس ہوتا تھا کہ اس نے اپنے بدصورت رویے سے اپنے اور ان کے درمیان فرق نہ رکھا تھا، پہلے وہ ہر چیز اسی دنیا میں برابر کرنے پہ تلی تھی، اب اس نے صبر کرنا شروع کر دیا تھا۔

زندگی ویسے بھی اب ٹف ہو گئی تھی۔ اب مسجد کی ٹیچرز نے اسے دیر سے آنے پہ الٹی میٹم دے دیا تھا، وہ خود بھی اپنی تجوید درست کرنے فجر کے بعد آنا چاہتی تھی کہ تب لڑکیاں اکٹھی بیٹھ کر تجوید کی پریکٹس کرتی تھیں۔ صرف یہ مسئلہ تھا کہ فجر کے وقت فریج لاک ہوتا تھا، اس کے لاکھ کہنے پہ بھی کسی پہ اثر نہ ہوا تھا، اس کے پاس ناشتے کے پیسے نہ تھے، یا تو وہ ٹرانسپورٹ کا کرایہ ادا کرتی یا اپنا ناشتہ لا کر رکھتی، سو ناشتہ قربان کر کے اس نے وین والے کو فیس دی۔ اور روز صبح تہجد پہ اٹھ کر، وہ آدھے گھنٹہ اپنا ہوم ورک کرتی پھر فجر پڑھ کر نکل جاتی۔ عصر کے قریب اس کی واپسی ہوتی۔ ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے، علم فقر و فاقے کے بغیر نہیں آتا، ٹھیک ہی کہتے تھے۔

اس نے آخری پلیٹ ریک پہ رکھی، ٹونٹی بند کی اور ہاتھ خشک کرتی اپنے دھیان میں پلٹی ہی تھی کہ کچن کے کھلے

دروازے میں کسی کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹکی اور پھر دوسرے ہی پل ساکت رہ گئی۔

"کیسی ہو؟" فواد سینے پہ ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ گنگ سی بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گئی۔ یہ کب واپس آیا؟

"تم مجھے بہت یاد آئیں محمل! میں ایک بہت بڑی سازش کا نشانہ بنا ہوں۔"

"اماں۔۔۔اماں۔" وہ ایک دم بلند آواز میں پکارنے لگی۔ خون ابلنے لگا تھا، اسے محسوس ہوا، اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" مسرت بوکھلا کر اندر آئیں، اور پھر فواد کو دیکھ کر چپ سی رہ گئیں۔

"فواد بیٹا تم؟"

"چاچی۔" وہ ان کی طرف بے قراری سے پلٹا۔" میرے ساتھ بہت بڑی سازش ہوئی ہے۔ یہ سب اس اے ایس پی کا کیا دھرا ہے۔ میں بھلا محمل کے ساتھ ایسا کر سکتا ہوں؟ محمل تم۔" وہ اب اس کی جانب مڑا۔" تم جانتی ہو میں بے قصور ہوں۔ ریکارڈنگ جو انہوں نے تمہیں سنوائی، وہ ان کے کسی فنکار کی تھی۔ ہم ان پولیس والوں کو بھتہ نہیں دیتے، اس لیے انہوں نے ایسا کیا۔ تم یاد کرو، تم نے خود کہا تھا کہ تم سائن کروانے چلی جاؤ ہو۔ میں نے اگر سودا کیا ہوتا تو میں تمہیں مجبور کرتا۔"

وہ ایک دم چونکی وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ مگر۔۔۔

"آپ نے۔ آپ نے مجھ پہ الزام لگایا کہ آپ نے مجھے رنگے ہاتھوں۔۔۔" اس سے آگے بولا نہیں گیا۔

وہ سب مجھے اے ایس پی نے رات کو کہا تھا کہ میں تمہارے اور اس کے درمیان آنے کی کوشش نہ کروں۔ بھلا بتاؤ، میں ایسا کرسکتا ہوں پھر مجھے یقین آہی گیا کہ تم جیسی با کردار اور پارسا لڑکی ایسا نہیں کر سکتی۔

"میں پورے گھر کے سامنے تمہارے کردار کی قسم کھانے کو تیار ہوں۔ چاچی! آپ میرا یقین کریں۔

وہ بے بس سا مسرت کے پاس جھکا اور ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

یقین کریں، میں نے کچھ نہیں کیا، لیکن اگر آپ سمجھتی کہ محمل میری وجہ سے بدنام ہوئی ہے تو میں محمل" سے شادی کرنے پہ تیار ہوں۔ آپ جب کہیں، آغا جان دھوم دھام سے محمل کو اپنی بہو بنائیں گے۔ آپ ہاں تو کریں۔ ایک دفعہ محمل سے میری شادی ہو جائے، پھر ہوگی کسی کو پورے خاندان مُیں ہمت کہ وہ محمل پہ انگلی

"اٹھاسکے؟ ہم ہر وہ انگلی کاٹ دیں گے۔ اللہ گواہ ہے۔ چچی ہم ایسا کریں گے۔

فواد۔۔۔! تم سچ کہہ رہے ہو؟" فرطِ جذبات سے مسرت کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ وہ جو سا کت سی' سلیب کا سہاری لیے کھڑی تھی، ایک دم بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اس نے رات کا کھانا نہیں کھایا، بس سر منہ لپیٹے پڑی رہی۔ باہر سے چہل پہل کی آوازیں آرہی تھیں۔ ہنسی مذاق، باتیں، قہقہے، دعوت کی طرح کا سماں تھا، اشتہا انگیز کھانوں کی مہک اس کے کمرے تک آرہی تھی، مگر اس کا کسی چیز کے لیے دل نہ چاہ رہا تھا۔ وہ چت لیٹی دیر تک چھت پہ گھومتے پنکھے کو دیکھتی رہی تھی۔ تینوں پر گول گول گھوم رہے تھے۔ بار بار ایک ہی مدار کے گرد چکر کاٹتے، آخر میں وہیں پہنچ جاتے جہاں سے چلے

تھے۔ وہ بھی وہیں پہنچ گئی تھی۔

صبح پریئر ہال کی کشادہ سفید سیڑھیاں وہ ننگے پاؤں سست روی سے اتر رہی تھی۔ سفید شلوار قمیص کے اوپر پنک اسکارف نفاست سے اوڑھے، ایک ہاتھ ریلنگ پہ رکھے، وہ جیسے پانی پہ چلتی غائب دماغی سے نیچے آئی تھی۔ پریئر ہال کے گلاس ڈورز بند تھے۔ شیشوں کے پار تازہ صبح اتر رہی تھی۔ اس کو آج کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، وہ چپ چاپ اپنی جگہ پہ آئی۔ بیگ ڈیسک پہ رکھا اور گرنے کے انداز میں بیٹھی۔

اگر کالج ہوتا تو یقیناً وہ آج نہ آتی، اتنی ڈپریسڈ ہو گئی تھی کہ وہ پڑھ نہ سکتی تھی۔ مگر وہ کالج نہ تھا، نہ ہی وہ پڑھنے آئی تھی۔ وہ سننے آئی تھی۔

بعض چیزیں اتنی حیرت انگیز ہوتی ہیں کہ انسان ان پہ حیران ہونا ترک کر دیتا ہے۔ معجزانہ کتاب بھی ایسی ہی تھی، عاجز کر دینے والی، مبہوت کر دینے والی۔ وہ جو سوچتی تھی، اس کتاب میں لکھا آجاتا تھا۔ اب محمل نے حیران ہونا ترک کر دیا تھا۔ اسے لگا، وہ اب کبھی حیران نہ ہو سکے گی مگر آج کی آیات پہ وہ پھر چونکی تھی۔

"اور لوگوں میں سے کوئی ہے، اچھی لگتی ہے تمہیں اس کی بات دنیا کی زندگی کے متعلق۔۔۔" اس نے سر گھٹنوں پہ رکھ دیا اور بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیے۔

"اور وہ اپنی بات پہ اللہ کو گواہ بنا لاتا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ سخت جھگڑالو ہے۔"

اس نے سر اٹھایا، چہرہ دائیں جانب گھمایا، پنک اسکارف میں ملبوس لڑکیاں سر جھکائے تیزی سے قلم پیپر پہ چلا رہی تھیں۔ وہاں کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے دل پہ کیا گزر رہی ہے۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔

بس وہی جانتا تھا جس نے یہ کتاب اس کے لیے اتاری تھی۔ اسے کبھی کبھی لگتا تھا، یہ بس اسی کی کہانی ہے، کسی اور کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔

"اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے۔"

اس نے دونوں کنپٹیوں کو انگلیوں سے سہلایا۔

"اچھی لگتی ہیں تمہیں۔"

وہ آہستہ سے اٹھی، سیپارہ بند کیا اور کچھ بھی لیے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"اس کی بات۔"

وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

"دنیا کی زندگی کے متعلق۔۔۔"

وہ آخری زینہ عبور کر کے راہداری کی طرف بڑھی۔

اور وہ اپنی بات پہ اللہ کو گواہ بناتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ سخت جھگڑالو ہے۔" وہ تھکاوٹ سے باہر برآمدے کے اسٹیپس پہ بیٹھ گئی۔ سامنے ہرا بھرا لان تھا۔ وہ ستون سے سر ٹکائے لان کے سبزے کو خالی خالی آنکھوں

سے دیکھے گئی۔

یہ تو اس نے دل سے بھی نہ کہا تھا کہ اسے فواد کی بات اچھی لگی تھی۔ اس کی آفر دلفریب تھی، مگر وہ تو ہر نگاہوں کی خیانت بھی جانتا ہے، اس سے کیسے چھپ سکتی تھی کوئی بات مگر اس نے اسے ڈانٹا نہیں، ذلیل نہیں کیا جیسے لوگ کرتے تھے، اس کا تماشا نہیں بنایا جیسے خاندان والے بناتے تھے۔ اس کی بات سنی ان سنی نہیں کی جیسے نادیہ کرتی تھی، کوئی ڈانٹ ڈپٹ، لعن طعن نہیں۔ بس وہی ایک نرم، مہربان انداز جس کی تڑپ میں وہ قرآن سننے آتی تھی، وہ ڈانٹتا ہی تو نہیں تھا، اس کی طرح کوئی سمجھاتا ہی نہ تھا۔ کوئی اس کی طرح تھا ہی نہیں۔ وہ وہیں بیٹھی تھی جب ساتھ ہی وہ لڑکی آ بیٹھی۔ غالبا! مڈ بریک تھی۔ اور لڑکیاں اس میں بھی بیٹھ کر تجوید کرتی تھیں۔ وہ ٹھوڑی ہتھیلی تلے رکھے، چہرہ موڑے یونہی اسے دیکھے گئی۔

وہ لڑکی گھٹنوں پہ قرآن رکھے بائیں ہاتھ سے صفحے پلٹ رہی تھی، دایاں ہاتھ یونہی ایک طرف گرا پڑا تھا۔ مطلوبہ صفحہ کھول کر اس نے بائیں ہاتھ سے گرے ہوئے ہاتھ کو اٹھایا اور گود میں رکھا، پھر ٹھیک ہاتھ سے صفحے کا کنارہ پکڑے پڑھنے لگی۔

"ان المسلمین والمسلمات۔۔"

وہ رک رک کر اٹک اٹک کر پڑھتی، بار بار آواز ٹوٹ جاتی۔ وہ پھر سے شروع کرتی، مگر ہکلاہٹ زدہ زبان پھر ساتھ چھوڑنے لگتی۔ مخارج صحیح نہ نکل پاتے، وہ بدقت تمام ایک لفظ بولتی تو ساتھ "گاں گاں" آواز بھی آتی۔ یکدم محمل کو احساس ہوا وہ رونے لگی تھی۔ اس کا مفلوج دایاں ہاتھ بار بار نیچے گر جاتا، وہ بائیں ہاتھ سے اسے

اٹھاتی، پھر سے تجوید پڑھنے کی کوشش کرتی۔ اس کی آنکھوں سرخ ہو گئیں، اور آنسو ابل کر گال پہ لڑھکنے لگے۔ وہ بائیں ہاتھ سے آنسو رگڑتی، دبی دبی سسکیوں کے ساتھ پھر سے کوشش کرنے لگی۔

محمل گم صم سی اسے دیکھے گئی۔ وہ اپاہج لڑکی اپنے اللہ سے بات کر رہی تھی، وہ اس کا بہت ہمدرد تھا۔ اسے محمل کی ہمدردی کی اس وقت ضرورت نہ تھی، لمحے بھر کو بھی اسے اس پہ ترس نہ آیا تھا، بلکہ رشک ہوا تھا، کوئی ایسے بھی تڑپ کر قرآن پڑھتا ہے جیسے وہ پڑھ رہی تھی؟ اور ایک ہم ہیں، برسوں اس مصحف کو لپیٹ کر سب سے اونچے شیلف میں سجائے رکھتے ہیں اور بس سجائے رکھتے ہیں۔ وہ اسی طرح ہتھیلی ٹھوڑی تلے جمائے گردن پوری اس کی طرف موڑے پلک جھپکے بنا اسے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ پھر سے ہکلاتی زبان سے پڑھنے لگی، مگر ٹھیک پڑھا نہ جا رہا تھا، آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ دبی دبی سسکیوں کے درمیان وہ مسلسل استغفر اللہ کہتی جا رہی تھی۔ عام سی شکل کی اپاہج لڑکی۔ اسے بے اختیار وہ سیاہ فام لنگڑی لڑکی یاد آئی۔

وہ کتنے کو سہارا دیے ہوئے تھا، اور وہ کتنے بد نصیب ہوتے ہیں جو تلاوت کی آواز سن کر کان بند کر لیتے ہیں۔ کبھی میں بھی ان بد نصیبوں میں تھی۔

وہ آہستہ سے اٹھی اور سر جھکائے چل دی۔

برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی اپاہج لڑکی اسی طرح رو رہی تھی۔

وہ گیٹ بند کر کے اندر داخل ہوئی تو لان میں کرسیاں ڈالے تقریباً تمام کزنز بیٹھے تھے۔ فواد بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔ وہ کسی بات پہ ہنس رہا تھا، شرٹ کا اوپری بٹن کھولے، قیمتی رسٹ واچ پہنے، اس کے پرفیوم کی مہک یہاں تک آ رہی تھی۔

وہ کرسیوں کا دائرہ بنا کر بیٹھے تھے۔ یہ ندا تھی جو اس کی بات دلچسپی سے سن رہی تھی۔ جبکہ آرزو بھی اس دائرے میں لاتعلق سی بیٹھی تھی اور فائقہ بھی۔ رضیہ پھپھو کی فائقہ۔ وہ بھی جیسے فواد سے احتراز برت رہی تھی۔ جیل خانے جانے کے بعد بھلے تائی مہتاب جتنی تاویلیں پیش کرتیں، فواد کی اہمیت اب وہ نہ رہی تھی۔

وہ کتابیں سینے سے لگائے سر جھکائے تیز تیز چلنے لگی۔

محمل!" وہ برآمدے کے اسٹیپ پہ تھی جب فواد نے بے اختیار پکارا۔ اس نے ایک پاؤں سیڑھی پہ رکھے گردن موڑی۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔"

مجھے کام ہے۔" روکھے تاثرات دے کر وہ برآمدے کا دروازہ پار کر گئی۔ لان میں بہت سی معنی خیز نگاہوں" کا تبادلہ ہوا تھا۔

اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ یوں مجھے سب کے سامنے بلائے۔ مائی فٹ!" وہ پیر پٹختی اندر آئی تھی۔" لاؤنج میں حسن نظر آیا تو ایک دم ٹھٹک کر رکی، پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے طرف جانے لگی۔

"محمل!" تمہیں فواد کی ہر بات کا یقین ہے؟"

مجھے آپ پہ بھی یقین نہیں ہے۔" اس کا گلا رندھ گیا تھا، تیزی سے کہہ کر اس نے دروازہ کھولا اور پھر دھڑام سے اپنے پیچھے بند کیا۔

حسن نے تاسف و بے بسی سے چند لمحے ادھر دیکھا، پھر سست روی سے اوپر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

اس نے چمچہ ہلا کر پتیلی کا ڈھکن بند کیا، جھک کر چولہا قدرے آہستہ کیا، اور واپس کٹنگ بورڈ کی طرف آئی جہاں سلاد کی سبزیوں کا ڈھیر لگا تھا۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے، سر جھکائے کھٹ کھٹ سبزیاں کاٹنے لگی۔

ادھر ہو محمل!" رضیہ پھپھو نے اندر جھانکا۔ "

محمل نے سر اٹھایا۔ آج اس نے پونی نہیں باندھی تھی، اور بھورے لمبے بال شانوں پہ گر رہے تھے۔ جنہیں اس نے کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔

جی پھوپھو؟" وہ آہستہ سے گویا ہوئی، محمل کے اندر ایک واضح تبدیلی تھی وہ پہلے جیسی بدلحاظ نہ رہی تھی، ورنہ" پہلے تو اسے مخاطب کرتے ہوئے ڈر لگا کرتا تھا۔

میں نے سوچا، ذرا تمہاری کوئی مدد کروادوں۔ مسرت کو تو بھابھی نے دوسرے کاموں پہ لگا رکھا ہے۔ کوئی" " تک ہے بھلا؟ جب دیکھو، بے چاری سے کام ہی کرواتی رہتی ہیں۔

تو کوئی بات نہیں پھپھو! ہمارا فرض ہے۔" وہ نرمی سے مسکرا کر پھر سے سبزی کاٹنے لگی تھی۔"

یہ فواد رہا کب ہوا؟" پھپھو سامنے کاؤنٹر سے ٹیک لگائے رازداری سے گویا ہوئیں،"

"معلوم نہیں۔ "

"ہک ہا۔ بڑا ظلم کیا اس نے تمہارے ساتھ۔ میرا تو مانو اس کی شکل دیکھنے کا دل نہیں کرتا۔"

وہ سر جھکائے کھٹا کھٹ پیاز کاٹتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

بڑا دل تھا میرا فائقہ کے لیے۔ مگر دل ایسا ٹوٹا کہ ادھر آنے کو ہی نہیں چاہتا تھا، کتنے چہرے نکلتے ہیں نا لوگوں کے، محمل!"

جانے دیں پھپھو انا اللہ پڑھ لیں۔ فائقہ باجی کوئی کم تھوڑی ہیں۔ کسی اچھے بندے کے قابل ہیں، اچھا ہی ہوا جو بھی ہوا۔"

اسے پھپھو کے آزردہ چہرے کو دیکھ کر دکھ ہوا تھا، یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ یوں بات کر رہی تھیں، ورنہ پہلے محمل نے اتنی دیواریں کھڑی کر رکھی تھیں کہ انہیں پاٹنا مشکل تھا، وہ اس کے ابا کی ایک ہی بہن تھیں۔ وہ کیوں لوگوں سے شکایت کرے؟ اس نے خود بھی تو کبھی بنا کر رکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر۔۔۔"

اسی لمحے فواد نے کچن کا دروازہ کھولا۔ ان دونوں نے چونک کر ادھر دیکھا، محمل کے لب سختی سے بھینچ گئے۔ وہ تیز تیز سبزی کاٹنے لگی۔

" محمل! ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟ "

یہ فارغ نہیں ہے۔ اپنی بہنوں سے کہہ دو۔ فارغ ہی بیٹھی تھیں باہر۔" پھپھو نے نہایت بے رخی سے کہا، وہ

چند لمحے کھڑا رہا، پھر واپس مڑ گیا۔

"ہونہہ، حکم دیکھو کیسے چلا رہا ہے۔ تم ذرا بھی اس کی نہ سنا کرو۔ میرے بھی کتنے خواب تھے۔ ہمیں کوئی کمی تھوڑی ہے۔ فائقہ کے پاپا کے بزنس کا تو تمہیں پتہ ہے، کروڑوں میں کھیلتے ہیں۔ ان کی طرح یتیموں کا مال نہیں کھاتے۔"

"میں یتیم نہیں ہوں پھپھو! میں بالغ ہوں، اور بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہوتی۔"

وہ اب سلاد میں لیموں نچوڑ رہی تھی۔

"ہاں ہاں، تمہیں پتا ہے، ابھی فائقہ کے پاپا نے نیا گھر بنوایا ہے، دوسرا گھر تو پھر سے فرنش کر کے فائقہ کو جہیز میں دے دیں گے۔"

محمل کی لیموں نچوڑتی انگلیاں تھمیں۔ ایک خیال کے پیشِ نظر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"پھپھو!" اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ "آپ کو مدد کی ضرورت ہو گی نا۔ گھر شفٹ کیا ہے۔ آپ اکیلے کیسے کریں گی سب؟ نوکروں پہ بھروسہ کر ہی نہیں سکتے۔ میں آجاؤں آپ کے پاس، ہیلپ کروا دوں گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" پھپھو تو نہال ہی ہو گئیں۔ "میں تم سے کہنے ہی لگی تھی پھر سوچا تمہاری پڑھائی ہے۔" (تو اس لیے اتنا پیار جتا رہی تھیں، خیر)

"کوئی بات نہیں، ویک اینڈ ہے، پھر۔۔۔ آپ کی ہیلپ بھی تو کرانی ہے نا۔"

اسے فواد سے دور رہنے کا یہی طریقہ نظر آیا تھا، پھپھو نے تو فوراً حامی بھر لی۔ وہ جلدی سے اپنا بیگ تیار کرنے لگی۔

تیاری کیا تھی۔ دو جوڑے رکھے، چند ضروری چیزیں، اور پھر قرآن رکھتے رکھتے وہ رہ گئی۔

قرآن تو وہاں ترجمے والا مل ہی جائے گا، دو دن کی تو بات ہے، اب ساتھ کیا رکھوں۔ کوئی بات نہیں۔" اس نے بیگ کی زپ بند کر دی۔

پھپھو کا سامان شفٹ ہو گیا تھا، بس ڈبوں میں بند تھا۔ وہ جاتے ہی کام میں لگ گئی، فائقہ تو ٹی وی میں ہی مگن تھی۔ ڈش بھی لگ گئی تھی، اور وہ بہت شوق سے کچھ دیکھ رہی تھی۔ پھپھو نے اس سے کچھ نہ کہا، محمل ہی ساری چیزیں نفاست سے سیٹ کرتی رہی۔

رات گیارہ بج گئے جب اس نے آج کے لیے بس کی۔ اور پھر نہا کر نیا سوٹ پہنا۔ پھر نئے سرے سے وضو کیا، اور پھر دوپٹہ سر پہ لپیٹے، وہ پھپھو کے پاس چلی آئی۔

"پھپھو! آپ کے پاس ترجمے والا مصحف ہو گا؟"

کیا ترجمے والا؟" وہ اپنے کپڑوں کی الماری سیٹ کر رہی تھیں۔ "

قرآن۔۔۔ قرآن ہو گا۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ "

" ترجمے والا تو۔۔۔ فائقہ کی دادی کا تھا پچھلے گھر میں۔ وہ کسی نے مانگ لیا تھا، ترجمے کے بغیر والا ہو گا۔"

"اچھا۔۔۔ چلیں وہی دے دیں۔ "

" کتابوں کے ڈبے سے نہیں نکلا؟"

" نہیں تو میں نے خود ساری کتابیں ادھر رکھی ہیں۔ "

پھر شاید کہیں مِس پلیس ہو گیا ہو، فائقہ سے پوچھ لو۔" وہ پھر سے کام میں مگن ہو گئیں۔

وہ بے دلی سے فائقہ کے پاس آئی۔

"فائقہ باجی! آپ کے پاس قرآن ہو گا؟"

" میرے پاس؟ مجھے کیا کرنا ہے؟" وہ الٹا حیران ہوئی۔ "اماں سے پوچھو، ان کو ہی پتہ ہو گا۔"

وہ مایوس سی خود ہی ڈھونڈنے لگی۔ کتابوں کے ریک کو پھر سے دیکھا، ایک ایک چیز چھان ماری، مگر قران نہ تھا نہ ملا۔

وہ اپنے کمرے مین آئی، اور اپنا بیگ پھر سے کھولا۔

شاید کوئی معجزہ ہو جائے اور شاید اس نے قرآن رکھ دیا ہو، سارے کپڑے اوپر نیچے کیے۔ مگر وہ ہوتا تو ملتا۔

وہ پھر سے لاؤنج میں گئی۔

"فائقہ باجی! آپ کے پاس کوئی کیسٹ ہو گی تلاوت کی؟ "

نہیں!" فائقہ نے لاپروائی سے شانے جھٹکے۔ "

"کوئی چینل ہو گا جس پہ تلاوت آتی ہو؟ "

"تنگ مت کرو محمل، میں مووی دیکھ رہی ہوں۔"

وہ اکتا کر رخ پورا ٹی وی کی طرف موڑ کر بیٹھ گئی۔

محمل تھکے تھکے قدموں سے واپس آئی اور پھر بیڈ پہ گر کر نہ جانے کیوں رونے لگی تھی۔

رات وہ بے چین سی نیند سوئی۔ اگلا سارا دن کام کرواتے وہ مغموم، بے چین رہی، کھانے کے بھی چند لقمے لے سکی۔ اس سے کھایا ہی نہیں جا رہا تھا۔

ہفتے اور اتوار کے وہ دو دن اس کی زندگی کے جیسے بدترین دن تھے۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا وہ اڑ کر گھر پہنچ جائے، اور وہ اپنا قرآن تھام لے۔ کوئی ایسا اتفاق تھا کہ رضیہ پھپھو کا ڈرائیور چھٹی چلا گیا تھا، وہ اب ان کے میاں نفیس سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ گھر سے بھی کوئی نہیں دے کر جائے گا، وہ جانتی تھی۔

اللہ اللہ کر کے اتوار کی رات گھر سے گاڑی اسے لینے آئی۔

پھر جس لمحے وہ گھر میں داخل ہوئی، بجائے کہیں اور جانے کے، بجائے کسی سے ملنے کے وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں گئی،

شیلف پہ بیگ ایک طرف ڈالا اور شیلف پر سے قرآن اٹھا کر سینے سے لگا لیا، اسے لگا اب وہ زندگی بھر قرآن کے بغیر کہیں نہیں جا سکے گی۔ لوگ چابی، بٹوہ اور موبائل کے لئے آتے ہیں، قرآن کے لئے کوئی واپس نہیں آتا نہ جانے کیوں۔

محمل!" اماں پکارتی ہوئی آئیں، تو اس نے آنسو خشک کیے اور اپنے مصحف کو احتیاط سے شیلف پہ رکھا۔"

"محمل۔۔یہ لو۔" اماں نے دروازہ کھولا اور ایک خط کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ "تمہاری ڈاک آئی تھی کل۔"

میری ڈاک؟" اس نے حیرت سے لفافہ تھاما۔ مسرت جلدی میں تھیں، لفافہ دے کر پلٹ گئیں۔"

اس نے الجھتے ہوئے لفافہ چاک کیا، اور اندر موجود کاغذات نکالے۔

وہ اسکالرشپ تھا جو اس کو دیا گیا تھا۔ انگلینڈ میں اعلٰی تعلیم کا سکالرشپ۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"محمل۔۔۔ تمہاری ڈاک آئی تھی۔ کیا یہ وہ اسکالرشپ تھا؟"

کھانے کی میز پہ آغا جان نے پوچھا تو یکدم سناٹا چھا گیا۔ محمل نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ سب ہاتھ روکے اسے دیکھ رہے تھے۔

جی۔" اسے اپنی آواز کہیں دور سے آتی سنائی دی۔ خوشی یا جوش سے خالی آواز۔"

ہوں۔ تو کلاسز کب اسٹارٹ ہوں گی؟" آغا جان بات کرنے کے ساتھ ساتھ چمچہ کانٹا پلیٹ میں کھڑکا رہے تھے۔ باقی سب دم سادھے محمل کو دیکھ رہے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک بڑی خبر تھی۔"

"ستمبر میں۔"

"تمام اخراجات وہی اٹھائیں گے؟"

جی۔" وہ بھی جواب دینے کے ساتھ ساتھ کھانے لگی تھی۔ ڈائننگ ہال میں اب اس کے چمچے کی آواز بھی آ رہی"

تھی۔

"ویری گڈ۔ "

"انگلینڈ میں؟ "

"اسکالر شپ؟ "

"محمل انگلینڈ چلی جائے گی؟ "

سرگوشیاں چہ مگوئیاں شروع ہو چلی تھیں۔ اس نے سر جھکائے خاموشی سے کھانا ختم کیا، پھر کرسی دھکیل کر اٹھی اور بنا کچھ کہے ڈائننگ ہال سے چلی گئی۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ خوش تھی، یا ناخوش۔ اسے خوش ہونا چاہیے۔ لیکن پھر یہ ناخوشی؟ دل ڈوبنے کا احساس؟ شاید یہ اس لیے تھا کہ اس صورت میں اسے علم الکتاب اور مسجد چھوڑنی پڑے گی۔ قرآن کی تعلیم ادھوری رہ جائے گی۔ لیکن وہ تو بعد میں بھی کر سکتی ہوں۔ انگلینڈ جانے کا موقع بعد میں نہیں ملے گا۔

ان ہی سوچوں میں گم نیند نے اسے آلیا۔

صبح کلاس میں سیپارہ کھولتے وقت اسے امید تھی کہ آج کے سبق میں اس کے اسکالر شپ کے بعد کے خیالات کے متعلق آیات ضرور آجائیں گی، لیکن آج کی آیات سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے کسی قدیم قصے کی تھیں۔

یہ پہلی دفعہ تھا کہ اسے اس کا جواب نہیں مل رہا تھا، اور وہ واقعہ جو بیان کیا جا رہا تھا، وہ بھی قدرے ناقابل فہم

تھا۔ بلکہ تھا نہیں، اسے لگا تھا۔ وہ اسکالر شپ بھلا کر اس واقعے میں ہی الجھ گئی۔

واقعہ کچھ یوں تھا کہ جب طالوت کا لشکر جالوت سے مقابلے کے لیے نکلا، تو راستے میں آنے والی ایک نہر میں ان کے لیے آزمائش ڈال دی گئی۔ اللہ نے اس نہر کے پانی کو سوائے ایک چلّو

کے پینے سے منع کیا، تو جو لوگ پانی پینے گئے، وہ نہر پہ بیٹھے رہ گئے، اور جنہوں نے چلّو سے زیادہ نہ پیا، وہ آگے نکل گئے، اور انہی میں حضرت داؤد علیہ السلام تھے، جنہوں نے جالوت کو قتل کر کے اپنے انجام تک پہنچایا۔

پوری تفسیر سن کر بھی اسے نہ سمجھ آیا کہ بھلا نہر کا پانی کیوں نہیں پینا تھا؟ پانی تو حرام نہیں ہوتا، پھر کیوں؟ وہ پورا دن یہی سوچتی رہ گئی تھی، یہاں تک کہ رات جب میٹھا لینے کچن میں آئی تو بھی یہی سوچ رہی تھی۔

کچن خالی تھا، اس نے فریزر کا ڈھکن کھولا، سویٹ ڈش کے ڈونگے نکالے، ٹرے میں رکھے اور ٹرے اٹھائے باہر آئی۔

"پھر جب طالوت اپنے لشکروں کے ساتھ جدا ہوا۔۔۔"

وہ ٹرے اٹھائے ڈائننگ ہال میں آئی۔ اونچی پونی جھٹکے سر سے اٹھ جاتی تھی۔ کندھوں پہ پھیلایا دوپٹہ، اور شفاف چہرے پہ سنجیدگی لیے، اس نے ٹرے ٹیبل پہ رکھی۔ سب وقفے وقفے سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ متاثر، جلن زدہ نگاہیں۔

"اس نے کہا۔ بے شک اللہ تم کو آزمانے والا ہے ایک نہر کے ساتھ۔"

وہ خاموشی سے ٹرے سے ڈونگے نکال رہی تھی۔ پہلا ڈونگا اس نے آغا جان کے سامنے رکھا۔

"تو جو کوئی اس نہر سے پیے گا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

دوسرا ڈونگا دونوں ہاتھوں میں ہی اٹھا کر اس نے ٹیبل کے وسط میں رکھا۔

"اور جو کوئی اس نہر سے نہ پیے گا، سوائے اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھر پینے کے، وہ بے شک مجھ سے ہے۔"

اس نے آخری ڈونگا ٹیبل کے آخری سرے پہ رکھا، اور واپس اپنی کرسی پہ آئی۔

"تو سوائے چند ایک کے انہوں نے اس (نہر میں) سے پی لیا۔"

سب سوئیٹ ڈش شروع کر چکے تھے۔ شیشے کے پیالوں اور چمچوں کی ٹکرانے کی آوازیں وقفے وقفے سے آ رہی تھیں، ان آوازوں کے درمیان وہ مدھم مہربان آواز بھی اس کے کانوں میں گونج رہی تھی، اور وہ تو ابھی دور کہیں اس آواز میں کھوئی ہوئی تھی۔

"تو سوائے چند ایک کے، انہوں نے اس میں سے پی لیا۔"

اس نے پیالہ آگے کیا، اور تھوڑی سی کھیر اپنے پیالے میں ڈالی۔

"تو سوائے چند ایک کے، انہوں نے اس میں سے پی لیا۔"

وہ اب آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے چمچ لے رہی تھی۔

"تو تمہیں کب تک جانا ہو گا محمل؟"

آغا جان نے پوچھا تو یکدم پھر سے ہال میں سناٹا چھایا۔ چمچوں کی آواز رک گئی۔ بہت سی گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ اس نے سر اٹھایا۔ سب اس کی طرف متوجہ تھے۔

"اگست کے اینڈ تک۔"

"یعنی تم ستمبر سے پہلے تک نہیں ہو گی۔"

"نہیں!"

کیا مطلب؟" آغا جان چونکے۔"

میں نہین جا رہی۔" اس نے چمچ واپس پیالے میں رکھا اور نیپکن سے لب صاف کیے۔"

"کیا مطلب؟"

تم اتنا بڑا اسکالر شپ چھوڑ دو گی؟" فضہ چچی نے تحیّر سے کہا تھا۔"

"میں چھوڑ چکی ہوں۔"

"مگر۔۔۔ مگر کیوں؟"

وہ نیپکن ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

کیونکہ ہر جگہ رکنے کے لیے نہیں ہوتی۔ اگر میں نے اس نہر سے پانی پی لیا، تو میں ساری عمر اسی پہ بیٹھی رہ جاؤں گی، اور طالوت کا لشکر دور نکل جائے گا۔ بعض حلال چیزیں کسی خاص وقت میں حرام ہو جاتی ہیں، اگر اس وقت آپ اپنے نفس کو ترجیح دیں، تو خیر کا کام کرنے والے لوگ دور نکل جاتے ہیں۔ میں نہر پہ ساری عمر بیٹھی نہیں رہنا چاہتی۔ مجھے داؤد بننا ہے جو جالوت کو مار سکے۔ "

وہ سوچ کر رہ گئی، اور کہا تو بس اتنا۔

مجھے ابھی قرآن پڑھنا ہے۔" اور تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔"

شام کی ٹھنڈی ہوا اپنی لے پہ بہہ رہی تھی۔ وہ چائے کا کپ لیے ٹیرس پہ کرسی ڈالے دور آسمان کو دیکھ رہی تھی جہاں شام کے پرندے اپنے گھروں کو اڑتے جا رہے تھے۔

ٹیرس سے سامنے والوں کے گھر نظر آتا تھا۔ ان ہی بریگیڈیئر صاحب کا گھر جن کی قرآن خوانی ایک روز اس نے دیکھی تھی۔ قرآن کو بھی پتا نہیں ہم لوگوں نے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔

اس نے کسی خیال کے تحت کپ سائیڈ پہ رکھا اور اٹھی۔ ابھی مڑی ہی تھی کہ سامنے فواد کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔

وہ اندر کھلنے والے دروازے میں کھڑا تھا، سینے پہ ہاتھ باندھے، لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

تم مجھ سے کتراتی پھر رہی ہو۔ حالانکہ تم جانتی ہو، میرا قصور نہیں ہے۔" وہ چپ رہی۔"

کل دوپہر تین بجے میں اسٹاپ پہ تمہارا انتظار کروں گا، مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ آئی ہوپ کہ تم" ضرور میری بات سننے آؤ گی۔" وہ کہہ کر ایک طرف ہو گیا۔ محمل کا رستہ کھل گیا۔ وہ بنا اسے دیکھے تیزی سے دہلیز پار کر گئی۔

ایک قسم تھی جو اس نے کھالی تھی، وہ اسے توڑ نہیں سکتی تھی، اور اس لمحے، سیڑھیاں اترتے اسے محسوس ہوا کہ

شاید وہ اس قسم کے بوجھ سے اب نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اب اس سے وہ قسم نبھائی نہیں جا رہی۔ بس ایک دفعہ وہ فواد سے باہر مل لے تو کیا ہو جائے گا؟ بس ایک دفعہ۔۔۔ کل دوپہر تین بجے۔ نہیں میں قسم نہیں توڑوں گی اس نے گھبرا کر سر جھٹکا۔ اس کے اندر کی سوچیں اس وحشت زدہ کرنے لگی تھیں۔ پھر اسے یاد آیا وہ ٹیرس سے بھلا کیوں نیچے آنے لگی تھی؟ اور ہاں وہ قرآن خوانی والا گھر وہ کچھ سوچ کر گھر سے باہر آئی۔

ساتھ والا بنگلہ بیلوں سے ڈھکا خوب صورت بنگلہ تھا، اس نے گیٹ کے ساتھ نصب بیل پہ ہاتھ رکھا، دوپٹہ شال کی طرح کندھوں کے گرد لپیٹے، اونچی کسی ہوئی پونی ٹیل ادھر ادھر جھلاتی وہ ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور پھر گیٹ کھلا۔ اسی ملازم کی شکل سامنے آئی۔

"جی؟"

"بریگیڈیر صاحب گھر پہ ہیں؟

"نہیں، پر آپ کون؟"

میں محمل ابراھیم ہوں، ساتھ والے گھر میں رہتی ہوں، آغا ہاؤس میں۔ یہ کچھ پمفلٹس ہیں، بریگیڈیر صاحب کو" دے دینا، وہ پڑھ کر مجھے واپس کر دیں، میں ان سے واپس لینے ضرور آؤں گی۔ یہ ذمہ داری میں تمہیں دے رہی ہوں اور ذمہ داری امانت ہوتی ہے۔ اگر امانت مین خیانت کی پل صراط پار نہیں کر سکو گے۔ سمجھے؟ "

چند پمفلٹس اور کارڈز اسے تھما کر اس نے تنبیہ کی تو پلازم نے گھبرا کر " اچھا جی" کہہ کر سر اندر کر لیا۔

وہ شام، وہ رات اور وہ اگلی صبح بہت کٹھن تھی۔ وہ لمحے بھر کو بھی نہ سو سکی تھی۔ ساری رات بستر پہ کروٹیں بدلتے گزری۔ مستقبل بہت سے اندیشوں کی دھند میں لپٹا نظر آتا تھا۔ وہ کیا کرے کس سے مشورہ کرے، کس سے پوچھے؟

اور جواب تو اسے سوچنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جب صبح کے قریب اس نے قسم توڑنے کا سوچا تو بستر سے نکلی اور معاملہ اللہ پہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

کل ان کی کلاس میں سورہ بقرہ ختم ہوئی تھی، اور آج آل عمران شروع ہونا تھی۔ غالباً پہلی گیارہ آیات پڑھنی تھیں۔ اسے پکا یقین تھا کہ کوئی حل آج کے سبق میں موجود ہو گا۔ سو اس نے آج کی آیات کھولیں۔

پھر ان تمام آیات کو اس نے دو تین دفعہ پڑھا۔ دل میں عجیب سی بے چینی پیدا ہوئی۔ وہاں کوئی ذکر نہ تھا۔ نہ قسم کا، نہ قسم توڑنے کا کفارہ کا۔

"کفارہ؟" وہ چونکی۔ "تو کیا میں قسم توڑنا چاہتی ہوں؟"

ہاں!" دل نے واضح جواب دیا تو اس نے خود سے نگاہیں چرا کر مصحف بند کیا، اور اوپر رکھ دیا۔"

فرشتے ایک فائل پہ سرسری نگاہ ڈالتے کاریڈور میں سے گزر رہی تھی جب وہ پھولی سانس کے ساتھ تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔

"فرشتے! مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟"

فائل کے صفحے کا کنارہ فرشتے کی انگلیوں کے درمیان تھا، اس نے سر اٹھایا۔

"السلام علیکم! کیا بات ہے؟"

"وعلیکم السلام۔" وہ پھولی سانسوں کے درمیان تیز تیز بول رہی تھی۔" وہ ایک فتویٰ لینا ہے۔"

"میں مفتی نہیں ہوں۔"

"مگر۔۔۔بس ایک فقہی مسئلہ ہے۔"

ضرور پوچھنا مگر آج کی تفسیر سن لو، اس میں ہے تمہارا مسئلہ۔" محمل کو جھٹکا لگا۔"

"آپ کو میرے مسئلے کا پتہ ہے؟"

"ارے نہیں، مجھے تو آج کی آیات کا بھی نہیں پتہ، میڈم مصباح لیتی ہیں نا آج کل آپ کی کلاسز؟

"پھر آپ کو کیسے پتہ کہ۔۔۔"

کیونکہ یہی ہمیشہ ہوتا ہے۔ تفسیر کا ویٹ کر لو، تمہارا مسئلہ کلیر کٹ لفظوں میں آجائے گا۔" اس نے فائل کا صفحہ پلٹا اور سرسری سا اوپر نیچے دیکھنے لگی۔

"مگر میں نے آج کی آیات پڑھ لی ہیں، ان میں میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے پتہ ہے۔"

صبر لڑکی! علم صبر کے ساتھ آتا ہے، تفسیر کے بعد پوچھ لینا مگر اس کی یقیناً نوبت نہیں آئے گی۔" وہ ہلکا سا اس کا گال تھپتھپا کر فائل دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ محمل نے اپنے گال کو چھوا، پر سر جھٹک کر کاریڈور میں آگے بھاگ گئی۔

یہ کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ جو سوچے، وہ قرآن میں لکھا ہوا نہ آئے۔ لوگ اس کی بات نہیں سنتے تھے۔ سنتے تھے تو

توجہ نہیں کرتے تھے۔ اگر توجہ کرتے تھے تو سمجھتے نہیں، اور ایک قرآن تھا، اسے کہنا بھی نہ پڑتا اور وہ دل کی بات دھیان سے سنتا، توجہ کرتا، سمجھت، اور پھر دانائی اور حکمت سے اسے سمجھاتا تھا، اور اس جیسا کوئی نہ سمجھاتا تھا۔

مگر اسے لگا آج کی آیات میں ایسی کوئی بات نہ تھی جو اس سے متعلق ہو۔

بہت بے دلی اور رنج سے اس نے سیپارہ کھولا۔ وہ سفید چادر پہ دوزانو ہو کر بیٹھی تھی، سامنے ڈیسک پہ سیپارہ کھلا پڑا تھا، ایک طرف رجسٹر تھا جس پہ جھکی وہ تیز تیز لکھ رہی تھی۔

اب میڈم مصباح محکم آیات اور متشابہہ آیات کا مطلب سمجھا رہی تھیں۔

محکمات وہ آیات تھیں جن کا مطلب ہم سمجھ سکتے ہیں، مثلاً احکامات، اس کی دنیا باتیں، دنیا کے کسی باغ کی مثال، تاریخی واقعات اور متشابہات وہ آیات تھیں جو ہم تصور نہیں کر سکتے، مگر ان پہ ایمان بالغیب لانا ضروری ہے مثلاً جنت، دوزخ، اللہ کا ہاتھ، فرشتوں کی ہئیت۔ متشابہات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ اور جو پڑے، اس سے دور رہنا چاہیے۔ میڈم مصباح یہی سمجھا رہی تھیں۔ سست روی سے تمام پوائنٹس رجسٹر پہ لکھ رہی تھی۔

"متشابہات پہ ایمان بالغیب ایسا ہونا چاہیے جیسے۔۔۔"

میڈم کی آواز ہال میں گونج رہی تھی" جیسے اگلی آیات میں ذکر ہے کہ راسخون فی العلم، ان پہ ایمان لاتے ہیں۔ اب یہ راسخون فی العلم کون ہوتے ہیں؟ ایک ہوتا ہے طالبعلم، ایک صاحبِ علم اور اس سے بڑا درجہ راسخ علم والے کا ہوتا ہے۔ یہ کون لوگ ہوتے ہیں؟ ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ راسخون فی

العلم کون ہوتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ جو قسم پوری کرتے ہیں۔"

محمل کے ہاتھ سے پین گر پڑا۔ سیاہی کے چند چھینٹے چادر کو بھگو گئے۔

"میڈم آگے بھی کہہ رہی تھیں۔" جن کے دل مستقیم ہوں۔

مگر وہ یک ٹک پھٹی پھٹی نگاہوں سے سیپارے پہ لکھے" راسخون فی العلم" کے الفاظ کو دیکھے جا رہی تھی۔

"وہ جو قسم پوری کرتے ہیں۔"

وہ بس سکتہ کی کیفیت میں سیپارے کو دیکھ رہی تھی۔

راسخون فی العلم۔" سیپارے کے الفاظ دھندلا گئے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔" صدیوں پہلے عرب کے صحراؤں میں کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ پختہ علم والے کون ہوتے ہیں۔ اور تب انہوں نے بتایا تھا، کہ وہ جو قسم پوری کرتے ہیں۔ اسے لگا صدیوں پہلے کی کہی گئی بات کسی اور کے لئے نہیں، صرف اس کے لیے تھی۔ وہ انگلیوں کے پوروں سے ان تین الفاظ کو بار بار چھو رہی تھی، انہیں محسوس کر رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں سے لڑھک کر گردن پہ پھسل رہے تھے۔

ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ قسم کھانا ناپسندیدہ تھا، لیکن اب وہ اسے" ہمیشہ نبھانی تھی۔ اور جانتی تھی کہ یہی اس کے لیے بہتر تھا۔

اس روز وہ تین بجے سے پہلے ہی گھر آ گئی تھی۔

وہ صبح زرد سی طلوع ہوئی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھ رہی تھی۔ آج اس نے اونچی پونی کے بجائے سادہ سی چوٹی بنائی تھی۔ شفاف چہرے پہ ذرا سی پژمردگی چھائی تھی۔ وہ چند لمحے خود کو دیکھتی رہی، پھر سیاہ چادر سر پہ رکھی، اور ٹھوڑی تک لپیٹ کر بکل دوسرے کندھے پہ ڈالی۔ آج اسے گواہی دینی تھی۔ فواد کے خلاف یا اپنے خلاف۔

لاؤنج میں تینوں چچا انتظار کر رہے تھے۔ کلف لگے سفید شلوار قمیص میں آغا جان کمر پہ ہاتھ باندھے ادھر ادھر بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ اسے راہداری سے آتے دیکھا تو رک گئے۔

چلیں۔" وہ سپاٹ چہرہ لیے ان کو دیکھے بغیر دروازے کی طرف بڑھی اور اسے کھول کر باہر نکلی۔ وہ سب اکٹھے" باہر نکلے۔

گیٹ کھلا یکے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں پورچ میں سے باہر سڑک پہ رواں دواں تھیں۔ اس اونچے گھر کی بہت سی کھڑکیوں سے عورتیں ان کو جاتے دیکھ رہی تھیں۔ گاڑیاں گم ہو گئیں تو لڑکیوں نے پردے چھوڑ دیے۔

زرد سی راہداری میں وہ سمٹی سمٹائی، نگاہیں نیچی کیے آغا جان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ادھر ادھر پولیس والے وکلاء اور کتنے ہی لوگ گزر رہے تھے۔ بہت وحشت ناک سی جگہ تھی وہ۔ اس سے سر نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ بس لمحے بھر کو اس نے چہرہ نیچے کیا تو کاریڈور کے اختتام پہ وہ کھڑا تھا، اپنے کسی سپاہی کو اکھڑتے تیور لیے غصے سے

کچھ کہتا، یونیفارم میں ملبوس، سر پہ کیپ۔ وہ بہت وجیہہ تھا۔ اور زندگی میں پہلی دفعہ محمل کو اس پہ غصہ نہیں آیا تھا۔ اسے ان تمام لوگوں میں ایک وہی اپنا ہمدرد لگا تھا۔

اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ کاریڈور کے موڑ کے قریب ہی تھی جب ہمایوں کی نگاہ اس پہ پڑی اور وہ ٹھہر گیا۔ آغا کریم کے بائیں کندھے کے پیچھے چھپی ہوئی، گردن جھکائے آتی، سیاہ چادر میں لپٹی لڑکی جس کے چہرے پہ زمانوں کی تھکن رقم تھی۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ اس کے قریب سے سر جھکائے گزر گئی۔

ہاں آغا کریم نے ایک متنفر نگاہ اس پہ ضرور ڈالی تھی۔

وہ اب گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ شاید وہ اس کی آنکھیں دیکھنا چاہتا تھا۔ انہیں پڑھنا چاہتا تھا۔ کاریڈور کے درمیان میں یکدم اس کالی چادر والی لڑکی نے گردن پیچھے کو موڑی۔ دونوں کی نگاہیں لمحے بھر کو ملیں، اسے محمل کی آنکھوں میں زمانوں کی تھکن دکھی تھی۔ پھر اس نے چہرہ موڑ لیا اور اسی طرح سر جھکائے اپنے چچاؤں کے نرغے میں آگے چلتی گئی۔

کمرہ عدالت میں وہ قطار کی بائیں نشست پر سب سے پیچھے بیٹھی تھی۔ آغا جان اس کی دائیں طرف تھے۔ اس کے بائیں طرف کچھ نہ تھا قطار خالی تھی۔ وہ سر جھکائے ساری کاروائی سنتی رہی۔ اس سے نظر تک نہ اٹھائی جاتی تھی۔ یوں جیسے ہر کوئی اسے ہی دیکھ رہا ہو۔

اور پھر ایک ساعت کو جیسے ہی اس نے سر اٹھایا۔ وہ دوسرے سٹینڈ میں بیٹھا، گردن ترچھی کیے اسے ہی دیکھ رہا

تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ہمایوں کی نگاہوں میں سوال تھے چبھتے ہوئے، پریشان کن سوال۔ اس سے زیادہ دیر دیکھا نہ گیا۔ وہ گردن موڑ کر آغا جان کو دیکھنے لگی جو لب بھینچے وکلاء کے دلائل سن رہے تھے۔ نگاہوں کے ارتکاز پہ چونک کر محمل کو دیکھا۔

کیا؟" وہ جس طرح انہیں دیکھ رہی تھی، وہ ذرا سے الجھے۔"

جائیداد میں میرا حصہ مجھے مل جائے گا؟" اس نے سرگوشی کی، ان پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر۔"

"ہاں کیوں نہیں؟ "

"یہی اگر میں پوچھتی، کہ کیوں نہیں تو؟ "

"کیا مطلب؟ "

"میں ابھی جا کر ہمایوں داؤد کے خلاف بیان دوں تو، کیا گارنٹی ہے کہ آپ مکر نہیں جائیں گے؟"

"تمہیں مجھ پہ شک ہے؟ "

"اگر ہے تو؟ "

" آغا جان کے ماتھے پہ غصے کی لکیر ابھری جسے وہ ضبط کر گئے۔" تم اب کیا چاہتی ہو؟

یہ!" اس نے کالی چادر میں سے بیگ نکالا، زپ کھولی اور ایک کاغذ اور پین نکال کر ان کی طرف بڑھائے۔""

میری صرف فیکٹری میں شیئرز کی قیمت نو کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ باقی کا حساب میں ابھی نہیں مانگ رہی۔"

یہ آپ کی چیک بک کا چیک ہے رقم میں نے بھر دی ہے، اسے سائن کر دیں۔" اس نے پین ان کے سامنے

کیا، وہ کبھی اس کو دیکھتے، کبھی پین کو۔

"آغا جان! محمل بچی نہیں ہے۔ آپ مجھ سے میری آخرت خرید رہے ہیں۔ اگر میں نے جھوٹی گواہی دی، تو میں پل صراط پار کرنے سے پہلے ہی گر جاؤں گی۔ اگر گرنا ہے تو کچھ ورتھ تو ہونا چاہیے نا، آپ یہ سائن کریں۔ میں ابھی جا کر جھوٹی گواہی دیتی ہوں۔"

اس نے پین اور چیک ان کے ہاتھ پہ رکھا۔

"اس ہال میں کوئی میرے اشارے کا منتظر ہے، میں یہ چیک سائن کروا کے ابھی اس کو بینک بھیجتی ہوں، جیسے ہی چیک کیش ہو گا، وہ مجھے سگنل کرے گا، تب میں گوہی دے دوں گی، ورنہ نہیں۔"

انہوں نے چیک کو ایک نظر دیکھا۔ اور پھر پین کو۔ دوسری طرف محمل کا نام پکارا گیا۔ وہ انہیں متنبہ نگاہوں سے دیکھتی اٹھی اور سر اٹھائے پورے اعتماد سے کٹھرے کی طرف بڑھی۔

آغا کریم کبھی چیک کو دیکھتے اور کبھی اس کو جو کٹھرے میں کھڑی تھی اور اس کے سامنے غلاف میں لپٹا قرآن لایا گیا تھا، وہ نگاہیں ان پہ جمائے پلک جھپکے بغیر قرآن پہ ہاتھ رکھ کر چند فقرے دہرا رہی تھی۔

انہوں نے آخری بار چیک کو دیکھا، اور طیش میں آ کر اسے مروڑ کر دو ٹکڑے کیے۔

محمل تلخی سے مسکرائی، سر جھٹکا اور وکیل کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔

فواد کی ضمانت منسوخ ہو گئی، اس کے خلاف ثبوت بہت سے تھے۔ وہ واپس جیل بھیج دیا گیا۔

واپسی کا سفر بہت خاموشی سے کٹا۔ وہ آغا جان کی لینڈ کروزر کی پچھلی سیٹ پہ بہت خاموشی سے سارا راستہ باہر دیکھتی آئی تھی۔ جب کار پورچ میں رکی تو وہ سب سے پہلے اتری۔

لان میں بہت سی عورتیں تیزی سے ان کی طرف بڑھی تھیں۔

کیا ہوا؟" وہ کسی کو دیکھے بغیر تیزی سے اندر چلی گئی۔"

"اس احسان فراموش لڑکی نے فواد کے خلاف گواہی دے دی۔"

"ذلیل نہ ہو تو۔"

"مگر فکر کی کوئی بات نہیں ہے، وہ جلد ہی باہر آجائے گا، کیس اتنا مضبوط نہیں ہے۔"

غفران چچا اور اسد چچا انہیں تسلی دینے لگے، تائی مہتاب کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔

ہائے میرا فواد۔" وہ سینے پہ دوہتڑ مار کر اونچا اونچا رونے لگیں، روتے روتے وہ لڑھکنے کو تھیں کہ فضہ اور" ناعمہ نے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔ پل بھر میں لان میں کہرام مچ گیا تھا۔ اپنے کمرے میں پردے کو ہاتھ میں پکڑ کر ذرا سی جھری سے دیکھتی وہ پرسکون کھڑی تھی۔ کالی چادر سر سے پھسل کر پیچھے گردن پہ پڑے بالوں پہ پھسل گئی تھی۔ بھورے بال چہرے کے اطراف میں گرے تھے۔ وہ کانچ سی سنہری آنکھیں سکیڑے پُرسوچ نگاہوں سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔

وہ ستون سے ٹیک لگائے ننگے پاؤں گھاس پہ رکھے بیٹھی تھی۔ جوتے ساتھ اترے پڑے تھے۔ سفید شلوار قمیص

اور سر پہ گلابی سکارف کس کر باندھے وہ گردن جھکائے چھوٹا قرآن لیے پڑھ رہی تھی۔ چھٹی ہو چکی تھی اور لڑکیاں ادھر ادھر گزرتی باہر جا رہی تھیں۔ اسے سورہ کہف پڑھنی تھی۔ آج جمعہ تھا۔

السلام علیکم۔" سارہ آہستہ سے آئی اور اس کے ساتھ پاؤں لٹکا کر سیڑھی پہ بیٹھی۔"

اس نے صفحے کا کنارہ پکڑے سر کے اثبات سے جواب دیا اور صفحہ پلٹا۔

ربیعہ اپنی گود میں رکھی اسائنمنٹ حل کرنے لگی۔ گیٹ کے قریب فرشتے کھڑی ایک لڑکی سے بات کر رہی تھی۔ وہ لڑکی منمناتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی، مگر فرشتے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اس کا ازلی پر اعتماد، مضبوط اور دو ٹوک مگر نرم انداز۔

"کیا کر رہی ہو سارہ؟"

فرشتے باجی کی اسائنمنٹ کر رہی ہوں، فرشتے باجی نے دی ہے۔" الجھ کر سر اٹھایا۔" یہ دین اور مذہب میں"

"کیا فرق ہوتا ہے؟

دین ریلیجن کو کہتے ہیں، جیسے اسلام اور مذہب کسی بھی دین کے سکول آف تھاٹ کو کہتے ہیں۔ مسلک کسی"

"مذہب کے اندر کسی طریقے کا نام ہوتا ہے، مثلاً فقہی مسالک جیسا کہ شافعی، حنفی وغیرہ، آئی سمجھ؟

"!ہوں۔ تمہارا فہم اچھا ہے محمل"

فرشتے نے سمجھایا تھا اس دن۔" اس نے ذرا سی گردن موڑی۔ فرشتے اسی طرح اس سے بات کر رہی تھی۔"

سارہ بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اسے دیکھنے لگی۔

فرشتے کی آئیز (آنکھیں) مجھے بہت پسند ہیں۔" محمل کے لبوں سے پھسلا۔"

ہاں، بہت مشابہت ہے، آئی نو۔" وہ بری طرح چونکی۔"

مشابہت؟" وہ ایک دم پرجوش ہو کر اس کی طرف مڑی۔" مشابہت ہے ناسارہ! مجھے ہمیشہ فرشتے کی"

"آنکھیں دیکھ کر لگا ہے کہ یہ کسی سے بہت ملتی ہیں۔ تمہیں پتا ہے کس سے ملتی ہیں؟

تو تمہیں نہیں پتہ؟" ربیعی حیران ہوئی۔"

"کیا ان کے کزن سے؟"

"کزن کون؟"

"چھوڑو تم یہ بتاؤ کس۔۔۔کس سے ملتی ہیں؟"

ربیعہ کچھ دیر حیرت سے اسے دیکھتی رہی، پھر ہنس پڑی۔

"تم سے ملتی ہیں محمل۔ بالکل تمہاری جیسی ہیں۔ کیا تم آئینہ نہیں دیکھتیں؟"

مجھ سے؟" محمل ساکت رہ گئی۔ اپنا چہرہ ہر وقت نگاہوں کے سامنے نہیں رہتا، شاید اس لیے وہ اتنے عرصے"

میں اندازہ نہ کر سکی۔

اس لڑکی کی کسی بات پہ فرشتے ذرا سی مسکرائی۔ اس کی آنکھیں مسکراتے ہوئے کناروں سے ذرا سی چھوٹی ہو

گئیں۔ بالکل اس کی اپنی طرح۔ ہو بہو۔ وہ پلک جھپکے بنا اسے دیکھے گئی۔

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، گھٹنوں پہ کتاب رکھے سوچ میں گم تھی۔ بھورے بال کھلے شانوں پہ گرے تھے۔

مسرت اندر داخل ہوئیں تو وہ اسی طرح خلا میں گھور رہی تھی۔ آہٹ پہ چونکی۔

"اماں۔۔۔بات سنیں۔"

ہاں بولو۔" مسرت الماری کھول کر کچھ تلاش کر رہی تھیں۔'

"آپ ماموں لوگوں سے پھر کبھی نہیں ملیں؟"

نہیں" ان کے ہاتھ لمحے بھر کو تھمے، پھر دوبارہ کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگے۔"

"ماموں کی ایک ہی بیٹی ہے نا؟"

"ہاں شاید۔"

"اس کا نام کیا ہے۔"

پتہ نہیں، وہ میری شادی کے بعد ہوئی تھی۔" وہ مطلوبہ کپڑا نکال کر کھلے دروازے سے باہر چلی گئیں۔"

اور یہ تو وہ جانتی ہی تھی کہ اماں شادی کے بعد ماموں سے کبھی نہیں ملیں۔ نہ ہی وہ خود کبھی ان سے ملی تھی۔ اس نے تو ان کو دیکھا تک نہ تھا، اماں اور ابا کی پسند کی شادی تھی۔ اور اماں کے خاندان والوں نے پھر کبھی رابطہ نہ رکھا تھا۔ آج فرشتے کی آنکھیں دیکھ کر اسے یونہی کچھ لگا تھا، کہ شاید۔۔۔مگر خیر۔۔۔

ہم نے فیصلہ کر دیا ہے۔" باہر تائی کے زور سے بولنے کی آواز پہ یکدم اس کا دل دھڑکا۔ وہ کتاب بند کیے" لحاف اتار کر تیزی سے ننگے پاؤں باہر آئی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ آغا جان اور مہتاب تائی بڑے صوفے پہ رعونت بھرے انداز میں بیٹھے تھے اور مسرت ان کے سامنے جیسے بے بس سی کھڑی تھیں۔ دروازہ

کھلنے کی آواز پہ مسرت نے اسے دیکھا۔ بے بسی، آنکھوں میں آنسو۔

اپنی بیٹی کو بھی بتا دینا۔" تائی نے ایک تفاخر بھری نگا اس پہ ڈالی" ہم اس کو بہو بنا رہے ہیں، ہمارا احسان ساری "زندگی بھی تم دونوں چاہو تو نہیں اتار سکتیں۔

وہ جہاں تھی، وہیں کھڑی رہ گئی۔ تو کیا فواد واقعی جیل سے باہر آجائے گا؟

مگر بھابھی۔۔۔" مسرت کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز آئی۔ " محمل۔۔ محمل کبھی نہیں مانے گی وسیم کے "لیے۔

وسیم؟" وہ جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہٹی۔ "

اور یہ چند روز پرانی ہی تو بات تھی جب فریدہ پھوپھو نے گھر آ کر خوب مزے لے کر وسیم کے چند "آنکھوں دیکھے قصے" سنائے تھے۔ فریدہ پھوپھو محمل کے ابا کی کزن تھیں اور ہر خبر سارے خاندان میں سب سے پہلے ان کے پاس پہنچتی تھی۔ گھر میں تو چلو ان کو تائی نے چپ کرا دیا، مگر ہفتے بعد ہی ایک شادی کی تقریب میں انہوں نے وہی قصے چھیڑ دیے، ابھی فواد کی گرفتاری کے چرچے پرانے نہیں ہوئے تھے کہ خاندان والوں کے ہاتھ ایک اور شوشہ لگ گیا۔

پوری تقریب گویا اکھاڑا بن گئی۔ تائی مہتاب ان عورتوں کو جتنا لعن طعن کر سکتی تھیں کیا، مگر وہ اکیلی تھیں اور مقابل پورا جتھا تھا۔ معنی خیز نگاہوں اور طنزیہ انداز۔

برا نہ ماننا مہتاب بھابھی! مگر وسیم کو میرے سمیع نے ہی نشے کی حالت میں رات بارہ بجے سڑک سے اٹھا کر تمہارے گھر پہنچایا تھا۔"

"ہاں تو سمیع خود اس وقت ادھر کیا کر رہا تھا؟"

تائی ہاتھ نچاتے ہوئے غصے بے قابو ہو کر بولی تھیں۔

وسیم کی بات بچپن سے آغا جان کے چچازاد آغا سکندر کی بیٹی کے ساتھ طے تھی۔ کچھ عرصے سے آغا سکندر کی فیملی کھنچی کھنچی سی رہنے لگی تھی اور جب یہ باتیں منظر عام پر آئیں تو انہوں نے فون پہ ہی دو ٹوک رشتہ ختم کر دیا۔

گزرے برسوں کی ایک نادانی تھی، وہ مہتاب بھابھی! بھلا کس طرح ہم اپنی بیٹی کو اس لڑکے سے بیاہ دیں جسے پورے خاندان میں کوئی رشتہ دینے کو تیار نہیں؟"

اور میں بھی آپ کو خاندان کی سب سے خوب صورت لڑکی وسیم کی دلہن بنا کر دکھاؤں گی۔" تائی نے بھی کھولتے ہوئے فون پٹخا تھا۔ محمل کو قابو کرنے، اس کی جائیداد حاصل کرنے اور وسیم کو بیاہ کر خاندان میں گردن اونچی کرنے کا بہترین حل تائی کو نظر آ ہی گیا تھا۔ انہوں نے ایک تیر سے تین شکار کر لیے تھے۔

وہ سر جھکائے تیز تیز سڑک کے کنارے چلتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ لمبے بھورے بال شانوں پہ پھیل کر کمر پہ گر رہے تھے، کہاں، کدھر، اسے کچھ پتا نہ تھا۔

زندگی اس کے ساتھ یوں بھی کر سکتی ہے، اس نے تو سوچا بھی نہ تھا، ایک تنگ پھندا تھا جو اسے اپنی گردن کے

گرد محسوس ہو رہا تھا۔

اداس درختوں کی گھنی باڑ آج بھی ویسے ہی کھڑی تھی۔ شام کے پرندے شاخوں پہ لوٹ آئے تھے۔ وہ راستہ جانا پہچانا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی، جب اس کی سماعتوں نے وہ آواز سنی۔

""محمل۔۔۔رکو۔ "

مگر وہ رکی نہیں، اس رکنا نہیں تھا، وہ رکنے والا راستہ تھا بھی نہیں۔

" محمل!" وہ تیز دوڑتا اس کے ساتھ آملا۔ "بات تو سنو۔ "

پھولی ہوئی سانسوں سے اس کے بائیں طرف اس کی رفتار سے بمشکل مل پاتا وہ ہمایوں تھا، ٹریک سوٹ میں ملبوس، وہ شاید جاگنگ سے آرہا تھا۔

" کیا ہوا ہے محمل؟ مجھے بھی نہیں بتاؤ گی؟"

اس کے قدم تھمے، بہت آہستہ سے اس نے گردن اٹھائی، بھیگی سنہری آنکھوں سے آنسو مسلسل گر رہے تھے۔

" میرا اور آپ کا کیا رشتہ ہے جو میں آپ کو بتاؤں؟ "

" کیا انسانیت کا رشتہ کچھ نہیں ہوتا؟"

کچھ نہیں ہوتا۔" وہ تیزی سے چلنے لگی تھی۔"

"مگر ہوا کیا ہے؟ "

" میری تائی نے میرا رشتہ اپنے آوارہ بیٹے کے ساتھ طے کر دیا ہے۔ "

"تو تم رو کیوں رہی ہو؟"

پھر کیا خوشی مناؤں؟" وہ پوری اس کی طرف گھومی۔ غصہ بہت شدت سے ابل رہا تھا۔ یہی شخص تھا اس کی ہر مشکل کا ذمہ دار۔

ٹھیک ہے، تم صاف انکار کر دو۔ کچھ اور کر لو۔ لیکن اگر یوں اپنے آپ پہ ظلم سہتے روتی رہو گی تو گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی۔" اس نے بھیگی آنکھوں سے ہمایوں کا چہرہ دیکھا، مغرور مگر فکرمند چہرہ۔

"میں مروں یا جیوں، آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟"

اس کے انداز پہ وہ چند لمحے لب بھینچے خاموش کھڑا رہا، پھر گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "ہاں، مجھے نہیں فرق پڑتا۔" اور واپس پلٹ گیا۔

ہونہہ!" محمل نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ " آپ وہ ہی ہیں نا، بیچ راہ میں چھوڑ دینے والے۔" وہ جیسے چونک کر پلٹا۔

اسی پل ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا تھا۔ اس کے بھیگے چہرے کے اطراف میں گرے بال پیچھے کو اڑنے لگے تھے۔

اور آپ کو پتا ہے ہمایوں! اسی لیے آپ سے میں نے کبھی امید ہی نہیں لگائی تھی، پھر کیا میں نہ روؤں۔" وہ کہہ کر واپس پلٹ گئی۔ ہوا بھی پلٹ گئی، شام کے پرندے بھی پلٹ گئے۔

وہ ساکت سا تارکول کی ویران سڑک پہ کھڑا رہ گیا۔ درختوں کی باڑ اب بھی اداسی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔

اس نے اسٹاف روم کے دروازے پہ ہلکی سی دستک دی۔ چند لمحے منتظر سی کھڑی رہی، پھر جواب نہ پا کر اندر جھانکا۔ اسٹاف روم خالی تھا۔ وہ کتابیں سینے سے لگائے متذبذب سی واپس پلٹ گئی۔ اسی پل سامنے سے ایک گروپ انچارج آتی دکھائی دی۔

"السلام علیکم،باجی میم فرشتے کدھر ہیں؟ "

" فرشتے باجی ہاسٹل میں لائبریری میں ہوں گی،ان کو کچھ کام تھا،اسی لیے وہ آج نہیں آسکیں۔"

اچھا۔" وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔"

لائبریری کا گلاس ڈور کھلا تھا۔اس نے قدرے جھجکتے ہوئے اندر قدم رکھا۔

کتابوں کے اونچے ریکس،اور دیوار گیر فرینچ ونڈوز،لائبریری کا مخصوص خاموش ماحول۔

فرشتے؟" اس نے ہولے سے پکارا۔خاموش لائبریری کا تقدس زخمی ہوا،تو گڑبڑا کر چپ ہو گئی۔"

ادھر۔" لائبریرین کسی کونے سے نکل کر آئی اور ایک طرف اشارہ کیا،وہ شرمندہ سی ادھر لپکی۔"

چند ریکس سے گزر کر اس نے دوسری طرف جھانکا۔

وہ کتاب اٹھائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی،ہلکے گلابی شلوار قمیص پہ گرے دوپٹہ شانوں کے گرد لپیٹے، فرشتے کی اس طرف پشت تھی،محمل کو اس کی کمر پہ گرتے سیدھے بھورے بال دکھائی دیے تھے۔

وہ ذرا سی حیران ہوئی تھی۔اس نے ہمیشہ حجاب مین ملبوس فرشتے کو دیکھا تھا۔سر ڈھکے بغیر تو وہ قطعاً مختلف

لگ رہی تھی۔

فرشتے؟" وہ جیسے چونک کر مڑی، اسے دیکھا تو مسکرا دی۔ "ارے، ماشاءاللہ، آج تو لوگ لائبریری آئے"

ہیں۔"

"مگر صرف آپ سے ملنے۔"

بیٹھو۔" وہ کھڑکی سے لگی کرسی پہ آ بیٹھی، جس کے سامنے میز تھی۔ میز کے اس طرف ایک خالی کرسی رکھی"

تھی۔ وہ محمل نے سنبھال لی تھی اور کتابیں میز پہ رکھ دیں۔

مجھے ہمایوں نے کچھ بتایا تھا۔" وہ کہنے لگی تو محمل خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔"

لمبے سیدھے بھورے بال جو اس نے کانوں کے پیچھے کر رکھے تھے۔ دمکتی رنگت والا چہرہ اور کانچ سی سنہری

انکھیں، اس کے نقش مختلف تھے، مگر آنکھیں اور بال یوں تھے جیسے وہ آئینہ دیکھ رہی ہو۔

"تو تمہارا رشتہ انہوں نے اپنے بیٹے سے طے کر دیا ہے؟"

محمل نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔

"تو تم انکار کر دو۔"

کس لیے انکار کر دوں؟ اس کے لیے جو بیچ راہ میں چھوڑ جاتا ہے؟" وہ کہنا چاہتی تھی، مگر کہہ نہ سکی۔ یہ تو ابھی"

اس نے اپنے دل سے بھی نہ کہا تھا، فرشتے سے کیسے کہتی؟

"میں کیوں انکار کروں؟ کیا میں صبر کر کے اجر نہ لوں؟"

محمل! مظلومیت اور صبر میں فرق ہوتا ہے اور وہ فرق احتجاج کرنے کا حق رکھنے کا ہوتا ہے، بجائے اپنی زندگی خراب کرنے کے، تم ایک بہتر راستہ چن لو، صاف صاف انکار کر دو۔"

"مجھے ان کے ری ایکشن سے ڈر لگتا ہے۔"

"اس پہ تم صبر کر لینا۔" وہ ہلکی سی مسکرائی۔ "رشتہ داروں کے ساتھ بہت صبر سے گزارا کرنا پڑتا ہے لڑکی!۔"

"آپ کرتی ہیں صبر؟"

"کیا مطلب؟"

آپ کے رشتہ دار ہیں فرشتے؟ آپ کے پیرنٹس؟ اور ہمایوں کے پیرنٹس۔" اس نے سوال ادھورا چھوڑ دیا۔" جانتی تھی فرشتے کو ادھورے سوال پڑھنے آتے ہیں۔

میری امی کی ایک ہی بہن تھیں، ہمایوں ان کا بیٹا ہے۔ ان کی ڈیتھ کے بعد امی نے ہمایوں کو گود لے لیا تھا۔ یہ بہت پرانی بات ہے، ڈیڑھ سال پہلے میری امی کی ڈیتھ ہو گئی۔ پھر میں نے اور ہمایوں نے فیصلہ کیا کہ گھر میں ہمایوں رہے اور ہاسٹل میں رہوں۔"

"اور آپ کے ابو؟"

"میں میٹرک میں تھی جب انکی ڈیتھ ہوئی۔"

آپ کے ابو کی کوئی بہن تو ہو گی؟" اس نے اندھیرے مٰیں تیر چلایا۔"

ہاں ایک بہن ہیں۔" فرشتے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔"

"کدھر رہتی ہیں؟"

"یہیں اسی شہر میں۔"

"وہ آپ سے ملتی ہیں؟"

"نہیں، کچھ پرابلمز کی وجہ سے وہ لوگ مجھ سے نہیں ملتے۔"

"اور آپ؟"

میں کوشش تو کرتی ہوں کہ ہر عید پہ ان کے گھر ہو آؤں، لیکن وہ میرے اوپر دروازے بند کر دیتے ہیں۔"

پھر؟" وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتی آگے کو ہوئی۔

"پھر میں کیک اور پھول دے کر واپس آجاتی ہوں۔ میری اتنی ہی استطاعت ہے، آگے کیا کر سکتی ہوں؟"
وہ سادگی سے مسکرائی۔

(کیک اور پھول؟ عیدوں پہ بہت سی جگہوں سے مٹھائی اور کیک، پھول وغیرہ آتے تھے، کیا وہ بھیجتی تھی؟)

"آپ کی پھوپھو کے کتنے بچے ہیں؟"

ایک ہی بیٹی ہے۔" اور اسے پتا تھا فرشتے جھوٹ نہیں بولتی، اس کا تجسس تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"کیا عمر ہو گئی اس کی؟"

"مجھ سے تو چند سال چھوٹی ہی ہے۔"

"نام کیا ہے؟"

یہ ضروری تو نہیں ہے محمل!" فرشتے جیسے ذرا سی مضطرب ہوئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے میں آپ کی فیملیز کو ملانے میں کچھ مدد کر سکوں؟"

"نہیں۔" فرشتے نے بغور اسے دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ "تم میری پھوپھو کو نہیں جانتیں۔"

"پھر بھی۔۔۔"

کیا ہم ٹاپک چینج نہیں کر سکتے ہیں؟" اس کی ازلی ٹھوس اور قطعی انداز پہ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔"

کھڑکیاں بہت خوب صورت ہیں۔" وہ کہہ کر پر سوچ انداز میں کھڑکی کے باہر اترتی صبح کو دیکھنے لگی۔"

رات کھانے کے بعد اس نے سب کے کمروں میں چلے جانے کا انتظار کیا، یہاں تک کہ ٹی وی کے آگے جم کر بیٹھی لڑکیاں بھی اٹھ اٹھ کر جانے لگیں اور لاؤنج خالی رہ گیا تو وہ دبے قدموں باہر نکلی۔ آج اسے آغا جان کو صاف انکار کرنا تھا۔

لاؤنج اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ آغا جان کے بیڈ روم کے دروازے سے روشنی کی لکیر آ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی دروازے تک آئی۔ قریب تھا کہ وہ دستک دے ڈالتی کہ اندر سے آتی آوازوں نے اس کا ہاتھ روک لیا۔

اس لڑکی سے کوئی بعید نہیں۔ آج پھر میرے آفس آ گئی تھی۔" آغا جان کی سوچ میں ڈوبی آواز آئی۔"

کون؟ فرشتے؟" تائی کا حیران کن لہجہ۔ "پھر وہی پرانی بات کرنے کہ محمل کی جائیداد میں اس کا بھی حصہ نکالیں؟"

محمل کو لگا پوری چھت اس پہ آن گری ہے۔

ہاں، آج وہ آفس آئی تھی اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ اگر ہم نے وسیم سے محمل کا رشتہ کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔"

تایا جان کچھ کہہ رہے تھے اور چند دن پہلے پڑھی گئی ایک حدیث اس کے کان میں گونجی، جس کا فہم کچھ اس طرح تھا کہ اگر کوئی تمہارے گھر میں جھانکے اور تم پتھر مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم کچھ گناہ نہیں۔ وہ کسی کی پرائیویسی میں جھانک رہی تھی۔

دروازے کی کنڈی لگا کر وہ پھولی سانس کو قابو کرتی بیڈ پر گر سی گئی اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

" محمل کی جائیداد میں فرشتے کا حصہ؟ "

گو کہ اسے شک تھا کہ فرشتے کا اس سے تعلق ضرور ہے اور شاید بلکہ یقیناً وہ اس کے ان قطع تعلق کیے ہوئے ننھیالی رشتہ داروں میں سے ہے، لیکن پھر بھی تائی کے منہ سے اس کا نام سن کر اسے بہت بڑا جھٹکا لگا تھا۔ اس سے بھی بڑا جھٹکا فرشتے کا مطالبہ جان کر، کیا فرشتے نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ محمل کے حصے میں سے اسے بھی کچھ دیا جائے؟ مگر کیوں؟ فرشتے ایسے کیوں کرے گی؟

اس کی نگاہوں میں ایک سراپا لہرایا۔

سیاہ عبایا میں ملبوس گرے سکارف میں ملائم چہرے کو مقید کیے سنہری آنکھیں جھکائے دونوں ہاتھوں میں چھوٹا قرآن پکڑے بال پوائنٹ سے صفحے پہ کچھ مارک کرتی فرشتے۔

وہ کون تھی؟ اس کا پورا نام کیا تھا؟ وہ ہمایوں سے زیادہ نہ ملتی تھی، لیکن محمل کے متعلق ہر خبر اس کے پاس ہوتی تھی۔ وہ کیوں اس کی خبر رکھتی تھی؟ اور وہ کیوں آغا جان سے ملتی تھی؟

بہت سی الجھنوں کے سرے وہ سُلجھا نہ پا رہی تھی، لیکن ایک بات طے تھی، فرشتے کا عظمت بھرا وہ تصور جو اس نے ذہن میں بنا رکھا تھا، گر کر پاش پاش ہو گیا تھا، پتا نہیں کیوں۔

وہ چینی کی پلیٹیں احتیاط سے کیبنٹ سے نکال کر کاؤنٹر پہ رکھ رہی تھی، جب آہٹ پہ چونک کر پلٹی۔

کچن کے کھلے دروازے میں فضہ چچی کھڑی اس کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

جی چچی؟" وہ قدرے الجھی۔ پھر ایک نظر خود پہ ڈالی۔ سادہ سی گلابی شلوار قمیص پر سیاہ دوپٹہ کندھوں کے گرد لپیٹے سلکی بالوں کو اونچی پونی ٹیل میں مقید کیے وہ ہر دن کی طرح ہی لگ رہی تھی، پھر چچی کو کیا ہوا تھا؟

کچھ چاہیے چچی؟" اس نے پھر پوچھا۔ ان کی نظریں اب اس کو پریشان کرنے لگی تھیں۔"

ہوں، نہیں۔" فضہ چچی نے سر جھٹکا، اور واپس چلی گئیں۔ جاتے سمے اسے ان کے چہرے پہ ہلکا سا تنفر نظر آیا" تھا۔

ان کو کیا ہوا ہے؟" وہ پلیٹیں کپڑے سے صاف کرتے ہوئے سوچنے لگی، پھر شانے اُچکا کر کام میں"

مصروف ہو گئی۔ ڈنر کا ٹائم ہونے والا تھا اور اسے میز لگانی تھی۔ سب آتے ہی ہوں گے۔

میں نے اور مسرت نے وسیم اور مخمل کا رشتہ طے کر دیا ہے، آپ سب کو یقیناً علم ہو گا۔" وہ رائتہ کا ڈونگہ میز پہ رکھ رہی تھی جب آغا جان نے سب کو مخاطب کیا۔

ڈائننگ ہال میں سناٹا سا چھا گیا۔ گو کہ سب کو معلوم ہی تھا، پھر بھی سب چپ تھے۔ وہ سر جھکائے اپنی آخری کرسی پہ آ بیٹھی اور پلیٹ اپنی جانب کھسکائی۔

یہ فیصلہ آپ نے بالا ہی بالا کر لیا یا مسرت چچی سے پوچھنے کی زحمت بھی کی؟" حسن کے طنزیہ لہجے نے سب کو چونکا دیا تھا۔ وہ بھی بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی جو اکھڑے تیوروں کے ساتھ آغا جان کو دیکھ رہا تھا۔

کیا مطلب؟ مسرت کی مرضی سے ہوا ہے رشتہ۔" آغا جان برہم بھی ہوئے، اور حیران بھی۔"

کیوں چچی؟" اس نے خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی مسرت کو مخاطب کیا۔ "آپ کو اس وسیم کا رشتہ منظور ہے" "جسے خاندان میں کوئی بھی بیٹی دینے کو تیار نہیں؟

مسرت کا جھکا سر مزید جھک گیا، فضہ نے ناگواری سے پہلو بدلا۔

"بتائیے چچی! اگر آپ خاموش رہیں تو اس کا مطلب ہے، آپ کے ساتھ آغا جان نے زبردستی کی ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ حسن؟"

آغا جان! مجھے مسرت چچی سے بات کرنے دیں۔" حسن کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔ سب دم بخود اس کو دیکھ رہے تھے۔

"بتائیے چچی! آپ کو یہ رشتہ منظور ہے؟"

نہیں!" محمل نے قطعی انداز میں کہا۔ اسے معلوم تھا اس کی ماں کچھ نہیں بول سکے گی۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ خود حسن بھی قدرے ٹھٹکا۔

تم بیچ میں مت بولو۔" آغا جان برہم ہوئے۔"

ابھی نہیں بولی تو نکاح کے وقت انکار کر دوں گی۔ یہ حق مجھے میرے دین نے دیا ہے، آپ نے میرے ساتھ"

"زبردستی کی تو میں کورٹ تک چلی جاؤں گی۔

مگر تمہارا مسئلہ کیا ہے وسیم سے؟" غفران چچا جھنجلائے۔ ایسی ہی جھنجلاہٹ فضہ کے چہرے پہ بھی تھی۔"

"اگر وسیم اتنا ہی اچھا ہے غفران چچا، آپ ندا یا سامیہ باجی کا رشتہ اس کے ساتھ کیوں نہیں کر دیتے؟

بہت دنوں بعد پورے گھر نے پرانی محمل دیکھی تھی۔

"شٹ اپ!"

میں انکار کر چکی ہوں، اگر آپ لوگوں کو مزید اپنی بے عزتی کروانے کا شوق ہے تو میں نکاح کے موقع پہ"

"اس سے بھی زوردار انکار کروں گی۔

"ارے شکر کرو کہ ہم تمہیں بہو بنا رہے ہیں۔"

بہت دیر سے خاموش بیٹھی تائی مہتاب ضبط نہ کر پائیں۔ "جو لڑکی ایک رات گھر سے باہر رہ چکی ہو، اسے کوئی

"نہیں قبول کرتا، ہم بہو نہ بنائیں تو کون قبول کرے گا تمہیں۔

میں!" حسن جیسے بھڑک کر بولا تھا۔" مین قبول کروں گا محمل کو۔ وہ وسیم سے شادی نہیں کرنا چاہتی، میں اپنا "نام مسرت چچی کے سامنے رکھ رہا ہوں اور چچی! میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔

"ہر گز نہیں۔" فضہ پھٹ پڑیں۔ "میں اس لڑکی کو کبھی قبول نہیں کروں گی جو کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔"

ممی!" وہ زور سے چیخا تھا۔"

اس سے مزید سنا نہیں گیا، وہ کرسی دھکیل کر بھاگتی ہوئی ڈائننگ ہال سے نکل گئی۔

بریگیڈیئر فرقان کا بنگلہ، جس کے ٹیرس پہ بوگن ویلیا کی بیلوں کا راج تھا، آج بھی اسے ویسا ہی اداس اور ویران لگا تھا، بلکہ وہ شاید ہمیشہ ہی ایسا ہوتا تھا۔ مکین کے خود قرآن پڑھنے اور مکان کو محض سنوانے میں بہر حال فرق تو ہوتا ہے۔

آج پھر وہ چند پمفلٹس ہاتھ میں پکڑے ان کے گیٹ پہ کھڑی تھی۔

بیل پہ ملازم نے بھاگ کر چھوٹا دروازہ کھولا۔

جی بی بی؟" اس نے سر باہر نکالا۔"

"مجھے بریگیڈیئر فرقان سے ملنا ہے، وہ اندر ہیں؟"

"جی وہ کام کر رہے ہیں۔"

ان سے کہو محمل آئی ہے!" قدرے تحکم سے کہہ کر وہ سینے پہ بازو باندھے وہیں کھڑی ہو گئی۔ فوراً ملازم اندر گیا

دوڑا۔ چند لمحے ہی بعد اس کی واپسی ہو گئی۔

صاحب کہہ رہے ہیں آپ اپنے کاغذ لے لیں۔" اس نے پرانے پمفلٹس اس کی طرف بڑھائے۔"

"انہوں نے پڑھ لیے ہیں؟"

"نہیں جی، وہ مصروف تھے۔"

اپنے صاحب کو کہو یہ ان پہ میری امانت تھی، جب انہوں نے لیے تھے تو میری سونپی گئی ذمہ داری بھی انہیں نبھانی تھی، ورنہ لینے سے انکار کر دیتے۔ انہوں نے خیانت کر کے یہ لوٹائے ہیں اور اگر میں نے معاف نہیں کیا تو ان کو معافی نہیں ملے گی۔" ملازم ہونقوں کی طرح اسے دیکھنے لگا، پھر اندر لپکا۔

صاحب آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔" وہ پیغام دے کر جلد ہی واپس آیا تھا۔"

شکریہ۔" وہ پورے اعتماد سے اندر چلی آئی۔"

اسٹڈی کا دروازہ کھلا تھا۔ محمل نے چوکھٹ میں کھڑے کھڑے دروازہ انگلی کی پشت سے بجایا۔

اسٹڈی ٹیبل کے پیچھے ریوالونگ چیئر پہ بیٹھے بریگیڈیئر فرقان نے کتاب پہ جُھکا سر اٹھایا اور عینک کے پیچھے سے اسے دیکھا جو دروازے کے بیچ کھڑی تھی۔

یونیفارم کی سفید شلوار قمیص اور چہرے کے گرد نفاست سے لپٹا ترو تازہ گلابی اسکارف جو پیچھے سے اونچی پونی کی باعث ذرا سا اٹھ گیا تھا۔ ہاتھ مین چند پمفلٹس پکڑے وہ دراز قد سنہری آنکھوں والی لڑکی منتظر سی کھڑی تھی۔

کم ان۔" بریگیڈیئر فرقان نے چشمہ اتار کر میز پہ رکھا، کتاب بند کی، اور کرسی پہ قدرے پیچھے کو ٹیک لگائی۔"

"میں کچھ پمفلٹس دے کر گئی تھی۔ "

اور میں نے واپس کر دیے تھے، اور کچھ؟" ان کے بارعب چہرے پہ قدرے ناگواری تھی۔

جی، یہ کچھ اور ہیں۔" وہ آگے بڑھی اور چند پمفلٹس ان کی میز پہ رکھے۔ "یہ آپ پڑھ کر مجھے واپس کر دیجئے گا۔"

مگر مجھے یہ نہیں چاہئیں۔" وہ بے زار سے بولے۔"

میں نے آپ کو چوائس تو نہیں دی سر! آپ کو یہ لینے پڑیں گے، میں کچھ عرصے بعد آ کر واپس لے لوں گی۔" پڑھ کر سنبھال لیجئے گا، ان پہ اللہ کا نام لکھا ہے، امید ہے آپ پھینکیں گے نہیں۔" وہ کھڑی کھڑی کہہ کر تیزی سے واپس پلٹ گئی۔

بریگیڈیئر فرقان نے تلملا کر ایک نظر ان پمفلٹس کو دیکھا، پھر دراز میں ڈال کر اپنی عینک اٹھائی اور کچھ بڑبڑاتے ہوئے کتاب کھول لی۔

وہ اپنی دھن میں راہداری میں چلتی جا رہی تھی کہ اچانک دوسری طرف سے آتی فرشتے پہ نگاہ پڑی، اس کے لب بھینچ گئے، بے اختیار ہی وہ پیچھے ہوئی تھی۔

فرشتے نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے ساتھ چلتی ٹیچر سے فکر مندی سے کچھ کہتی چلی آ رہی تھی۔ محمل الٹے قدموں واپس ہوئی اور برآمدے میں رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی توقع کے عین مطابق فرشتے نے اس کی

موجودگی نوٹ نہیں کی۔ ساتھی اور ٹیچر کے ہمراہ نیچے پریئر ہال کی سیڑھیاں اترتی گئی تھی۔

پریئر ہال میں ملک کے نامور مذہبی اسکالر ڈاکٹر سرور مرزا کے لیکچر کا انعقاد تھا۔ وہ بھی سست روی سے چلتی ہوئی ایک درمیانی صف کی نشست پہ آ بیٹھی۔ ابھی لیکچر شروع نہیں ہوا تھا۔ محمل نے ہاتھ میں پکڑا پاکٹ سائز قرآن کھولا اور یوں ہی پڑھنے کے لیے صفحے پلٹنے لگی۔

فرشتے نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سوال مسلسل اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

اس نے آغا جان سے محمل کی جائیداد میں سے حصہ کیوں مانگا؟ فرشتے جیسی لڑکی اتنی مادہ پرست ہو سکتی ہے۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اس نے مطلوبہ صفحہ پلٹا اور وہ آیات نکالیں جو آج پڑھائی جانے والی تھیں مگر ڈاکٹر سرور کے لیکچر کے باعث آج تفسیر کی کلاس نہیں ہونا تھی۔

"اور ان چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔"

اوہ!" گہری سانس لے کر محمل نے قرآن بند کیا۔"

میرا کچھ بھی پرائیویٹ نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے گردن اوپر کو اٹھائی، اور پھر اوپر دیکھتے ہوئے مسکرا کر سر جھٹکا۔ جب بھی ایسا کچھ ہوتا، اسے قرآن پہ بے حد پیار آتا تھا۔ اسے لگتا تھا، دنیا میں اس سے تیز کوئی کمیونیکیشن موڈ ایجاد نہیں ہوا تھا۔

"مگر ایسا کیا ہے جو مجھے اس سوال کا جواب برا لگے گا؟"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پھر سے سوچنے لگی تھی۔ڈاکٹر سرور لیکچر شروع کر چکے تھے۔پورا ہال کھچا کھچ بھرا تھا۔ دور دور تک پنک سکارف میں ڈھکے سر دکھائی دے رہے تھے۔اسٹیج کے قریب چیئرز پہ اسٹاف موجود تھا۔ فرشتے بھی وہیں ایک کرسی پہ بیٹھی،ڈائری پہ تیز تیز لیکچر نوٹ کر رہی تھی۔اسے نوٹس لیتے دیکھ کر وہ خود بھی چونک کر ڈاکٹر سرور کی طرف متوجہ ہوئی جو روسٹرم پہ کھڑے تھے۔سر پہ جناح کیپ،سفید داڑھی،شلوار قمیص اور واسکٹ میں ملبوس وہ خاصے منجھے ہوئے اسکالر تھے وہ اکثر ان کو ٹی وی پہ دیکھتی رہتی تھی۔اپنی سوچوں کو جھٹک کر وہ بغور لیکچر سننے لگی۔

بعض لوگ قرآن پڑھ کر بھٹکتے ہیں۔واقعی،ایسا ہوتا ہے۔" وہ اپنی مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔"اس لیے بہتر ہے کہ قرآن کسی اچھے غیر متعصب عالم سے زندگی میں ایک دفعہ ضرور پڑھ لینا چاہیے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کا"دامن" پکڑنا ضروری ہے۔بلکہ کسی حد تک قرآن کی سمجھ بوجھ پیدا کی جا سکتی ہے۔

قرآن کو پڑھ کر ہم ہر آیت کے اپنے حالات کے مطابق کئی مطالب نکال لیں،وہ مطلب نکالنا غلط نہیں ہے، مگر ظاہر کو باطن سے تشبیہ دینا قطعاً غلط ہے۔مثلاً بنی اسرائیل کا گائے ذبح کرنے کا جو حکم اللہ سبحانہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کے ذریعے دیا تھا،وہ ہم سب جانتے ہیں۔اس واقعہ سے ہم یہ سبق تو نکال سکتے ہیں کہ کثرت سوال سے حکم مشتبہ ہو جاتے ہیں۔مگر اس سے یہ مطلب ہر گز نہیں نکلتا کہ وہاں گائے سے مراد ایک صحابیہ ہیں، نعوذباللہ بعض لوگوں نے واقعتاً یہاں "گائے" سے مراد ایک صحابیہ کو لیا ہے۔ایک اور مثال سورہ حجر کی

آخری آیات میں ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمہارے پاس یقین آجائے۔

اب یہاں "یقین" سے مراد "موت" ہے یعنی موت آنے تک عبادت کرتے رہو۔ مگر بعض لوگ یہاں لے کر، اپنی عبادت کو کافی سمجھ کر بس کر دیتے ہیں کہ جی، ہمیں اپنی عبادت پہ belief "یقین" سے مراد یقین آگیا ہے تو سب عبادتیں بس، ختم!"

سورہ حجر کہاں تھی بھلا؟" اس نے آہستہ سے اپنا چھوٹا قرآن کھولا اور صفحے پلٹنے لگی۔ سورہ حجر ملی تو اس نے" اس کی آخری آیات کھولیں۔ آیت وہی تھی جو وہ کہہ رہے تھے۔ مگر آخر تین عربی الفاظ عربی میں "حتیٰ یاتی الیقین" تھے۔ (حتیٰ کہ یقین آجائے)

یقین؟" اس نے "الیقین" پہ انگلی پھیری، پھر الجھ کر ڈاکٹر سرور کو دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔" یہاں پہ یقین سے مراد یقین نہیں بلکہ موت ہے۔ سو اس طرح کے الفاظ کا من چاہا مطلب نکالنا انسان کو بھٹکا سکتا ہے۔ اینی کوئسچن؟" انہوں نے رک کر ایک گہری نظر ہال پہ ڈالی۔

محمل نے ہاتھ فضا میں بلند کیا۔

یس؟" انہوں نے سر کے اشارے سے اجازت دی، وہ ہاتھ میں قرآن پکڑے اپنی نشست سے اٹھی۔"

سر! مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ میرے پاس بغیر ترجمے والا مصحف ہے۔ اس میں مذکورہ آیت میں واقعتاً """یقین" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سو اس کا مطلب "موت" کیسے ہوا؟ دونوں الفاظ میں خاصا فرق ہے۔

اس کا مطلب موت ایسے ہے کہ۔" وہ ذرا دیر کو رکے، اور بغور اسے دیکھا" میں نے اس کا مطلب موت نکالا

ہے۔"

"جی سر، میرا یہی سوال ہے کہ کیسے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟"

دلیل یہ ہے کہ میں نے، یعنی ڈاکٹر سرور مرزا نے اس کا مطلب موت لیا ہے۔ میں اس ملک کا سب سے بڑا اسلامک اسکالر ہوں۔ آپ میرے کریڈ نشلز اٹھا کر دیکھیں، میری ڈگریز دیکھیں۔ کیا میری بات بطور ایک ٹھوس دلیل کے کافی نہیں؟"

اگلی صفوں میں بیٹھی لڑکیاں گردنیں موڑ کر اسے دیکھنے لگی تھیں جو ہاتھ میں چھوٹا قرآن پکڑے کھڑی تھی۔

سر! آپ کی بات یقیناً اہم ہے، مگر قرآن کا بعض اس کے بعض کی تفسیر کرتا ہے، حدیث بھی یہ کرتی ہے۔ کیا قرآن یا حدیث میں کہیں یہ ذکر ہے کہ یہاں "یقین" سے مراد موت ہے؟" وہ بہت شائستگی و لحاظ سے موء دب سی پوچھ رہی تھی۔ ڈاکٹر سرور کے چہرے پہ واضح ناگواری ابھری۔

یعنی کہ اگر میں آپ کو اس مطلب کی دلیل نہ دوں تو اسے محض میری بات سمجھ کر آپ جھٹلا دیں گی؟ یعنی آپ کو میری بات کے اوپر مزید کوئی دلیل چاہیے؟"

جی!" اس نے ہولے سے سر ہلا دیا۔"

پورے ہال میں ایک اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ لڑکیاں قدرے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"یعنی آپ ایک دینی اسکالر کو چیلنج کر رہی ہیں؟"

"سر! میں بہت ادب سے صرف دلیل مانگ رہی ہوں۔"

"اگر اس کی دلیل قرآن و حدیث میں نہ ہو، تو کیا آپ "یقین" کا مطلب "موت" تسلیم کریں گی؟

"نہیں، سر کبھی بھی نہیں۔"

ہوں۔" ڈاکٹر سرور نے گہری سانس لے کر ہال پہ ایک نظر دوڑائی" کیا کوئی اور بھی ہے جو اپنی عمر سے زیادہ"

"طویل تجربے کے حامل ایک اسکالر کو چیلنج کرے؟ کسی اور کو بھی دلیل چاہیے؟

بہت سے سر نفی مُیں ہل گئے۔ وہ اکیلی کھڑی تھی۔

یعنی تین سو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو دلیل چاہیے؟ یہی پڑھا رہے ہیں آپ لوگ اس مسجد میں؟ کون ہیں"

"آپ کی کلاس انچارج؟

میڈم مصباح کھڑی ہوئیں۔

" کیا آپ اس ناکام کلاس رپورٹ کی ذمہ داری لیتی ہیں؟ ون آؤٹ آف تھری ہنڈرڈ کی؟

جی سر!" میڈم مصباح کا سر قدرے جھک گیا۔ ڈاکٹر سرور نے محمل کو دیکھا۔"

"کیا آپ کو ابھی بھی دلیل چاہیے؟"

"جی سر!"

وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے، پھر ہلکے سے مسکرائے۔

المدثر آیت 47-43 میں یقین کا لفظ موت کے لیے استعمال ہوا ہے، وہاں سے ہم دلیل لیتے ہیں کہ یہاں بھی"

یقین سے مراد موت ہی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مرعوب ہوئے بغیر ادب کے دائرے میں رہ کر مجھ

سے دلیل مانگی، اور مجھے افسوس ہے کہ صرف ایک بچی نے یہ جرات کی۔ باقی سب خاموش رہیں۔ دو سو ننانوے لڑکیوں میں یقیناً ابھی یہ کمی موجود ہے جو کہ ایک قرآن کلاس کی ناکام کارکردگی کا ثبوت ہے۔ کیا کوئی شخص ڈگریوں کا پلندہ لے کر آپ کے سامنے آئے، خود کو سب سے بڑا مذہبی اسکالر بتائے۔ تو آپ اس کی بات کو بطور دلیل مان لیں گے، کیا آپ کو پہلے دن ہی نہیں بتایا گیا تھا کہ دلیل صرف قرآن یا حدیث ہوتی ہے؟ کسی عالم کی بات دلیل نہیں ہوتی، پھر؟"

بہت سے گلابی اسکارف میں لپٹے سر جھک گئے۔

محمل سرخرو سی اپنی نشست پہ بیٹھی۔

ڈاکٹر سرور اور بھی بہت کچھ کہہ رہے تھے، مگر وہ سورہ المدثر کھول کر اس آیت کو کاؤنٹر چیک کر رہی تھی۔

(سورہ المدثر کی 47۔43 تک کا ترجمہ ڈاکٹر سرور کی تصدیق کر رہا تھا)

"محمل!"

لیکچر کے بعد وہ کاریڈور میں سے گزر رہی تھی جب فرشتے نے اسے پیچھے سے پکارا۔ اس کے قدم وہیں تھم گئے۔ مگر وہ مڑی نہیں۔ فرشتے تیز تیز چلتی اس کے قریب آئی۔

آئی ایم پراؤڈ آف یو، محمل!" وہ یقیناً بہت خوش تھی۔ گرے اسکارف میں مقید اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔"

محمل اجنبی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

ڈاکٹر سرور تم سے بہت خوش ہیں، انہوں نے ایک سیمینار کے لیے تمہارا نام دے دیا ہے، اور تم میرے"

"ساتھ ادھر جا کرا ایڈ جسٹ کرو گی۔

"آپ کے ساتھ؟" وہ بولی تو اس کی آواز میں خزاؤں کی سی خشکی تھی" پھر مجھے نہیں جانا۔"

کیا مطلب؟" فرشتے کی مسکراہٹ پہلے مدھم ہوئی،اور پھر آنکھوں میں حیرت ابھری۔"

"!مجھے جھوٹے لوگ سخت ناپسند ہیں"

"محمل!" وہ ششدر رہ گئی" میں نے کون سا جھوٹ بولا ہے؟"

"یہ سوال آپ خود سے کیوں نہیں کرتیں؟ "

"تم سے کسی نے کچھ کہا ہے؟"

میں بچی نہیں ہوں فرشتے۔" وہ گویا پھٹ پڑی تھی۔اندر ابلتے لاوے کو باہر کا راستہ نظر آ گیا تھا۔"

آپ کیوں گئیں میرے آغا جان کے پاس؟ کیا لگتے ہیں وہ آپ کے؟ میں ایک یتیم لڑکی ہوں، کیا آپ کو" یتیم کے مال میں سے حصہ چاہیے؟ کیوں کی آپ نے ایسی حرکت؟ آپ کو جانے کس اونچی مسند پہ بٹھا رکھا تھا میں نے،،بہت بری طرح خود کو گرایا ہے آپ نے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کہ اپ ایسے کریں گی، کیا رشتہ ہے آپ کا مجھ سے، آپ جھوٹ نہیں بولتیں، مگر سچ چھپانا بھی تو جھوٹ ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا، آپ کی پھپھو کی بیٹی کا کیا نام ہے، آپ نے نہیں بتایا۔

"کیوں؟ آخر کیوں؟

فرشتے کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ جذبات سے عاری، بالکل ساکت، جامد، وہ بنا پلک جھپکے محمل کو دیکھ رہی تھی۔ کتنی

ہی دیر وہ کچھ کہہ نہ سکی، پھر آہستہ سے لب کھولے۔

"کیونکہ میری پھپھو کی بیٹی کا نام فائقہ ہے۔"

جی؟" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔"

میں نے کہا تھا نا کہ تم نہیں جانتیں۔ میری پھپھو کی بیٹی کا نام فائقہ ہے۔ میں فرشتے ابراہیم ہوں، آغا ابراہیم کی بیٹی، جاؤ اپنے گھر میں کسی سے پوچھو، مگر وہ کیوں بتائیں گے؟ وہ میری حیثیت تسلیم نہیں کرتے تو کیسے بتائیں گے۔"

وہ تھکے تھکے انداز میں کہہ کر اس کے ایک طرف سے نکل کر چلی گئی۔ محمل مڑ کر اس کو جاتا بھی نہ دیکھ سکی۔ اسے تو جیسے کسی نے ادھر ہی برف کا بنا دیا تھا۔ وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کاریڈور میں بت بنی کھڑی تھی۔

"فرشتے ابراہیم۔"

"آغا ابراہیم کی بیٹی۔"

اسے پوری مسجد میں ان چند الفاظ کی گونج پلٹ پلٹ کر سنائی دے رہی تھی۔

اسے نہیں معلوم وہ کن قدموں پہ چل کر مسجد کے گیٹ تک آئی تھی۔ بس وہ پتھر کا بت بنی خود کو گھسیٹتی ہر شے سے غافل چلتی جا رہی تھی۔ اس کا بیگ اور کتابیں کلاس میں رہ گئے تھے، اس نے انہیں ساتھ نہیں لیا تھا۔ اسے

لگ رہا تھا کہ اس کا بہت کچھ مسجد میں کھو گیا ہے، وہ کیا کیا سمیٹتی؟

برابر والے بنگلے کی دیوار کے ساتھ نصب بینچ پہ وہ گر سی گئی۔

"آغا ابراہیم کی بیٹی۔ فرشتے ابراہیم۔"

اس کا دماغ انہی دو جملوں پہ منجمد ہو گیا تھا۔ آگے بڑھتا تھا، نہ پیچھے۔

دور کہیں یاد کے پردے پہ آغا جان کی آواز لہرائی۔

"اس لڑکی سے کچھ بعید نہیں۔ آج پھر میرے آفس آ گئی تھی۔"

پھر آ گئی تھی اس کا ذہن جیسے چونک کر بیدار ہونے لگا تھا۔ پھر کا مطلب تھا، وہ پہلے بھی ادھر جاتی رہتی تھی۔ وہ سب اس کو جانتے تھے، شاید اس سے خائف بھی تھے۔ تو کیا وہ واقعی آغا ابراہیم کی بیٹی تھی؟

نہیں!" اس نے تنفر سے جھٹکا" آغا ابراہیم کی صرف ایک بیٹی ہے، اور وہ ہے محمل ابراہیم۔ میری کوئی بہن نہیں ہے۔ میں نہیں مانتی۔"

وہ زور زور سے نفی میں سر ہلا رہی تھی اسے لگ رہا تھا آج اس کے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ غصہ تھا کہ اندر ہی اندر ابلا جا رہا تھا۔

کیا واقعی وہ ابا کی بیٹی ہے؟ مگر اس کی ماں کون ہے؟ میری اماں۔۔۔؟ نہیں۔ مگر مجھے کون بتائے گا؟ آغا جان اور تائی تو کبھی نہیں۔۔۔۔ اماں کو تو شاید پتا بھی نہ ہو! پھر کس سے پوچھوں؟

وہ چکرا کر رہ گئی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ مگر اگلے ہی لمحے جیسے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

ہمایوں!" اور پھر اس نے کچھ نہیں سوچا اور گیٹ کی طرف لپکی۔"

"صاحب اندر ہیں؟ مجھے اندر جانا ہے۔"

جی، آپ چلی جاؤ۔" چوکیدار فوراً سامنے سے ہٹا۔ وہ اندر کی طرف دوڑی۔ شاہانہ طرز کا لاؤنج خالی تھا۔ وہ ادھر" ادھر دیکھتی آگے بڑھی، پھر کچن کے کھلے دروازے کو دیکھ کر رکی۔ کچھ سوچ کر وہ کچن میں آئی۔ ماربل فلور کا چمکتا صاف ستھرا کچن خالی پڑا تھا۔ چمچوں کا اسٹینڈ سامنے ہی تھا۔ اس نے لپک کر ایک بڑی چھری نکالی، اور آستین میں چھپا کر باہر آئی۔

ہمایوں؟" لاؤنج میں کھڑے گردن اوپر کر کے اس نے پکارا۔ آواز گونج کر لوٹ آئی۔ اس کا کمرہ اوپر تھا، یہ" تو اسے یاد تھا۔ وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ سیاہ ماربل کی چمکتی سیڑھیاں گولائی میں اوپر جا رہی تھیں۔ وہ بالائی منزل پہ رکی، ادھر ادھر جھانکا، پھر تیسری منزل کی سیڑھیوں کی طرف جانے لگی۔ دفعتاً سامنے والے کمرے سے اس کی آواز آئی۔

بلقیس؟" وہ اندر سے غالباً ملازمہ کو آواز دے رہا تھا۔"

وہ دوڑ کر اس کمرے کے دروازے تک آئی۔

دروازہ کھولیں!" اس نے دروازہ زور سے بجایا، اور پھر دھڑا دھڑ ابجاتی گئی۔"

کون؟" ہمایوں نے حیران سا ہو کر دروازہ کھولا۔ اسے دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا۔"

"تم؟ خیریت؟"

"!مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے، ٹھیک ٹھیک بتائیے گا۔" ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا

وہ اتنے جارحانہ انداز میں غرائی تھی کہ وہ پریشان ہی ہو گیا۔

"کیا ہوا ہے محمل؟"

"میری بات کا جواب دیں۔"

اچھا اندر آجاؤ" وہ اسے راستہ دیتے ہوئے پیچھے ہوا۔ بلیک ٹراؤزر پہ گرے آدھے بازوؤں والی شرٹ پہنے، ہاتھ" میں تولیہ پکڑے وہ غالباً ابھی نہا کر نکلا تھا۔ ماتھے پہ بکھرے گیلے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

وہ دو قدم اندر آئی، یوں کہ اب دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔

"آپ فرشتے کے کزن ہیں؟"

"ہاں، کیوں؟"

"فرشتے کس کی بیٹی ہے؟ اس کا باپ کون ہے؟"

"باپ؟" وہ ذرا سا چونکا "اس نے تم سے کچھ کہا ہے۔"

میں نے پوچھا ہے۔ فرشتے کس کی بیٹی ہے؟" وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔"

ادھر بیٹھو، آرام سے بات کرتے ہیں۔" وہ اس کو راستہ دیتا اس کے بائیں طرف سے قریب آیا۔"

"میں بیٹھنے نہیں آئی، مجھے جواب چاہیے۔"

ادھر بیٹھو تو سہی، ٹھنڈے دماغ سے میری بات سنو۔" وہ بچوں کی طرح اسے بہلاتے ہوئے آگے بڑھا، اور نرمی سے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔

"ہاتھ مت لگائیں مجھے۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"محمل! ادھر آؤ۔ وہ دو قدم آگے اس کے قریب آیا ہی تھا کہ محمل نے اچانک آستین میں چھپی چھری نکال لی۔

"مجھے آپ پہ بھروسا نہیں ہے۔ دور رہیں۔" وہ چھری کی نوک اس کی طرف کیے دو قدم مزید پیچھے ہٹی تھی۔

"چھری کیوں لائی ہو؟ مجھے مارنے؟" اس کے ماتھے پہ بل پڑے اور، آنکھوں میں غصے کی لہر ابھری۔ وہ تیزی سے بڑھا اور محمل کا چھری والا ہاتھ کلائی سے پکڑ کر مروڑا۔

"چھوڑیں مجھے، ورنہ میں آپ کو مار دوں گی۔" وہ اس کی مضبوط گرفت کے باوجود کلائی چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کے کندھے کو پیچھے دھکیلنا چاہا۔ ہمایوں اس کے چھری والے ہاتھ کا رخ دوسری طرف موڑ رہا تھا، اور پھر اسے پتا بھی نہیں چلا اور چھری کی تیز دھار گوشت میں گھستی چلی گئی۔

محمل کو لگا، وہ مرنے والی ہے، اس نے خون ابلتے ہوئے دیکھا اور پھر اپنی چیخ سنی۔ مگر نہیں اسے چھری نہیں لگی تھی۔ پھر؟

وہ کراہ کر پیچھے ہٹا تو محمل کی کلائی آزاد ہو گئی۔ ہمایوں کے دائیں پہلو میں سے خون ابل رہا تھا۔ وہ چھری پہ ہاتھ

رکھے لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

اوہ میرے اللہ! یہ میں نے کیا کر دیا۔" خوف سے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔"

چھری پہ رکھا ہمایوں کا ہاتھ خون سے سرخ پڑنے لگا تھا۔ وہ درد کی شدت سے آنکھیں بند کیے دیوار کے ساتھ بیٹھتا چلا گیا۔

وہ دہشت زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا پورا جسم کانپنے لگا تھا۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس نے کہا ہے خدایا، یہ اس نے کیا کر دیا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھتی قدم قدم ہٹنے لگی، اور پھر ایک دم مڑی اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی گئی۔ پوری قوت سے لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ باہر بھاگی تھی۔

چوکیدار گیٹ پہ نہیں تھا، کہاں تھا، اسے پرواہ نہ تھی۔ وہ تیز دوڑتی ہوئی مسجد میں داخل ہوئی تھی۔

فرشتے۔ فرشتے کدھر ہیں؟" پھولی سانسوں کے درمیان پوچھتی وہ ذرا دیر کو ریسپشن پہ رکی تھی۔"

"فرشتے باجی لائبریری میں ہوں گی یا"

اس نے پوری بات نہیں سنی اور راہداری میں دوڑتی گئی۔

لائبریری کے اسی کونے میں کرسی ڈالے وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ وہ بدحواس سی بھاگتی ہوئی اس کے سامنے جا رکی۔

آہٹ پہ فرشتے نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اسے دیکھ کر اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

میں جانتی ہوں، تم ہرٹ ہوئی ہو۔" ایک گہری سانس لے کر وہ اپنی رو میں کہنے لگی تھی "اور میں اسی ڈر سے تمہیں پہ پہلے نہیں بتا۔" کہتے کہتے فرشتے نے نگاہیں اٹھائیں۔ اور پھر اگلے الفاظ اس کے لبوں پہ دم توڑ گئے۔ محمل کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

محمل کیا ہوا؟" وہ پریشان سی کھڑی ہوئی۔"

فرشتے، فرشتے۔۔۔وہ ہمایوں۔۔۔" وہ رو دینے کو تھی۔"

کیا ہوا ہمایوں کو؟ بتاؤ، محمل!" اس نے فکرمندی سے محمل کو دونوں شانوں سے تھام کر پوچھا۔"

"وہ۔ ہمایوں۔۔۔ ہمایوں مر گیا۔"

محمل کے شانوں پہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اسے لگا، وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں نے جان۔ جان بوجھ کر نہیں۔ ہمایوں کو۔ وہ اسے چھری لگ گئی۔ میں نے غلطی سے اسے میری۔"

وہ کدھر ہے۔ ابھی؟" فرشتے نے تیزی بات کاٹی۔"

"اپنے گھر۔۔۔ بیڈروم میں۔"

فرشتے نے اگلا لفظ نہیں سنا اور تیزی سے باہر کی طرف بھاگی تھی۔ وہ کہیں بھی جاتی، تو ہمیشہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ لے کر جاتی تھی۔ آج اس نے اس کا ہاتھ نہیں تھا تھاما۔ آج وہ اکیلی بھاگی تھی۔

اسے خود بھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بس وہ بھی فرشتے کے پیچھے لپکی تھی۔

ہمایوں۔ہمایوں۔" وہ محمل کے آگے بھاگتی ہوئی ہمایوں کے لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور اسے آوازیں دیتی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

"ہمایوں؟"

وہ آگے پیچھے گول سیڑھیوں کے دہانے پہ رکی تھیں۔ہمایوں کمرے کی بیرونی دیوار کے ساتھ لگا زمین پہ بیٹھا تھا۔خون آلود چھری اس کے ایک طرف رکھی تھی۔

ہمایوں! تم ٹھیک ہو۔" وہ پریشان سی گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔اس نے جیسے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

تم ادھر۔۔۔؟" اپنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی فرشتے سے ہوتی ہوئی اس کی نظر اس کے پیچھے کھڑی محمل پہ جارکی۔

"مجھے محمل نے بتایا کہ۔"

"فرشتے تم جاؤ اور اس بے وقوف لڑکی کو بھی لے جاؤ۔"

'مگر ہمایوں۔"

میں نے احمر کو کال کر دیا ہے، پولیس پہنچنے والی ہے، تم دونوں کی ادھر موجودگی ٹھیک نہیں ہے، جاؤ۔" وہ درد کی شدت سے بدقت بول پارہا تھا۔

مگر۔۔۔" فرشتے نے تذبذب سے گردن موڑ کر محمل کو دیکھا جو سفید پڑتا چہرہ لیے ادھر کھڑی تھی۔اس کی

سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ اس وقت کیا کرے۔

میں نے کہانا۔ جاؤ۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں چلایا تھا۔"

اچھا۔" وہ گھبرا کر کھڑی ہوئی۔"

"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ بے شک مجھے پولیس پکڑ لے، مگر میں۔۔۔"

محمل جاؤ!!!!" وہ زور سے چیخا تھا۔"

چلو محمل۔" فرشتے نے جیسے فیصلہ کر کے اس کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں اترنے لگی۔"

ہمایوں! میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ آئی ایم سوری۔۔۔ آئی ایم رئیلی۔" فرشتے اس سے آگے اس کا ہاتھ کھینچتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھی، مگر وہ اسی طرح گردن موڑ کر ہمایوں کو دیکھتی روہانسی سی کہے جا رہی تھی۔

جسٹ گو!" وہ وہیں سے جھنجلا کر بولا تھا۔ وہ اب سیڑھیوں کے درمیان میں تھیں، وہاں سے اسے ہمایوں کا چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ابل پڑے تھے۔ فرشتے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے باہر لے آئی تھی۔

تم کیوں گئیں اس کے گھر محمل؟ مجھے بتاؤ، ادھر کیا ہوا تھا؟" مسجد کے گیٹ فرشتے نے پوچھا تو اس نے اپنا ہاتھ زور سے چھڑا لیا۔

"محمل! ناراض مت ہو۔ ابھی وہاں میری اور تمہاری موجودگی ٹھیک نہیں ہے۔"

وہ ادھر مر رہا ہے اور آپ۔۔۔" اس کی آنکھوں سے متواتر آنسو گر رہے تھے۔"

وہ ابھی اسے ہسپتال لے جائیں گے۔ زخم بہت زیادہ نہیں تھا، وہ ٹھیک ہو جائے گا، مگر تم نے کیوں مارا

"اسے؟

میں بھلا ہمایوں کو مار سکتی ہوں۔ میں کر سکتی ہوں ایسا؟" وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔"

فرشتے بری طرح سے چونکی تھی۔ محمل کے چہرے پہ چھایا حزن، ملال، اور آنسو۔ وہ عام آنسو تو نہ تھے۔ میں نے

"جان بوجھ کر نہیں کیا ایسا۔ آئی سوئیر۔

اچھا اندر آؤ، آرام سے بات کرتے ہیں۔" اس نے خود کو سنبھال کر کہنا چاہا مگر وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی۔"

"انہوں نے بھی یہی کہا تھا۔ میرا قصور نہیں تھا۔"

"وہ اسی طرح گیٹ پہ کھڑی روئے چلی جا رہی تھی۔ "وہ ٹھیک تو ہو جائیں گے فرشتے؟

ہوں۔" فرشتے نے شاید اس کی بات نہیں سنی تھی۔ بس گم صم سی اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی عام آنسو نہ تھے۔

"میں گھر جا رہی ہوں۔ پلیز۔ آپ مجھے ہمایوں کے بارے میں بتاتی رہیے گا۔"

اچھا۔" اس نے غائب دماغی سے سر ہلا دیا۔"

محمل اب درختوں کی باڑ کے ساتھ دوڑتی ہوئی دور جا رہی تھی۔ وہ جیسے نڈھال سی گیٹ سے لگی، یک ٹک اسے دیکھے گئی۔۔۔

ہاں، وہ آنسو بہت خاص تھے۔

ہسپتال کا ٹائلز سے چمکتا کاریڈور خاموش پڑا تھا۔ کاریڈور کے اختتام پہ بینچ پہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ محمل جو دوڑتی ہوئی ادھر آرہی تھی، اسے بیٹھے دیکھ کر لمحے بھر کو ٹھٹکی رکی، پھر بھاگتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"فرشتے۔ فرشتے۔"

"فرشتے نے ہاتھوں میں گرا سر اٹھایا" وہ کیسا ہے؟

محمل اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی اور دونوں ہاتھ اس کے گھٹنوں پہ رکھے۔

بتائیں نا، وہ کیسا ہے؟" وہ بے قراری سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھتی، جواب تلاش کر رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔" وہ بھی محمل کی بھوری آنکھوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔"

"میں اس سے مل سکتی ہوں؟"

"ابھی وہ ہوش میں نہیں ہے۔"

کیوں؟" وہ تڑپ کر بولی تھی، وہ فجر کا وقت تھا، اور جیسے ہی فرشتے نے اسے اطلاع دی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

"ڈاکٹرز نے خود سلا رکھا ہے۔ وہ ٹھیک ہو جائے گا محمل! تم پریشان نہ ہو۔"

میں کیسے پریشان نہ ہوں؟ مین نے ان کو چھری ماری ہے۔ میں۔"

"ایسا کیا ہوا تھا محمل؟ تم نے کیوں کیا ایسے؟"

میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ میں ان سے پوچھنے گئی تھی کہ۔" وہ لب کچلتی، ڈبڈبائی آنکھوں سے کہتی چلی

گئی۔ فرشتے اسی تھکے تھکے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم مجھ سے پوچھ لیتیں محمل! اس کو۔۔۔ خیر چھوڑو کوئی بات نہیں۔"

چند لمحے یونہی سرک گئے۔ وہ اسی طرح فرشتے کے سامنے دوزانو بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ ابھی تک فرشتے کے گھٹنوں پہ تھے۔ بہت دیر بعد اس نے خاموشی کو چیر دیا۔

"آپ نے کہا، آپ آغا ابراہیم کی بیٹی ہیں؟"

"ہاں۔ میں آغا ابراہیم کی بیٹی ہوں۔"

میرے ابا کی۔۔۔؟" اس کا گلا رندھ گیا۔"

"تمہیں یہ انہونی کیوں لگتی ہے؟ سوائے تمہارے، تمہارے سب بڑوں کو علم ہے۔ تمہاری امی کو بھی۔"

امی کو بھی؟" اسے جھٹکا لگا تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاں۔ ابا مجھ سے ملتے تھے میری امی ان کی فرسٹ وائف تھیں، ڈائیورس کے بعد امی اور ابا الگ ہو گئے تھے، پھر انہوں نے تمہاری امی سے شادی کی۔ دونوں ان کی پسند کی شادیاں تھیں، ہے ناں عجیب بات؟۔ خیر، مجھ سے وہ ہر ویک اینڈ پر ملنے آتے تھے، میں اپنے چچاؤں سے متعارف تو نہ تھی مگر وہ سب جانتے تھے کہ میں کون ہوں کدھر رہتی ہوں، مگر ابا کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے مجھے تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا،

میں بہت دفعہ اپنا حق مانگنے گئی مگر وہ نہیں دیتے۔ ابا کی پہلی شادی خفیہ تھی، سوائے ہمارے بڑوں کے خاندان میں کسی کو علم نہ تھا، تم سے بھی چھپا کر رکھا گیا تاکہ کہیں تم بھی میرے ساتھ حصہ مانگنے کھڑی نہ ہو جاؤ۔ "

آپ نے کیس کیوں نہیں کیا ان پہ؟" وہ بہت دیر بعد کچھ بول پائی تھی۔

مجھے جائیداد سے حق نہیں، رشتوں سے حق چاہیے محمل! میں بہت دفعہ تمہارے گھر گئی ہوں مگر اندر داخلہ۔ خیر، یہ لمبی کہانی ہے میں برسوں سے اپنے حق کی جنگ لڑ رہی ہوں۔ وارث اللہ نے بنائے ہیں، میں ابا کی وارث ہوں۔۔ یہی سوچ کر اب میں جائیداد سے حصہ مانگتی ہوں۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

آپ کو پتا تھا میں آپ کے بارے میں نہیں جانتی؟"

ہاں مجھے پتا تھا میں نے جب بھی تم سے ملنے کی کوشش کی۔ کریم تایا نے مجھے یہ کہہ کر روک دیا کہ محمل ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو جائے گی۔ اور ابا سے نفرت کرے گی،

پھر میں نے صبر کر لیا۔ میں جانتی تھی کہ جو رب، بن یامین کو یوسف علیہ السلام کے پاس لا سکتا ہے وہ محمل کو بھی میرے پاس لا سکتا ہے۔۔۔" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ محمل کو ایسا لگا کہ اسکی سنہری آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"فواد بھائی ان کا کیس؟"

ہمایوں نے مجھے بتایا تھا کہ میرے کزن فواد نے اسکے ساتھ کسی لڑکی محمل کا معاملہ طے کیا ہے۔ کم عمر اور" خوبصورت بھی میرا دل تبھی کھٹک گیا تھا۔ مگر ہمایوں ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ فواد تمہارے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ اسے گمان تھا کہ وہ کوئی اور لڑکی ہو گی۔

مگر جس لمحے مسجد کی چھت پر میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میں تمہیں پہچان گئی تھی۔"

آپ نے تو مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا پھر۔۔۔۔۔۔"

دیکھا تھا۔۔ایک بار تمہارے سکول آئی تھی تم سے ملنے۔۔ بینچ پر بیٹھ کر تمہیں دیکھتی رہی، تم الجھی الجھی "، چڑچڑی سی لگ رہی تھی، پھر مجھ سے تمہیں مزید ذہنی اذیت نہیں دی گئی، سو واپس پلٹ گئی۔

فرشتے تھک کر چپ ہو گئ۔۔ شائد اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ بچا تھا، وہ یاسیت سے اسے دیکھے گئی، جو بہت تھکی تھکی نظر آ رہی تھی،

بہت دیر بعد اس نے پھر لب کھولے

تم بہت خوش قسمت ہو محمل کے تم رشتوں کے درمیان رہی ہو۔ تم یتیم نہیں رہی ہو۔ یتیموں والی زندگی تو" میں نے گذاری ہے لیکن پھر بھی میں نے کبھی یتیمی کا لیبل اپنے اوپر نہیں لگنے دیا۔ میری خالہ اور ہمایوں۔ یہ ہی تھے میرے رشتے دار اب میرے پاس کھونے کو مزید رشتے نہیں بچے، ایک چیز مانگوں تم سے؟ کبھی مجھے اس آزمائش میں مت ڈالنا، میں مزید رشتے کھونا۔

اے ایس پی صاحب کے ساتھ آپ ہیں؟"۔۔ آواز پہ ان دونوں نے چونک کر سر اُٹھایا۔سامنے سفید کپڑوں" میں ملبوس نرس کھڑی تھی۔۔،

جی۔" محمل اس کے گھٹنوں سے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے بے چینی سے اُٹھی۔۔"

ان کو ہوش آگیا ہے۔اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔،آپ ان کی۔؟'

میں۔۔میں ان کی فرینڈ ہوں،اس نے جلدی سے فرشتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔"یہ ہمایوں صاحب" "کی بہن ہیں۔

بہن؟"اس نے چونک کر محمل کو دیکھا مگر وہ نرس کی طرف متوجہ تھی۔"

بہن؟" وہ ہولے سے بڑبڑائی۔ پھر ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر محمل نرس کے پیچھے جا رہی" تھی۔اس نے کچھ بھی نہ سنا۔

وہ خالی ہاتھ بیٹھی رہ گئی۔اسکی سنہری آنکھوں میں شام اتر آئی تھی، محمل وہ شام نہ دیکھ سکی تھی۔وہ دروازہ کھول کر ہمایوں کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

وہ بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا تھا،اوپر چادر پڑی تھی۔ آہٹ پر قدرے نقاہت سے آنکھیں کھولیں۔اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"محمل!"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اس کے سامنے جا رکی۔

بھورے سلکی بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے فیروزی شلوار قمیض ہم رنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

آئی ایم سوری، ہمایوں!" آنسو آنکھوں سے پھسل پڑے تے۔ وہ بدقت "مسکرایا۔"

ادھر آؤ"۔"

وہ چند قدم آگے بڑھی۔

"اتنی غصے میں کیوں تھیں؟"

مجھے معاف کر دیں پلیز۔" اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ہمایوں نے بایاں ہاتھ اٹھایا اور اسکے" بندھے ہوئے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"تم نے کیوں کہا، تمہیں مجھ سے کوئی امید نہیں؟

تو کیا رکھتی؟" اسکے دونوں ہاتھ اور ہمایوں کا ہاتھ اوپر تلے ایک دوسرے میں بند ہو گئے تھے۔"

" تمہیں لگتا ہے، میں بیچ راہ میں چھوڑ دینے والوں میں سے ہوں؟

کیا نہیں ہیں؟" آنسو اسی طرح اسکی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔"

"کیوں اتنی بدگمان رہتی ہو مجھ سے؟"

"بدگمان تو نہیں، بس۔"

پھر چھری کیوں لائی تھیں؟ تمہیں لگتا تھا تم میرے گھر غیر محفوظ ہو گی؟" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ مجھے معاف کر دیں پلیز، آپ نے معاف کر دیا تو اللہ بھی مجھے معاف کر دے گا۔"

کہہ کر وہ لمحے بھر کو خود بھی چونک گئی۔ آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے دل میں عجیب سا احساس ہوا تھا۔ ایک دم اس نے اپنے ہاتھ چھڑائے تھے۔ یہ سب ٹھیک نہیں تھا۔

آپ آرام کریں، مجھے مدرسہ بھی جانا ہے۔" وہ دروازے کی طرف لپکی تھی۔

مت جاؤ۔" وہ بے اختیار پکار اٹھا تھا۔"

میں گھر سے مدرسے کا کہہ کر نکلی تھی، اگر نہ گئی تو یہ خیانت ہو گی اور پل صراط پہ خیانت کے کانٹے']ہونگے، مجھے وہ پل پار کرنا ہے۔

تھوڑی دیر رک جاؤ گی کیا ہو جائے گا؟" وہ جھنجھلایا تھا۔"

"یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے اور۔۔۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے مادام، آپ جا سکتی ہیں۔"

وہ مسکراہٹ دبا کر بولا تو اسے لگا، وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

سوری۔" ایک لفظ کہہ کر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔"

فرشتے اسی طرح بینچ پر بیٹھی تھی۔ آہٹ پر سر اُٹھایا۔

"میں چلتی ہوں فرشتے! مجھے مدرسے جانا ہے۔"

نامحسوس انداز میں اس نے اپنا ہاتھ دوپٹے کے اندر کیا کہ کہیں وہ اس پر کسی کا لمس نہ دیکھ لے۔

مل لیں ہمایوں سے؟" اس کی آواز بہت پست تھی۔"

ہاں۔" اس نے بے اختیار نظریں چرائیں، فرشتے اسی طرح گردن اٹھا کر اسے دیکھتی جانے اس کے چہرے"

پر کیا کھوج رہی تھی۔ وہ جیسے گھبرا کر جانے کو پلٹی۔

محمل سنو!" وہ جیسے بے چینی سے پکار اُٹھی اور اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی اس نے نفی میں سر ہلاتے دھیرے سے"

کہا۔ "نہیں کچھ نہیں جاؤ۔"

"خیریت؟"

"جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔"

اوکے، السلام علیکم۔" وہ راہداری میں تیز تیز قدم اُٹھاتی دور ہوتی گئی۔ فرشتے نے پھر سے سر ہاتھوں میں گرا

لیا۔

* * *

اس کا دل بہت بوجھل سا ہو رہا تھا۔ مدرسے آ کر بھی اسے سکون نہ مل رہا تھا۔ اسے تھوڑی دیر ہو گئی تھی اور

تفسیر کی کلاس بھی وہ مس کر چکی تھی۔ سارا دن وہ یونہی مضمحل سی پھرتی رہی۔ بریک میں سارا نے اسے جا لیا۔ وہ

برآمدے کے اسٹیپس پہ بیٹھی تھی۔ گود میں کتابیں رکھے، چہرے پر بیزاری سجائے۔

تمہیں کیا ہوا ہے؟" سارہ دھپ سے ساتھ آ بیٹھی۔"

پتا نہیں۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے گود میں رکھی کتاب کھولنے لگی۔"

"پھر بھی، کوئی مسئلہ ہے؟"

"ہاں، ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟"

اللہ تعالیٰ۔۔۔ بس۔۔۔" وہ سر جھٹک کر صفحے پلٹنے لگی۔"

"بتاؤ نا۔"

اللہ تعالیٰ ناراض ہیں۔ ڈیٹس اٹ!" زور سے اس نے کتاب بند کی۔"

اوہو، تم خوامخواہ قنوطی ہو رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کیوں ناراض ہونگے بھلا؟"

"بس ہیں ناں!۔"

"اتنی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ تمہیں کیسے پتا کہ وہ ناراض ہیں؟"

ایک بات بتاؤ!" وہ جیسے کوفت زدہ سی اس کی طرف گھومی۔" اگر تم کسی کے ساتھ چوبیس گھنٹے ایک ہی گھر میں رہو، تو گھر میں داخل ہوتے ہی تمہیں اس شخص کے موڈ کا پتہ چل جاتا کہ وہ ناراض ہے؟ بھلے وہ منہ سے کچھ نہ کہے۔ بھلے تمہیں اپنی غلطی بھی نظر میں نہ آ رہی ہو، مگر تم جان لیتی ہو ناں کہ ماحول میں تناؤ ہے اور پھر تم

دوسروں سے پوچھتی پھرتی ہو کہ "اسے کیا ہوا ہے؟" اور پھر تم ت اپنی غلطی سوچتی رہ جاتی ہو۔ میں بھی اس وقت یہی کر رہی ہوں سو مجھے کرنے دو!"

"مگر محمل"

تمہیں پتہ ہے، اتنے عرصے سے میں روز ادھر آکر قرآن سنت تھی۔ آج میری تفسیر کی کلاس مس ہوئی ہے۔ آج میں قرآن نہیں سن سکی

تمہیں پتہ ہے کیوں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں، وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔ سو پلیز ابھی مجھے اکیلا چھوڑ دو!"

سارہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ کتابیں سنبھالتی اٹھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی اندر آگئی۔

پریئر ہال خالی پڑا تھا۔ بتیاں بجھی تھیں۔ وہ کھڑکی کے ساتھ آبیٹھی۔ کھڑکی کے شیشے سے روشنی چھن کر اندر آرہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اُٹھائے۔

اللہ تعالیٰ۔۔۔ پلیز۔۔۔" الفاظ لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔ اس نے دعا کے لئے اُٹھے ہاتھوں کو دیکھا۔ یہ ہاتھ چند گھنٹے قبل ہمایوں کے ہاتھ میں تھے۔ لڑکے لڑکی کا ہاتھ پکڑنا تو بات بن گئی تھی مگر قرآن کی طالبہ کے لئے وہ عام سی بات نہ تھی۔ وہ کیسے جذبات کے ریلے میں بہہ گئی کہ خیال ہی نہ آیا کہ اسے یوں تنہا کسی کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمایوں نے خود کو کیوں نہ روکا؟ مگر نہیں، وہ ہمایوں کو کیوں الزام دے؟ وہ تو قرآن کا طالبعلم نہ تھا، طالبہ تو وہ تھی۔ سمعنا واطعنا (ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی) کا وعدہ تو اس

نے کرر کھا تھا پھر۔۔؟

آنسو اسی طرح اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے آج کا سبق کھولنے لگی۔

اللہ تعالیٰ، پلیز مجھے معاف کر دے، مجھے ہدایت پہ قائم رکھ،"

اس نے دل میں دعا مانگتے ہوئے مطلوبہ صفحہ کھولا،

کس طرح اللہ اس قوم کو ہدایت دے سکتا ہے جو اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں؟"

اس کے آنسو پھر سے گرنے لگے۔ اس کا رب اس سے بہت ناراض تھا۔ اسکی معافی کافی نہ تھی۔ وہ سسکیوں کے درمیان پھر سے استغفار کرنے لگی۔

اور انہوں نے رسول کے برحق ہونے کی گواہی دی تھی، اور ان کے پاس روشن نشانیاں آئی تھیں، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

وہ جیسے جیسے پڑھتی جارہی تھی، اس کا رواں رواں کانپنے لگا تھا۔ قرآن وہ آئینہ تھا جو بہت شفاف تھا۔ اس میں سب کچھ صاف نظر آتا تھا۔ اتنا صاف کہ کبھی کبھی دیکھنے والے کو خود سے نفرت ہونے لگتی تھی۔

ان لوگوں کی جزا یہ ہے، کہ بے شک اللہ کی ان پر لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب کے سب لوگوں کی (لعنت "ہے)" ہمیشہ رہنے والے ہیں اس میں۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے۔

اس نے قرآن بند کر دیا تھا۔ یہ خالی زبانی استغفار کافی نہ تھا۔

اس نے نوافل کی نیت باندھی، اور پھر کتنی ہی دیر وہ سجدے میں گر کر روتی رہی۔ جس کے ساتھ ہر پل رہو، جو رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہو، اسکی ناراضگی محسوس ہو ہی جاتی ہے، اور انسان اس کی ناراضگی دور کرنے کے لئے اتنی ہی کوشش کرتا ہے جتنی وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

جب دل کو کچھ سکون آیا، تو اس نے اٹھ آنسو پونچھے، اور قرآن اُٹھا کر ٹھیک اسی آیات سے کھولا جہاں سے چھوڑا تھا۔ آیت روزِ اول کی طرح روشن تھی۔

مگر اس کے بعد جن لوگوں نے توبہ کر لی۔۔۔" (اس کا دل زور سے دھڑکا) اور انہوں نے اصلاح کر لی، تو" 'بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

بہت دیر سے روتے دل کو ذرا امید بندھی تھی۔ ذرا قرار آیا تھا۔

یہ توبہ کی قبولیت کی نوید تو نہ تھی، مگر امید ضرور تھی۔

اس نے آہستہ سے قرآن بند کیا۔ میڈم مصباح کہتی تھیں، کہ اگر قرآن کی آیات میں ناراضگی کا اظہار ہو تو بھی بخشش کی امید رکھا کریں۔ کم از کم اللہ آپ سے تو بات کر رہا ہے۔

وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں۔" محمل نے اٹھتے ہوئے سوچا تھا،

****

مہتاب تائی نے کمرے کے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

محمل سے کہو،شاپنگ کے لئے چلے۔اس کے جوتے کاناپ لینا ہے۔ورنہ بعد میں خود کہے گی کہ پورا نہیں آتا۔"

وہ بیڈ پر کتابیں کھولے بیٹھی تھی،جبکہ مسرت الماری سے کچھ نکال رہی تھی۔تائی کی آواز پر دونوں نے بری طرح سے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔جو اسے نظر انداز کیے مسرت سے مخاطب تھیں۔

تو وہ سیم والا قصہ ابھی تک باقی ہے؟)اس نے کوفت سے سوچا تھا۔پچھلے دنوں ہونے والے پے در پے واقعات نے وقتی طور پر اسے وہ معاملہ بھلادیا تھا۔یہ بھی کہ حسن کی مخالفت ابھی برقرار تھی۔

"مگر تائی اماں،میں انکار کر چکی ہوں۔"

"لڑکی میں تمہاری ماں سے بات کر رہی ہوں"

مگر میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔" اسکا لہجہ نرم لیکن مضبوط تھا۔"

مسرت؟اس سے کہو تیار ہو جائے،میں گاڑی میں اسکاویٹ کر رہی ہوں۔" وہ کھٹ کھٹ کرتی وہاں سے چلی گئیں۔اس نے بے بسی سے ماں کو دیکھا،وہ اس سے بھی زیادہ۔۔۔بے بس نظر آرہی تھیں۔

"اماں آپ۔۔۔۔۔۔۔"

"ابھی چلی جاؤں محمل!ورنہ وہ ہنگامہ کر دیں گی۔"

یہ سمجھتی کیوں نہیں ہیں؟"وہ زچ سی ہو کر کتابیں رکھنے لگی۔"

"شائد حسن کچھ کر سکے۔مجھے حسن سے بہت امید ہے۔"

اور مجھے اللہ سے ہے!" وہ کچھ سوچ کر عبایا پہننے لگی۔ پھر سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹا اور پن لگائی۔ خوامخواہ ہنگامہ کرنے کا فائدہ نہ تھا وہ چلی ہی جائے تو بہتر ہے۔ باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔

لاؤنج میں سیڑھیوں کے پاس لگے، آئینے کے پاس وہ رکی۔ ایک نظر اپنے عکس کو دیکھا۔ سیاہ حجاب میں سنہری چہرا دمک رہا تھا۔ اونچی پونی ٹیل سے حجاب پیچھے سے اٹھ سا گیا تھا اور بہت اچھا لگ رہا تھا، وہ یونہی خود کو دیکھتی پلٹی ہی تھی کہ آخری سیڑھی اترتے حسن پر نظر پڑی۔

"کدھر جا رہی ہو؟"

"تائی اماں کے ساتھ شادی کی شاپنگ پہ۔"

تم راضی ہو محمل؟" وہ بھونچکا سا اس کے قریب آیا۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔"

"اس گھر میں مجھے اپنی رضا سے اس فیصلے کا اختیار نہیں ملا حسن بھائی۔"

وہ کتنے ہی لمحے خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے لب وا کیے۔

"ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔"

اور محمل کو لگا اسے تھپڑ دے مارا ہے۔

آپ کو پتہ ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ بمشکل ضبط کر پائی تھی۔

"ہاں، میں تمہیں اس دلدل سے نکالنے کی بات کر رہا ہوں۔"

آپ کورٹ میرج کی بات؟ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ مجھ سے یہ بات کریں"

گے۔"

'تمہیں اعتراض کیوں ہے محمل! یہ تمہاری شادی زبردستی وسیم سے کر دیں گے اور تم۔"

حسن بھائی پلیز، آپ کو پتہ ہے کہ کورٹ میرج ہوتی کیا ہے؟ سرکاری شادی، کاغذوں کی شادی۔ میں ایسی' "شادی نہیں مانتی جس میں لڑکی کی دلی مرضی شامل نہ ہو۔

اور میں کیوں چھپ کر شادی کروں گی؟ نہ آپ سے نہ وسیم سے۔ میرا راستہ چھوڑیں۔" وہ بے بس سا ہو کر سامنے سے ہٹا تو وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی مہتاب تائی اسکا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اندر بیٹھی اور دروازہ ذرا زور بند کیا۔

اسی پل ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر کوئی بیٹھا۔ اس نے ڈرائیور سمجھ کر یونہی بیک ویو میں دیکھا تو جھٹکا سا لگا۔

وہ وسیم تھا، اپنی ازلی معنی خیز انداز میں مسکراتے، وہ گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔ اسے لگا اس سے غلطی ہو چکی ہے، مگر اب کیا کیا جا سکتا تھا۔؟

لب کچلتی وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

تائی مہتاب منگنی کی شاپنگ کر رہی تھیں یا شادی کی وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔ بس چپ چاپ ان کے ساتھ میٹرو میں چلی آئی۔ وہ جہاں بیٹھیں، ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

سنا ہے تم نے بڑا شور ڈالا تھا۔" تائی اٹھ کر ایک شوکیس کے قریب گئی تو وہ اسکے ساتھ صوفے میں دھنس کر

بیٹھا۔ محمل بدک اٹھی۔

"ارے بیٹھو بیٹھو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

شاپ کی تیز پیلی روشنیاں وسیم کے چہرے پر پڑھ رہی تھیں، گریبان کے کھلے بٹن، گردن سے لپٹی چین، اور شوخ رنگ کی شرٹ اف، اسے اس سے کراہت سی آئی تھی۔

کیا بات کرنی ہے۔"؟"

تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو کس سے کرنا چاہتی ہو؟" وہ استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ اس" کے ذہن کے پردے پر ایک چہرہ سا ابھرا۔ ایک اندرونی خواہش۔ ایک دبتی، دباتی محبت کی ایک داستان، اس نے بے اختیار سر جھٹکا۔

"نہ آپ سے نہ کسی اور سے۔ آپ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟"

ایسے نہیں محمل ڈیئر، ابھی تو ہم نے بہت سا وقت ساتھ گذارنا ہے۔" وہ کھڑے ہو کر اسکے قریب آیا۔ وہ پھر" دو قدم پیچھے ہٹی۔ دکان لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ پھر بھی محمل کو اس کے بے باک انداز سے خوف آتا تھا۔ نہ معلوم وہ کیا کر ڈالے۔'

اچھا ادھر آؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ قدم اٹھاتا اس کے نزدیک آرہا تھا" ادھر آئس کریم پارلر میں" "بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔

تائی۔۔۔ تائی اماں۔" بے بس سی وہ بھیڑ میں تائی مہتاب کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔"

تمہاری تائی کو ان کی کوئی فرینڈ مل گئی ہے، ابھی وہ نہیں آئیں گی۔ تم ادھر قریب تو آؤ نا مخمل ڈیئر۔" وسیم نے ہاتھ بڑھا کر اسکی کلائی تھامنی چاہی، اس کی انگلیاں اسکی کلائی سے ذرا سی مس ہوئیں۔ مخمل کو جیسے کرنٹ سا لگا۔ ہاتھ میں پکڑا ہینڈ بیگ اس نے پوری قوت سے وسیمکے منہ پر دے مارا۔

گھٹیا آدمی پیچھے ہو!" وہ چلائی تھی۔"

بیگ اس کی ناک پر زور سے لگا تھا، وہ بلبلا کر پیچھے ہٹا۔ شور کی آواز پر بہت سے لوگ ادھر متوجہ ہوئے۔ سیلز بوائے کام چھوڑ کر ان کی طرف لپکے۔

یو۔۔۔یو بچ۔۔۔! وسیم تو غصے سے پاگل ہی ہو گیا۔ ناک پر ہاتھ رکھے وہ جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک لڑکے نے اسے پکڑ لیا۔

"کیا تماشا ہے کیوں بچی کو تنگ کر رہے ہو؟"

میڈم، کیا ہوا ہے؟ یہ بندہ تنگ کر رہا تھا آپکو؟"

بہت سی آوازیں آس پاس ابھریں۔ کچھ لڑکوں نے وسیم کو بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا۔

یہ مجھے تنگ کر رہا تھا۔ اکیلی لڑکی جان کر۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اور کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔ اسے معلوم تھا، اب کیا ہو گا۔ اور واقعی، وہی ہوا، اگلے ہی لمحے وہ لڑکے وسیم پر پل پڑے۔ وہ گالیاں بکتا خود کو چھڑانے کی کوشش کرتا رہا، مگر وہ سب بہت زیادہ تھے۔ "مارو۔۔۔ اسے اور مارو۔۔۔ شریف لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔ ایک عمر رسیدہ صاحب ہجوم کے پاس کھڑے غصے سے کہہ رہے تھے۔

"زور سے مارو۔ اسے عبرت کی مثال بنادو۔"

"اپنے گھر ماں بہن نہیں ہے کیا۔؟

اور وہ ماں جب تک دکان میں لگے ہجوم تک پہنچی، وہ وسیم کو مار مار کر ادھ موا کر چکے تھے۔ تائی اسکی طرف لپکیں۔ تھوڑی ہی دور صوفے پر محمل بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے، مطمئن سی وسیم کو پٹتے دیکھ رہی تھی۔

"محمل۔۔ یہ اسے کیوں مار رہے ہیں۔؟"

"کیونکہ اس کے باپ کے کہنے پہ کبھی مجھے ایسے ہی مارا گیا تھا۔"

"بکواس مت کرو۔"

بڑی دلچسپ بکواس ہے یہ، آپ بھی انجوائے کریں نا۔" وہ محفوظ سی وسیم کو پٹتے دیکھ رہی تھی۔ شاپ کا بوکھلایا ہوا مینیجر اور سیلز بوائے، مشتعل نوجوانوں کو چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔

سر پلیز۔ سر دیکھیں۔" سیلز بوائے کی منت کے باوجود وہ لڑکے ان کو دیکھنے کی زحمت نہیں کر رہے تھے، حواس باختہ سی تائی مہتاب ان کی طرف دوڑیں۔

میرے بیٹے کو چھوڑو، پڑے ہٹو مردودو!" وہ چلا کر ان لڑکوں کو ہٹانے کی سعی کر رہی تھیں۔"

صوفے پر بیٹھی محمل مسکراتے ہوئے چپس کا پیکٹ کھول رہی تھی۔

اب یہ مرتے دم تک مجھے ساتھ نہیں لائیں گی۔" ساری صورتحال سے لطف اندوز ہوتی وہ چپس نکال کر کترنے لگی تھی۔"

***

اس نے دروازہ ہولے سے بجایا۔ مدھم دستک نے خاموشی میں ارتعاش سا پیدا کیا۔

آجاؤ محمل!" اندر سے فرشتے کی تھکن زدا مسکراتی آواز آئی اس نے حیرت سے دروازہ کھولا۔"

"السلام علیکم۔ اور آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں ہوں؟

میں تمہاری چاپ پہچانتی ہوں۔" وہ بیڈ پر بیٹھی تھی، گھٹنوں پر لحاف پڑا تھا۔ ہاتھ میں کوئی کتاب تھی۔ بھورے" سیدھے بال شانوں پہ تھے۔ اور چہرے پر ذرا سی تھکان تھی۔ محمل اندر داخل ہوئی تو فرشتے نے کتاب سائیڈ "ٹیبل پر ڈال دی اور ذرا سا کھسک کر جگہ بنائی۔ "آؤ بیٹھو۔

نائس روم۔ فرسٹ ٹائم آئی ہوں آپ کے ہاسٹل!" محمل ستائشی نگاہیں اطراف میں ڈالتی بیڈ کی پائنتی کے قریب" بیٹھی۔ وہ اسکول یونیفارم میں ملبوس تھی، جبکہ فرشتے بلکل مختلف گھر۔۔۔ والے حلیے میں تھی۔

"پھر کیسا لگا ہاسٹل؟"

"بہت اچھا اور آپ آج سکول کیوں نہیں آئیں؟"

یونہی۔ طبیعت ذرا سی مضمحل سی تھی۔" وہ تکان سے مسکرائی۔ اس کا چہرہ محمل کو بہت زرد سا لگا تھا۔ شاید وہ" بیمار تھی۔

اپنا خیال رکھا کریں۔" پھر قدرے توقف سے گویا ہوئی،" آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چل کر کیوں نہیں" "رہتیں؟ وہ آپ کا بھی گھر ہے، آپ کا حق ہے اس پہ، آپ کو اس گھر میں اپنا حصہ مانگنا چاہیے۔

"مجھے مٹی کے مکان کا کیا کرنا ہے؟ وہ تو ایک دن میں خود بھی بن جاؤں گی، مجھے تو رشتوں میں سے حق چاہیے۔

"تو ان پہ زور دیں نا۔"

"کوئی اور بات کرو محمل!"

اف!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔" مجھے علم ہی نہ تھا کہ میری ایک بہن بھی ہے اور ساری عمر میں بہن کے لئے ترستی رہی۔"

ہم لوگوں کے ساتھ کے لئے نہیں ترستے محمل، ہم لوگوں کے ساتھ کی "چاہ" کے لئے ترستے ہیں۔ اور اسی چاہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ لوگ مل تو جاتے ہیں تو پھر یوں لگتا ہے کہ وہ تو کچھ نہ تھے۔ سب کچھ تو وہ چاہ تھی جس کی ہم صدیوں پرستش کی تھی۔"

آپ بیمار ہو کر کافی فلسفی ہو گئی ہیں، سو پلیز، اچھا سنیں، ایک بات بتاؤں"۔ وہ پرجوش سی بتانے لگی۔

"کل تائی اماں مجھے وسیم کے ساتھ شاپنگ پہ لے گئیں اور میں نے اسے شاپ میں لوگوں سے پٹوایا۔"

"بری بات۔ قرآن کی طالبہ ایسی ہوتی ہے کیا؟"

ارے اس نے میرے ساتھ بد تمیزی کی تھی، اور سبق سکھانے کے لئے یہ ضروری تھا 'یو نو' سیلف ڈیفینس! ہمایوں کیسا ہے؟" ایک دم اس نے پوچھا اور خود بھی حیران رہ گئی۔

"اب بہتر ہے۔"

اوہ شکر الحمد للہ۔" وہ واقعتاً خوش ہوئی تھی۔"

چہرہ جیسے کھل اُٹھا تھا۔ فرشتے بغور اس کے تاثرات جانچ رہی تھی۔

"تم اسے پسند کرتی ہو، رائٹ؟"

اس کی نگاہیں بے اختیار جھک گئیں۔ رخسار گلابی پڑ گئے۔ اسے توقع نہ تھی کہ فرشتے اتنے آرام سے پوچھ لے گی۔

بتاؤ نا۔" فرشتے ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہوئی اوت غور سے اسکا چہرہ دیکھا۔"

"!پتا نہیں"

"مجھے سچ بولنے والی محمل پسند ہے۔"

ہاں شائد۔" اس نے اعتراف کرتے ہوئے پل بھر کو نگاہیں اٹھائیں۔ فرشتے ہنوز سنجیدہ تھی۔"

"اور ہمایوں؟"

"ہمایوں؟" اس کے لب مسکرا دیے۔ "وہ کہتا ہے، وہ بیچ راہ میں چھوڑ دینے والوں میں سے نہیں ہے۔"

وہ سر جھکائے مسکراتی ہوئی بیڈ شیٹ پر انگلی پھیر رہی تھی۔ دوسری طرف دیر تک خاموشی چھائی رہی تو اس نے چونک کر سر اُٹھایا۔

فرشتے بلکل خاموش تھی۔ اس کے دل کو یونہی شک سا ہوا "کہیں فرشتے تو ہمایوں سے۔۔۔؟ آخر وہ دونوں ساتھ پلے بڑھے تھے۔" اس کا دل زور سے دھڑکا۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟۔"

یہی کہ جب میں ہمایوں کے لئے تمہارا رشتہ لینے جاؤں گی تو کریم چچا مجھے شوٹ تو نہیں کر دیں گے؟ آخر میں ہمایوں کی بہن ہوئی نا!"

اور محمل کھلکھلا کر ہنس دی۔ سارے وہم، شک و شبے ہوا ہو گئے۔ فرشتے بھلا ایسی فیلنگز کیسے رکھ سکتی تھی؟ وہ عام لڑکیوں سے بہت مختلف تھی۔

اچھا یہ دیکھو۔" اس نے کتاب میں سے ایک لفافہ نکالا۔ "ایک لنچ انوی ٹیشن ہے۔ مجھے انوائیٹ کیا ہے نسیم آنٹی نے۔ وہ اماں کی ایک پرانی فرینڈ ہیں، ان ہی کے کلب میں ہے اس سنڈے کو۔ تم چلو گی۔؟"

"مگر ادھر کیا ہو گا۔؟"

یہ تو مجھے نہیں پتہ۔ صرف لنچ ہے۔ آنٹی نے کہا اگر میں آجاؤں تو اچھا ہے۔ اماں کی کچھ پرانی فرینڈز سے بھی مل لوں گی۔ تم چلو گی؟"

شیور!" وہ پورے دل سے مسکرائی، پھر کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلی آئی۔"

****

اتوار کی دوپہر وہ مقررہ وقت پہ مدرسے کے برآمدے میں کھڑی تھی۔ سیاہ عبایا میں ملبوس سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹے، وہ کھڑی بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی تھی۔ عبایا وہ اب کبھی کبھی باہر پہنتی تھی، ہاں نقاب نہیں کرتی تھی، صرف حجاب لے لیتی۔

دفعتاً سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی۔ محمل نے سر اٹھایا۔

فرشتے تیزی سے زینے اتر رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں چابی پکڑے، دوسرے سے وہ پرس میں کچھ کھنگال رہی تھی۔

السلام علیکم، تم پہنچ گئیں، چلو!" عجلت میں کہتے ہوئے اس نے پرس بند کیا، اور برآمدے کی سیڑھیاں اتر گئی۔ محمل اس کے پیچھے ہولی۔

ہمایوں گھر میں ہی ہو گا مل نہ لیں؟" وہ گیٹ کے باہر رک کر بولی تو محمل مسکرادی۔

"شیور!"

وہ لاؤنج میں ہی تھا، صوفے پہ بیٹھے، پاؤں میز پہ رکھے، چند فائلز کا سرسری مطالعہ کر رہا تھا۔ انہیں آتے دیکھا تو فائلز رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

خوش آمدید!" فرشتے کے پیچھے آتی محمل کو دیکھ کر وہ مسکرادیا تھا۔ اس کا چہرہ پہلے سے کافی کمزور لگ رہا تھا، مگر ہسپتال میں پڑے ہمایوں سے وہ خاصا بہتر تھا۔

میں ہمایوں کو اتنے سالوں میں بھی السلام علیکم کہنا نہیں سکھا سکی، محمل! اور کبھی تو مجھے بھی لگتا ہے، میں اسے کچھ بھی نہ سکھا سکوں گی۔"

اچھا بھئی" السلام علیکم۔" وہ ہنس دیا تھا۔"

"بیٹھو۔"

وہ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی مگر فرشتے کھڑی رہی۔

"نہیں ہمایوں ہمارے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔"

"مگر تمہاری بہن تو بیٹھ گئی ہے"

فرشتے نے مڑ کر محمل کو دیکھا جو آرام سے صوفے پہ بیٹھی تھی۔

"بہن اٹھو ہم بیٹھنے نہیں آئے۔"

محمل ایک دم گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔

فرشتے ہمایوں کی طرف پلٹی۔

"ہم بس تمہارا حال پوچھنے آئے تھے۔ تم اب ٹھیک ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں مگر بیٹھو تو سہی۔"

نہیں۔ ہمیں لنچ پہ جانا ہے، نسیم آنٹی کی طرف۔"

"اماں کی کچھ اور فرینڈز سے بھی مل لیں گے۔

اور محمل؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔"

"محمل ظاہر ہے میری بہن ہے تو میرے ساتھ ہی رہے گی نا۔"

وہ بے اختیار مسکرا دیا۔ عبایا میں ملبوس وہ دونوں دراز قد لڑکیاں اس کے سامنے کھڑی تھیں۔ سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹے، دونوں کی ایک جیسی سنہری آنکھیں تھیں، یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان میں سے کون زیادہ

خوبصورت تھی۔ہاں فرشتے دو انچ لمبی ضرور تھی۔اس کے چہرے پر ذرا سنجیدگی تھی۔جبکہ محمل کے چہرے پر کم عمری کی معصومیت برقرار تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہ وہ محمل تو نہ تھی جس سے وہ پہلی بار اسی لاؤنج میں ملا تھا۔سیاہ مقیش کی ساڑھی، چھوٹے آستینوں سے جھلکتے گداز بازو،اور اونچے جوڑے سے نکلتی گھنگریالی لٹوں والی۔۔اسے اس کا ایک ایک نقش یاد تھا۔وہ کوئی اور محمل تھی۔اور یہ عبایا اور حجاب والی کوئی اور تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"یہی کہ تم نے محمل کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔"

یہ میرا رنگ نہیں ہے، یہ صبغت اللہ ہے،اور اللہ کے رنگ سے بہتر کونسا رنگ ہو سکتا ہے،چلو محمل۔اوکے" ہمایوں!اپنا خیال رکھنا۔السلام علیکم۔"وہ محمل کا بازو تھامے مڑی ہی تھی کہ وہ پکار اٹھا۔

"سنو فرشتے۔"

ہاں!وہ دونوں ساتھ ہی پلٹیں۔"

"تم بہت بولتی ہو،اور تم نے محمل کو ایک لفظ بھی نہیں بولنے دیا۔تمہیں معلوم ہے؟"

مجھے معلوم ہے۔،اور تم نے ساری عمر اسی کو تو سننا ہے،یہ کم ہے کہ میں نے اس سے تمہیں ملوا دیا،مگر نہیں" ،انسان بے شک بہت ناشکرا ہے۔"چلو محمل!"وہ محمل کو بازو سے تھامے اسی طرح عجلت میں واپس لے گئی۔اور وہ حیرتوں میں گھرا کھڑا رہ گیا۔

"پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا تھا۔"یہ فرشتے کو کس نے بتایا؟

*****

اس گول میز کے گرد وہ دونوں اپنی نشستوں پر بور سی بیٹھی تھیں۔

باقی کرسیوں پر آنٹی ٹائپ کچھ خواتین جلوہ افروز تھیں۔ محمل بار بار کلائی پر باندھی گھڑی کو دیکھتی۔ وہ واقعی بہت بور ہو رہی تھی۔

فرشتے ہی تھی جو اپنے ساتھ بیٹھی نسیم آنٹی سے کوئی نہ کوئی بات کر لیتی، ورنہ وہ تو مسلسل جمائی روکتی بے زار سی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"اس ملک میں عورتوں کو وہ حقوق حاصل نہیں جو مردوں کو ہیں۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسز رضی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جو ناک چڑھائے اپنا انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ ہلا کر کہہ رہی تھیں۔

"اور یہ اس صدی کی سب سے بے وقوفانہ بات ہے کہ اگر کوئی کہے کہ مرد عورت سے برتر ہے۔ میں تو نہیں مانتی ایسی کسی بات کو!"

"بالکل!" وہ سب غرور تفاخر میں ڈوبی عورتیں ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔ محمل کا پرس میز پر رکھا تھا۔ اس نے اس کو اٹھا کر گود میں رکھا، پھر اندر سے اپنا سفید کور والا قرآن پاک نکالا جو وہ ہمیشہ ساتھ رکھتی تھی۔

"یہ سب جہالت کی باتیں ہیں مسز رضی، جب تک اس ملک میں تعلیم عام نہیں ہو گی، لوگ عورت اور مرد کے برابر حقوق تسلیم نہ کر سکیں گے۔"

"اور نہیں تو کیا' اسی قدامت پرستی کی وجہ سے ہم آج یہاں ہیں اور دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے۔"

اس نے سر اٹھایا اور ذرا سا کھنکاری۔

"مجھے آپ لوگوں سے اتفاق نہیں ہے۔"

تمام خواتین چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

اور میرے پاس اس کے لئے دلیل بھی ہے۔ یہ دیکھیں۔" اس نے گود میں رکھا قرآن پاک اوپر کیا" ادھر"

"سورہ نساء میں۔

"!نہیں' پلیز"

"اف نہیں! ناٹ اگین۔"

"اف نہیں! ناٹ اگین۔"

oh please don,t open it,,

ملی جلی ناگوار، مضطرب سی آوازوں پر وہ رک کر نا سمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگی۔"

"جی؟"

"خدا کے لئے اس کو مت کھولیں۔"

وہ کہہ رہی تھیں اور وہ حق دق بیٹھی رہ گئی۔

یہ مسلمان عورتیں تھیں؟ یہ واقعی مسلمان عورتیں تھیں؟ ان کو آسمانی کتابوں پہ ایمان نہ تھا؟ یہ قرآن کو نہیں

سننا چاہتی تھیں، اس اللہ کی بات نہیں سننا چاہتی تھیں، جس نے ان کو ان کا مال اور حسن دیا تھا، ؟ جو چاہتا تو ان کی سانسیں روک دیتا، ان کے دل بند کر دیتا۔ مگر اس نے ان کو ہر نعمت دے رکھی تھی، پھر بھی وہ اسکی بات نہیں سننا چاہتی تھیں؟

یہ تو قرآن کی آیت ہے اللہ کلام ہے، آپ سنیں تو سہی، یہ تو۔" اس نے کہنا چاہا۔

"پلیز' آپ ہماری ڈسکشن میں مخل نہ ہوں۔"

اور وہ خاموش ہو گئی۔ اتنی ہٹ دھرمی' شائد وہ اتنی بد نصیب عورتیں تھیں، جن کو اللہ اپنی بات سنوانا پسند نہیں کرتا تھا اور ہر وہ شخص جو روز قرآن نہیں پڑھتا، وہ بد نصیب ہوتا ہے اللہ پاک اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔

پھر وہ ادھر نہیں بیٹھی' تیزی سے اٹھی' قرآن بیگ میں رکھا اور فرشتے سے "میں گھر جا رہی ہوں" کہہ کر بغیر کچھ سنے وہاں سے چلی آئی۔ اس کا دل جیسے درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ آنسو ابلنے کو بے تاب تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اس غم پر قابو کرے، کیسے۔ کیسے مسلمان ہو کر وہ یہ سب کہہ سکتی ہیں؟ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

دل بہت بھر آیا تو آنسو بہہ پڑے، وہ چہرہ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سڑک کے ایک طرف درخت پیچھے کو بھاگ رہے تھے۔ گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا جسے وہ ساتھ لے کر آئی تھی۔ تائی مہتاب کی بہو بننے پر یہ اعزاز تو اسے ملنا ہی تھا اور روک ٹوک بھی قدرے کم ہو گئی تھی۔ مگر ابھی وہ ان باتوں کو نہیں سوچ رہی تھی۔ اس کا دل

تو ان عورتوں کے رویے پہ اٹک سا گیا تھا۔ اسے لگا،

ایک دم گاڑی جھٹکے سے رُکی۔ وہ چونک کر آگے یکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟"

بی بی! گاڑی گرم ہو گئی ہے۔ شائد ریڈی ایٹر میں پانی کم ہے میں دیکھنا بھول گیا تھا۔ ڈرائیور پریشانی سے کہتا باہر نکلا، وہ گہر سانس لے کر رہ گئی۔

سڑک قدرے سنسان تھی گو کہ وقفے وقفے سے گاڑیاں گزرتی دکھائی دیتی تھیں مگر ارد گرد آبادی کم تھی۔ وہ کوئی انڈسٹریل ایریا تھا۔ بہت دور اونچی عمارتیں دکھائی دیتی تھیں۔ ڈرائیور بونٹ کھول کر چیک کرنے لگ گیا تو وہ سر سیٹ سے ٹکائے آنکھیں موندے انتظار کرنے لگی۔

بی بی!" تھوڑی دیر بعد اس کی کھڑکی کا شیشہ بجا اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ باہر ڈرائیور کھڑا تھا۔"

کیا ہوا؟" اس نے شیشہ نیچے کیا۔"

انجن گرم ہو گیا ہے، میں کہیں سے پانی لے کر آتا ہوں، آپ اندر سے سارے دروازے لاک کر لیں، مجھے شائد تھوڑی دیر لگ جائے۔"

ہوں۔ ٹھیک ہے جاؤ۔" اس نے شیشہ چڑھایا،"

سارے لاک بند کیے اور چہرے پر حجاب کا ایک پلو گرا کر آنکھیں پھر سے موند لیں، ادھیڑ عمر ڈرائیور چھ سات برس سے ان کے ہاں ملازمت کر رہا تھا، اور خاصا شریف النفس انسان تھا سو وہ مطمئن تھی۔

وہ گرمیوں کی دوپہر تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاڑی حبس زدہ ہو گئی۔ گھٹن اور حبس اتنا شدید تھا کہ اس نے شیشہ کھول دیا۔ ذرا سی ہوا اندر آئی، مگر گاڑی کے ساکن ہونے کے باعث ماحول پہلے سے زیادہ گرم ہو گیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں پسینہ پسینہ ہو گئی۔ بے اختیار سیٹ پہ تہہ کر کے رکھا دوپٹہ اٹھایا اور اس سے ہوا جھلنے لگی۔ گرمی اتنی شدید تھی کہ اسے لگا وہ بھٹی میں جل رہی ہے۔

کافی دیر گذر گئی مگر ڈرائیور کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ وہ بے اختیار سورہ طلاق کی تیسری آیت آخر سے پڑھنے لگی۔ "جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے راستہ بنا ہی دیتا ہے۔

ڈیڑھ گھنٹے سے اوپر ہونے کو آیا تھا، وہ گرمی سے نڈھال، پسینے میں شرابور کتنی ہی دیر سے دعا کر رہی تھی۔ مگر جانے کیوں آج کوئی رستہ نہیں کھل رہا تھا۔ پھر جب سورج سر پر پہنچ گیا اور باہر سے آتی دھوپ و گرمی میں اضافہ ہوتا چلا گیا تو اس نے گھبرا کر شیشے بند کر دیے۔

اور پھر سے وہی ہوا، گھٹن زدہ اور حبس زدہ بند گاڑی جیسے بند ڈبہ ہو یا بند قبر۔۔۔ یا سمندر میں تیرتی کسی مچھلی کا پیٹ!

"مچھلی کا پیٹ؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ میرے دل میں کیسے خیال آیا کہ یہ مچھلی کا پیٹ ہے؟"

وہ الجھی، اور پھر اسے وہ کلب کی عورتیں یاد آئیں اور ان کا وہ گھمنڈی رویہ! اس کے خیال کی رو بھٹکنے لگی۔ پتہ نہیں کیوں وہ اس رب کی بات نہیں سننا چاہتی تھیں جس کے ہاتھ میں ان کی سانسیں ہیں، اگر وہ چاہے تو ان منکرین کی سانس روک دے، مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔

کیوں؟" اس نے خود سے سوال کیا۔ اس کی آواز بند شیشوں سے ٹکرا کر پلٹ آئی۔"

باہر فضا صاف دکھائی دے رہی تھی۔ دور سے جھلکتی اونچی عمارتیں، ان کے اوپر آسمان جہاں سے پرندے اڑتے ہوئے گذرتے تھے، یہ عمارتیں یہ آسمان زمین یہ اڑتے پرندے یہ زمین کو روندتے ہوئے چلتے متکبر لوگ وہ سب زندہ تھے۔ ان کی سانسیں اپنے "انکار" کے باوجود نہیں رکتی تھیں۔ کیوں؟

کیونکہ ان کی سانس ان کو ملی مہلت کی علامت ہیں محمل بی بی! کسی کے گناہ کتنے ہی شدید ہوں اگر سانس باقی ہے تو امید ہے شائد کہ وہ لوٹ آئیں۔ وہ رب تو ان نافرمانوں سے مایوس نہیں ہوا پھر تم کیوں ہوئیں؟" کوئی اس کے اندر بولا تھا۔

وہ جیسے سناٹے میں آگئی۔

کتنی جلدی وہ نہ ماننے والوں سے مایوس ہو گئی تھی؟ "ان" پہ کڑھنے لگی تھی؟ پھر کیوں وہ کسی کی ہٹ دھرمی دیکھ کر فرض کر بیٹھی تھی کہ وہ کبھی نہیں بدل سکتیں کیوں اس نے مایوس ہو کر بستی چھوڑ دی۔

اسکی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ بے اختیار اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

"نہیں کوئی الہ تیرے سوا پاک ہے تو بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔"

ندامت کے آنسو اس کے گالوں پر لڑھک رہے تھے۔ اسے بستی نہیں چھوڑنی چاہیے تھی۔ اگر کچھ لوگ قرآن نہیں سننا چاہتے تھے تو کوئی تو ہو گا جو اسے سننا چاہے گا۔ خود وہ کیا تھی؟ قرآن کو اس روز چھت پر کھولتے ہی بدک اٹھنے والی آج کدھر تھی! صرف اس سیاہ فام لڑکی کی ذرا سی کوشش ذرا سے تجسس کو بھڑکانے والے

عمل سے وہ کسی نہ کسی طرح آج ادھر پہنچ گئی تھی کہ اللہ اس سے بات کرتا تھا' پھر اپنی پارسائی پر غرور اور دوسرے کی تحقیر کیسی؟

اس کے آنسو ابھی بہہ ہی رہے تھے کہ ڈرائیور سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں پانی کی بوتلیں تھیں۔

"اور جو اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کے لئے راستہ نکال ہی دیتا ہے۔"

بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ اسے لگا تھا اسکی توبہ شائد قبول ہو گئی تھی کبھی اسے لگتا تھا' ایمان اور تقویٰ بھی سانپ سیڑھی کے کھیل کی طرح ہوتا ہے' ایک صحیح قدم کسی معراج پر پہنچا دیتا ہے تو دوسرا غلط قدم گہری کھائی میں' اس نے بے ساختہ سوچا تھا۔

گاڑی گھر کے سامنے رکی' اور ڈرائیور نے ہارن بجایا۔ چوکیدار گیٹ کھول ہی رہا تھا جب اس کی نگاہ ساتھ والے بنگلے پر پڑی۔

تم جاؤ' میں آتی ہوں۔" وہ سبک رفتاری سے باہر نکلی۔"

بریگیڈیئر صاحب کا چوکیدار وہیں گیٹ پر کھڑا تھا۔ اس نے فوراً بیگ کھنگالا۔

سنو' یہ اپنے صاحب کو دے دینا۔" اور چند پمفلٹس زبردستی تھمائے' چاہے تو پڑھ لیں' کوئی دباؤ نہیں' مگر" میں واپس لینے ضرور آؤں گی۔ پکڑ لونا۔" متذبذب کھڑے چوکیدار کو پمفلٹس زبردستی تھمائے اور واپس گھر کی

طرف ہولی۔

کوئی تو ہو گا جو اسے سننا چاہے گا۔ آج نہیں۔ کل نہیں مگر کبھی تو وہ ان پمفلٹس کو کھولیں گے۔

*****

کاریڈور میں لگا سافٹ بورڈ آج کچھ زیادہ ہی چمک رہا تھا۔ یا شاید وہ اس کیلی گرافی کے کناروں پر لگی افشاں کی چمک تھی جو سافٹ بورڈ کے وسط میں آویزاں تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی دیوار کے قریب آئی۔ کیلی گرافی بہت خوبصورت تھی اس پہ حضرت محمد ﷺ کے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات کے موقع پر کہے گئے الفاظ رقم تھے۔ وہ گردن اٹھائے ان الفاظ کو پڑھنے لگی۔

عبدالرحمن بن عوف نے کہا "یارسول اللہ ﷺ آپ بھی روتے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اے ابن عوف ' یہ رحمت اور شفقت ہے۔" اور پھر رو پڑے اور فرمایا۔

بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے ' اور دل غمگین ہے ' لیکن ہم زبان سے وہی بات نکالیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! بے شک ہم تیری جدائی پر بہت غمزدہ ہیں۔"

وہ مسحور سی اسی طرح گردن اونچی اٹھائے وہ الفاظ بار بار پڑھتی گئی۔ کچھ تھا ان میں جو اسے بار بار کھینچتا تھا۔ وہ وہاں سے جا ہی نہ پا رہی تھی ' جانے کے لئے قدم اٹھاتی ' مگر وہ الفاظ اسے بار بار روک دیتے اور اور وہ واقعی رک جاتی۔

جب تفسیر کی کلاس کا وقت ہونے لگا تو وہ بمشکل خود کو وہاں سے کھینچ لائی۔ قرآن کھولتے ہوئے نظر درمیان

کے کسی صفحے پر پڑی

"ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔"

وہ صفحے پیچھے پلٹنے لگی۔ انگلی سے ورک پلٹتے ہوئے ایک اور جگہ یونہی نگاہ پھسلی۔

"آج تم ایک موت نہ مانگو' بلکہ آج تم کئی موتیں مانگو۔"

وہ سر جھٹک کر اپنے سبق پہ آئی۔

آج کی پہلی آیت ہی یہ تھی۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب تم میں سے کسی ایک پہ موت حاضر ہو جائے۔"

او ہو' مجھے کیا ہو گیا ہے؟" وہ بے بسی سے مسکرا کر رہ گئی۔ "آج تو ساری موت کی آیتیں پڑھ رہی ہوں' کہیں" "میں مرنے والی تو نہیں؟ اف محمل' فضول مت سوچو اور سبق پر دھیان دو۔

وہ سر جھٹک کر نوٹس لینے لگی۔ موت کی وصیت کے متعلق آیات پڑھی جا رہی تھیں۔

اسے یاد آیا' ابھی اس نے حدیث بھی کچھ ایسی پڑھی تھی۔

اچانک لکھتے لکھتے اس کا قلم پھسل گیا۔ وہ رک گئی اور پھر آہستہ سے سر اٹھایا۔

کیا کوئی مرنے والا ہے؟" اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ جو قرآن میں پڑھتی تھی' اس کے ساتھ پیش آ جاتا تھا' یا آنے والا ہوتا تھا۔ کبھی ماضی' کبھی حال اور کبھی مستقبل۔ کوئی لفظ' بے مقصد' بے وجہ اس کی آنکھوں سے نہیں گذرتا تھا پھر آج وہ کیوں بار بار ایک ہی طرح کی آیات پڑھ رہی تھی؟ کیا کوئی مرنے والا ہے کیا کوئی

اسے چھوڑ کر جانے والا ہے؟ کیا قرآن ذہنی طور پر اسے تیار کر رہا ہے' اسے صبر کرنے کو کہہ رہا ہے' مگر کیوں؟ کیا ہونے والا ہے؟۔

وہ بے چینی سے قرآن کے صفحے آگے پلٹنے لگی۔

"اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ایک سطر پڑھ کر اس نے ڈھیر۔۔۔۔سارے ورقے الٹے۔

"صبر کرنے والے اپنا صلہ۔۔۔"

پورا پڑھے بغیر اس نے آخر سے قرآن کھولا۔

"ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہو۔"

اور پھر وہ صفحے تیز تیز پلٹتی ایک نظر سے سب گذارتی جا رہی تھی۔

"اور کوئی نہیں جانتا وہ کون سی زمین پر مرے گا۔"

محمل کا دم گھٹنے لگا۔ بے اختیار گھبرا کر اس نے قرآن بند کیا۔ اسے پسینہ آ رہا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کچھ ہونے والا تھا۔ کیا وہ برداشت کر پائے گی؟ شاید نہیں اس میں اتنا صبر نہیں ہے۔ وہ کچھ نہ برداشت کر پائے گی۔ کبھی بھی نہیں۔ اس نے وحشت سے ادھر ادھر دیکھا۔

میڈم مصباح کا لیکچر جاری تھا۔ لڑکیاں سر جھکائے نوٹس لے رہی تھیں۔ کوئی اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ اس نے ذرا سی گردن اوپر کو اٹھائی۔ اوپر چھت تھی۔ چھت کے پار آسمان تھا۔ وہاں کوئی اس کی طرف

ضرور متوجہ تھا مگر وحشت اتنی تھی کہ وہ دعا بھی نہ مانگ سکی۔

تب ہی آیا اماں اسے دروازے میں نظر آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک چٹ تھی۔ وہ میڈم مصباح کے پاس گئیں

اور چٹ ان کی طرف بڑھائی۔ میڈم نے لیکچر روک دیا' اور چٹ تھامی۔

محمل بنا پلک جھپکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

میڈم مصباح نے چٹ پڑھ کر سر اٹھایا' ایک نگاہ پوری کلاس پر ڈالی' پھر چہرہ مائیک کے قریب کیا۔

"محمل ابراہیم پلیز' ادھر آجائیں۔"

اور اسے لگا' وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔ وہ جان گئی تھی۔ کوئی مرنے والا نہیں تھا۔ اب کسی کو نہیں مرنا

تھا۔ اس کا نام پکارا جا رہا تھا۔ اور اسکی ایک ہی وجہ تھی۔

جسے مرنا تھا' وہ مر چکا۔ کہیں کوئی' اسکا پیارا مر چکا تھا۔

وہ نیم جان قدموں سے اٹھی اور میڈم کی طرف بڑھی۔

آنکھ آنسو بہاتی ہے۔"

دل غمگین ہے۔

مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔

"اے ابراہیم۔۔۔۔ بے شک ہم تیری جدائی پر بہت غم زدہ ہیں۔

صدیوں پہلے کسی کے کہے گئے الفاظ کی باز گشت اسے سارے ہال میں سنائی دے رہی تھی۔ باقی ساری آوازیں بند

ہو گئی تھیں۔اس کے کان بند ہو گئے تھے۔زبان بند ہو گئی تھی۔

بس ایک آواز اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

آنکھ آنسو بہاتی ہے

دل غمگین ہے۔

دل غمگین ہے۔

دل غمگین ہے۔

وہ بمشکل میڈم مصباح کے سامنے کھڑی ہوئی۔

"جی میڈم؟

"آپ کا ڈرائیور آپ کو لینے آیا ہے 'ایمرجنسی ہے' آپ کو گھر جانا۔۔"

مگر وہ پوری بات سنے بغیر ہی سیڑھیوں کی طرف بھاگی،ننگے پاؤں سیڑھیاں پھلانگتی وہ تیزی سے اوپر آئی تھی۔جوتوں کا ریک ایک طرف رکھا تھا،مگر محمل کو اس وقت جوتوں کا ہوش نہ تھا۔وہ سنگ مرمر کے فرش پر ننگے پاؤں دوڑتی جا رہی تھی۔

غفران چچا کی اکارڈ سامنے کھڑی تھی۔ڈرائیور دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا،اسکا دل ڈوب کر ابھرا۔

"بی بی آپ۔۔"

"پلیز خاموش رہو۔"وہ بمشکل ضبط کرتی اندر بیٹھی۔"اور جلدی چلو۔"

اس کا دل یوں دھڑک رہا تھا گویا ابھی سینہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔

آغا ہاؤس کا مین گیٹ پورا کھلا تھا، باہر گاڑیوں کی قطار لگی تھی۔ ڈرائیو وے پہ لوگوں کا جم غفیر اکٹھا تھا۔ گاڑی ابھی گیٹ کے

باہر سڑک پر ہی تھی کہ وہ دروازہ کھول کر باہر بھاگی۔ ننگے پاؤں تارکول کی سڑک پر جلنے لگے، مگر اس وقت جلن کی پرواہ کسے تھی۔

اس میں رش میں گھرے آغا جان کو دیکھا، غفران چچا کو دیکھا، حسن کو دیکھا، وہ سب اسکی طرف بڑھے تھے، مگر وہ اندر کی طرف بڑھی تھی۔ لوگوں کو ادھر ادھر ہٹاتی وہ ان آوازوں تک پہنچنا چاہتی تھی جو لان سے آ رہی تھیں۔ عورتوں کے بین، رونے، آہ بکا کی آوازیں۔

لوگ ہٹ کر اس سفید یونیفارم اور گلابی اسکارف والی لڑکی کو راستہ دینے لگے۔ وہ بھاگتی ہوئی لان تک آئی اور پھر گھاس کے دہانے بے اختیار رُک گئی۔

لان میں عورتوں کا ہجوم اکٹھا تھا۔ درمیان میں چارپائی رکھی تھی۔ اس پر کوئی سفید چادر اوڑھے لیٹا تھا، چارپائی کے چاروں طرف عورتیں رو رہی تھیں۔ ان کے چہرے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ایک فضہ چچی تھیں۔ اور وہاں نائمہ چچی بھی تھیں۔ اور وہ سینے پہ دو ہتھڑ مارتی رضیہ پھوپھو تھیں۔ وہ اونچی آواز میں بین کرتی مہتاب تائی تھیں۔ سب تو ادھر موجود تھے۔

پھر کون تھا اس چارپائی پہ؟ کون۔۔۔ کون تھا وہ؟

اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی، وہاں سارا خاندان اکٹھا تھا، بس ایک چہرہ نہ تھا۔

اماں!" اس کے لب پھڑ پھڑائے۔"

اس نے انہیں پکارنے کے لئے لب کھولے، مگر آواز نے گویا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ وحشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شائد اسکی ماں کسی کونے میں بیٹھی ہو، مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ اسکی ماں کہیں نہیں تھی۔

محمل۔۔۔ محمل۔۔" وہ عورتیں اسے پکار رہی تھیں۔ اٹھ اٹھ کر اسے گلے لگا رہی تھیں۔ کسی نے راستہ بنا دیا تو" کوئی میت کے پاس سے اٹھ

گیا۔ کوئی اسے ہاتھ پکڑ کر چارپائی کے قریب لے آیا۔ کسی نے شانوں پہ زور دے کے اسے بٹھا دیا۔ کسی نے میت سے چہرے سے سفید چادر ہٹا دی۔ کون کیا کر رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ساری آوازیں آنا بند ہو گئیں تھیں۔ ارد گرد کی عورتوں کے لب ہل رہے تھے مگر وہ کچھ سن نہ پا رہی تھی۔ کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں رو رہی ہیں یا ہس رہی ہیں۔ وہ تو بس یک ٹک، بنا پلک جھپکے اس زرد چہرے کو دیکھ رہی تھی جو چارپائی پہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ نتھوں میں روئی ڈالی گئی تھی۔ اور چہرے کے گرد سفید پٹی تھی۔ وہ چہرہ واقعی اماں سے بہت ملتا تھا۔ بلکل جیسے اماں کا چہرہ ہو اور شاید۔۔۔۔ شاید وہ اماں کا ہی چہرہ تھا۔

اسے بس ایک پل لگا تھا یقین آنے میں۔ پھر اس کا دل چاہا کہ وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، نوحہ کرے، بین کرے، زور زور سے

چلائے، مگر وہ رحمتہ العالمین کے کہے گئے الفاظ۔۔۔

"مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔"

اور اسکے لب کھلے رہ گئے، آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی۔ زبان ہلنے سے انکاری ہو گئی۔

اسکا شدت سے دل چاہا کہ اپنا سر پیٹے، سینے پر دو ہتھڑ مار کر بین کرے۔ دوپٹہ پھاڑ ڈالے اور اتنا چیخ چیخ کر روئے کہ آسمان ہل جائے، اور پھر اس نے ہاتھ اُٹھائے بھی مگر۔۔

نوحہ کرنے والی اگر توبہ کیے بغیر مر گئی تو اس کے لئے تارکول کے کپڑے اور آگ کے شعلے کی قمیض ہو گی۔"

"جو گریبان چاک کرے اور رخساروں پر طمانچے مارے اور بین کرے 'ہم میں سے نہیں۔"

یہ ہدایت تو ابد تک کے لئے تھی۔

اس کے ہاتھ اٹھنے سے انکاری ہو گئے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن لب خاموش تھے۔

"اسے رُلاؤ' اس سے کہو اونچا رولے ' ورنہ پاگل ہو جائے گی۔"

"اس سے کہو دل ہلکا کرلے۔"

بہت سی عورتیں اس کے قریب زور زور سے کہہ رہی تھیں۔

میری بچی!" تائی مہتاب نے اسے روتے ہوئے گلے سے لگالیا۔ وہ اسی طرح ساکت سی بیٹھی میت کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو گر کر گردن پہ لڑھک رہے تھے۔ اس کا پورا چہرہ بھیگ گیا تھا، مگر زبان۔۔ زبان نہیں ہلتی تھی۔

"مسرت تو ٹھیک ٹھاک تھی' پھر کیسے۔۔۔"

"بس صبح کہنے لگی سینے میں درد ہے۔ ہم فوراً ہسپتال لے کر گئے مگر۔۔"

ادھوری ادھوری سی آوازیں اس کے ارد گرد سے آ رہی تھیں' مگر اسے سنائی نہیں دے رہی تھیں' اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اسے لگا اسے چکر آ رہے ہیں۔ عجیب سی گھٹن تھی' اس کا سانس بند ہونے لگا تھا۔

وہ ایک دم اُٹھی اور عورتوں کو ہٹاتی اندر بھاگ گئی

*****

کسی نے دروازے پہ ہلکی سی دستک دی، ایک دفعہ، دو دفعہ، پھر تیسری دفعہ، اس نے گھٹنوں پر سر رکھا ہولے سے اُٹھایا۔ دروازہ بج رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھی' بیڈ سے اتری' سلیپر پاؤں میں ڈالے' کنڈی کھولی' باہر فضہ چچی کھڑی تھیں۔

محمل بیٹا! تمہارے آغا جانی تمہیں بلا رہے ہیں۔"

آتی ہوں۔" اس نے ہولے سے کہا تو فضہ چچی پلٹ گئیں۔ وہ کچھ دیر یونہی ادھر کھڑی رہی' پھر باہر آ گئی۔" سیڑھیوں کے قریب لگے آئینے کے پاس گذرتے ہوئے وہ پل بھر کو رکی' اس کا عکس بھی رک کر اسے دیکھ رہا تھا۔

ہلکے نیلے رنگ کی شلوار قمیض پہ سفید محمل کا دوپٹہ سر پہ لیے وہ کمزور پژمردہ سی محمل ہی تھی؟ہاں شاید وہ ہی تھی' سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ کملایا ہوا لگ رہا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے گہرے تھے' وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

آغا جان کے کمرے میں سب چچا اور چچیاں موجود تھیں وسیم بھی ایک طرف کھڑا تھا۔

آؤ محمل!" اسے آتے دیکھ کر آغا جانی نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ آج اماں کو گذرے چوتھا دن" تھا۔ اور گھر والوں کا رویہ اب پہلے کی نسبت خاصا نرم تھا۔

وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس صبح' جب مسرت چچی کی ڈیتھ ہوئی' اس نے درد شروع ہوتے ہی یہ کچھ چیزیں وصیت کی تھیں تمہارے" لیے۔۔"(اسے لگ رہا تھا کہ اب وہ مزید نہیں جی پائے گی)۔۔۔" ہم نے سوچا کہ تمہیں دے ہی جائیں۔"

انہوں نے ایک طرف رکھا ڈبہ اُٹھایا۔ محمل نے سر اٹھا کر ڈبے کو دیکھا۔ یہ ڈبہ اماں کے زیورات کا تھا۔ وہ ہمیشہ اسے تالا لگا کر الماری کے نچلے خانے میں رکھتی تھیں۔

یہ ایک ڈبہ تھا' اس کی یہ چابی ہے' تم خود دیکھ لو اور ساتھ یہ کچھ رقم تھی' اس کی جمع پونجی' اس نے مجھ سے کہا' تھا کہ میں تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کروادوں مگر میں نے سوچا کہ تمہارے حوالے ہی کردوں تم بہتر فیصلہ کر سکتی ہو۔"

انہوں نے ایک پھولا ہوا لفافہ ڈبے کے اوپر رکھا۔

محمل نے لفافہ اٹھایا اور کھول کے

محمل نے لفافہ اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ اندر ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھے۔ شاید اماں نے اس کے جہیز کے لئے رکھے تھے۔ اس کا دل بھر آیا۔ اس نے لفافہ ایک طرف رکھا اور چابی سے کاسنی ڈبے کا تالا کھولا۔ اندر کچھ زیورات تھے۔ خالص سونے کے زیورات' اس نے ڈبہ بند کر دیا۔ معلوم نہیں اماں نے کب سے سنبھال رکھے تھے۔

وسیم سمیت تمام لوگ اس وصیت کے وقت موجود تھے' تم سب سے پوچھ سکتی ہو' میں نے تمہارا حق ادا کر دیا" ہے یا نہیں۔"

اس نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں' سامنے صوفوں' کرسیوں پہ بیٹھے تمام نفوس کے چہرے مطمئن تھے' مطمئن اور بے نیاز۔

چیزیں تو آپ نے ادا کر دی ہیں آغا بھائی! مگر مسرت کی وصیت؟" دفعتاً فضہ چچی نے اضطراب سے پہلو" بدلا۔

او ہو فضہ! ابھی اس کی اماں کو گذرے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" تائی مہتاب نے نگاہوں سے تنبیہہ کی۔

"مگر بھائی! مسرت نے کہا تھا کہ جلد از جلد۔

رہنے دو فضہ! ہم اس کا فیصلہ محمل پر چھوڑ چکے ہیں۔ اسکی مرضی کے"

"بغیر کچھ نہیں ہو گا۔

"مگر ایٹ لیسٹ اسے بتا تو دیں۔"

"ابھی اس کا غم ہلکا ہونے دو پھر۔۔۔"

ان کی دبی دبی سرگوشیاں اسے بے چین کر گئیں۔

"تائی اماں! کیا بات ہے اماں نے کچھ اور بھی کہا تھا؟"

سب ایک دم خاموش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"محمل! میں تمہیں کچھ دن تک بتا دوں گی ابھی اس قصے کو چھوڑو۔"

"پلیز تائی اماں! مجھے بتائیں۔"

"مگر تمہارا غم ابھی۔۔"

میں ٹھیک ہوں مجھے بتائیں۔" اس نے بے چینی سے بات کاٹی۔"

بات یہ ہے کہ مسرت نے مرنے سے پہلے وسیم کو بلوا کر ان سب کے سامنے تمہارے آغا جان سے کہا تھا کہ اگر"
وہ نہ بچ سکے تو جتنی

جلدی ہو سکے ہم محمل کو وسیم کی دلہن بنا کر سہارا دیں اسے بے سہارا نہ چھوڑیں۔ اور تمہارے آغا جان نے
وعدہ کر لیا کہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

وہ اپنی جگہ سن سی ہو گئی۔ "زمین جیسے قدموں تلے سے سرکنے لگی تھی۔ اور آسمان سر سے ہٹنے لگا تھا،

"اماں نے یہ سب کہا؟"

"ہاں' یہ سب لوگ جو یہاں موجود ہیں اس بات کے گواہ ہیں' تم کسی سے بھی پوچھ لو۔"

وہ ایک دم بلکل چپ ہی ہو گئی۔ عجیب سی بات تھی' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

لیکن محمل!" ہم نے یہ فیصلہ تم پر چھوڑ دیا ہے' تم چاہو تو یہ شادی کرو' چاہو تو نہ کرو' ہم نے تمہیں اس لئے آگاہ کیا ہے کہ یہ تمہاری ماں

کی آخری خواہش تھی۔ یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس کی بات رکھتی ہو یا نہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تم پر زور نہیں ڈالے گا۔"

وہ سر جھکائے کاسنی ڈبے کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن میں جیسے جھکڑ چل رہے تھے۔

مگر یہ ڈبہ اور لفافہ ثبوت تھے کہ یہ وصیت اس کی ماں نے ہی کی تھی۔

اگر تمہیں منظور رہے تو ہم اگلے جمعے کو نکاح رکھ لیتے ہیں کہ مسرت کی خواہش تھی کہ یہ کام جلد از جلد کیا جائے' اگر نہیں تو کوئی بات نہیں' تم جو چاہو گی وہی ہو گا۔۔" تائی مہتاب اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔۔

اس نے ہولے سے سر اٹھایا۔۔ سنہری آنکھیں پھر سے بھیگ چکی تھیں۔ کمرے میں موجود تمام نفوس دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں اپنی ماں کی بات کا مان رکھوں گی۔ آپ جب کہیں گی' میں شادی کے لئے تیار ہوں۔"

پھر وہ رکی نہیں' ڈبہ اور لفافہ اٹھا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

****

وہ کچن میں کرسی پر بیٹھی تھی' ہاتھ میں صبح وشام کی دعاؤں اور اذکار کی کتاب تھی اور وہ منہمک سی پڑھ کر دعا مانگ رہی تھی۔

ہم نے صبح کی فطرت اسلام پہ"

اور کلمہ اخلاص۔

اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پہ

اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پہ

"جو یکسو مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

محمل۔۔۔!"کسی نے زور سے کچن کا دروازہ کھولا۔اس نے چونک کر سر اٹھایا۔سامیہ عجلت میں اندر داخل ہوئی۔

"تم سے ملنے کوئی آیا ہے' ڈرائنگ روم میں ہے' جا کر مل لو۔"

"کون ہے؟"

وہی پولیس والا!" وہ کہہ کر پلٹ گئی۔"

ہمایوں آیا ہے؟"وہ کتنی دیر ہی کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی' پھر آہستہ سے اسے بند کیا' سلیب پہ رکھا' لباس کی شکنیں درست کیں اور سیاہ دوپٹہ ٹھیک سے سر پہ لے کر باہر آ گئی۔

ڈرائنگ روم سے مسلسل باتوں کی آوازیں آ رہی تھی جیسے وہ لوگ گفتگو میں مشغول ہوں۔۔یہ ہمایوں سے کون

باتیں کر رہا ہے؟ وہ الجھتی ہوئی اندر آئی' ڈرائنگ روم اور ڈائننگ ہال کے درمیان سفید جالی دار پردہ تھا۔ وہ پردے کے پیچھے ذرا دیر کو رُکی۔

سامنے صوفے پہ ہمایوں بیٹھا تھا۔ اس کے بالکل مقابل صوفے پر آرزو بیٹھی تھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے۔ آدھی پنڈلی تک ٹراؤزر پہنے وہ اپنے مخصوص بے نیاز حلیے میں تھی' کٹے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرتی وہ ہنس ہنس کر ہمایوں سے کچھ کہہ رہی تھی۔ جانے کیوں اسے یہ اچھا نہ لگا۔ اس نے ہاتھ سے پردہ سمیٹا اور اندر قدم رکھا۔

وہ جیسے اسے دیکھ کر کچھ کہتے کہتے رکا پھر بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ بلیو شرٹ اور گرے پینٹ میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح بہت شاندار لگ رہا تھا۔ آغا جان اسے پسند نہیں کرتے تھے' پھر بھی اندر آنے دیا گیا۔ شاید اس لیے کہ اب ان کی بہو بننے والی تھی اور اس کو وہ ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔

السلام علیکم!۔ وہ آہستہ سے کہہ کر سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ وہ آہستہ سے کہہ کر سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی، آرزو کے چہرے پہ ذرا سی ناگواری ابھری' جسے ہمایوں نے نہیں دیکھا تھا' وہ پوری طرح محمل کی طرف متوجہ تھا۔

مجھے مسز ابراہیم کی ڈیتھ کا پتا بہت دیر سے چلا' میں کراچی گیا ہوا تھا' آج ہی آیا ہوں' فرشتے نے جیسے ہی بتایا۔ میں آ گیا۔ آئی ایم سوری محمل! واپس بیٹھتے ہوئے وہ بہت تاسف سے کہہ رہا تھا۔

محمل نے جواب دینے سے پہلے ایک نظر آرزو کو دیکھا۔

آرزو باجی! آپ جا سکتی ہیں' اب میں آ گئی ہوں۔

ہاں شیور۔ آرزو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر جاتے ہوئے ان کو شادی کا کارڈ دے دینا۔ "استہزائیہ مسکرا کر وہ گویا جتا کر گئی تھی۔ محمل کے سینے میں ہوک سی اُٹھی۔

کس کی شادی؟" وہ چونکا تھا۔"

محمل کی شادی' وسیم کے ساتھ' آپ کو نہیں پتا اے ایس پی صاحب؟ اسی فرائیڈے ان کا نکاح ہے' آپ ضرور" 'آئیے گا' میں آپکا کارڈ نکلوا دیتی ہوں

ٹھہریے!" وہ خوش دلی سے کہتی باہر نکل گئی۔

کتنے ہی لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔

یہ کیا کہہ رہی تھی؟" وہ بولا تو اس کی آواز میں حیرت تھی' بے پناہ حیرت۔"

ٹھیک کہہ رہی تھی۔" وہ سر جھکائے ناخن کھرچتی رہی۔"

"مگر کیوں محمل؟"

"آپ غالباً تعزیت کے لئے آئے تھے۔"

"پہلے میری بات کا جواب دو' تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟'

میں آپ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں' اس نے تلملا کر سر اُٹھایا۔" یہ میری ماں کی آخری خواہش" "تھی' مرتے وقت انہوں نے ہی یہ وصیت کی تھی۔

تمہیں کیسے پتا؟ تم تو ان کی ڈیتھ کے وقت مدرسے میں تھی۔

ہاں" مگر انہوں نے آغا جان سے کہا تھا سب لوگ وہاں موجود تھے"

"سب گواہ ہیں۔

تم!" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا' وہ کیا کر ڈالے۔ "تم انتہائی بے وقوف اور احمق

ہو۔"

میں اپنی ماں کی بات کا مان رکھنا چاہتی ہوں' اس میں کیا حماقت ہے؟" وہ چڑ گئی۔"

"نادان لڑکی! تمہیں یہ لوگ بے وقوف بنا رہے ہیں' استحصال کر رہے ہیں۔"

کرنے دیں' آپ کو کیا ہے؟" وہ پیر پٹختی کھڑی ہو گئی۔ "آپ میرے کون ہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے

ہیں۔"

میں جو بھی ہوں مگر تمہارا دشمن نہیں ہوں۔" وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا' اسکی آواز میں بے بسی تھی۔ کبھی یہ"

ہی بات اس نے بہت اکھڑے لہجے میں بھی کہی تھی۔ جب وہ مدرسے کے باہر اسے لینے آیا تھا۔' اور

اس رات کی صبح اس کی زندگی اجاڑ گئی تھی۔

اگر آپ کے دل میں میری ماں کا ذرا سا بھی احترام ہے تو مجھے وہ کرنے دیں جو میری ماں چاہتی"

تھی۔ ماں' باپ کبھی اولاد کا برا نہیں چاہتے اسی میں کوئی بہتری ہو گی' آپ جا سکتے ہیں۔" وہ ایک طرف ہٹ کر

کھڑی ہو گئی۔

اسی پل پردے ہٹا کر آرزو نمودار ہوئی۔

آپ کا کارڈ' آئیے گا ضرور۔" اس نے مسکرا کر کارڈ ہمایوں کی طرف بڑھایا۔ ہمایوں نے ایک قہر آلود نظر کارڈ پر

ڈالی' اور دوسری محمل پر' پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

نو پرابلم۔" آرزو نے شانے اچکا کر کارڈ لیے واپس مڑ گئی۔"

اماں!" وہ کراہ کر صوفے پہ گر سی گئی۔ یہ اماں اسے کس منجدھار میں چھوڑ کر چلی گئیں تھیں؟ کیوں کیا'

انہوں نے یہ فیصلہ؟ کیوں

اماں؟" وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے سوچتی رہ گئی۔

****

سارے گھر میں دبا دبا سا شادی کا شور اُٹھ چکا تھا' گو کہ ابھی صرف نکاح تھا۔ مگر تائی مہتاب بھرپور تیاریاں کر رہی

تھیں۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ فواد جلد ہی گھر واپس آرہا تھا۔ اس خبر سے محمل کو تو کوئی اثر نہ ہوا البتہ تائی

اماں اپنی اندرونی خوشی چھپائے سب کچھ محمل پہ ڈال گئیں تھیں۔

سوچ رہے ہیں تھوڑا گہما گہمی والا فنکشن رکھ لیں، تا کہ محمل کا دل بہل جائے، ورنہ سچ پوچھو تو مسرت کے"

جانے بعد وہ بہت بجھ سی گئی ہے۔ اب ہمارا تو دل نہیں چاہتا کہ زیادہ شور شرابا ہو، مگر بس محمل اچھا محسوس کر

ے اس لئے۔"

وہ کسی نہ کسی کو ہر وقت فون پر وضاحتیں دے رہی ہوتی تھیں۔

محمل چپ چاپ کچن کے کام نمٹاتی رہتی، جیسے وہ خاموش ماتم کر رہی تھی، نمازیں، تسبیحات، دعائیں سب کر رہی تھی، ہاں مدرسے وہ ابھی نہیں جا رہی تھی، مسجد جا کر سکون ملتا تھا۔ اور وہ فی الحال سکون نہیں چاہتی تھی۔ وہ صرف اور صرف ماتم چاہتی تھی۔ مسرت کا یا شاید اپنا، وہ نہیں جانتی تھی۔

فون کی گھنٹی بجی، تو وہ جو رومال سے میز صاف کر رہی تھی۔ آہستہ سے رومال چھوڑ کر اٹھی۔

سٹینڈ پر رکھا فون مسلسل بجے جا رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی نزدیک آئی اور ریسیور اٹھایا۔

"السلام علیکم!"

وعلیکم السلام، محمل؟ نسوانی آواز ریسیور میں گونجی، وہ لمحے بھر میں ہی پہچان گئی۔"

فرشتے؟ کیسی ہیں آپ؟"

میں ٹھیک ہوں۔ ہمایوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم۔۔" فرشتے قدرے پریشانی سے کہہ رہی تھی کہ اس نے تیزی سے بات کاٹی۔

"ہمایوں ہر بات آپ کو کیوں جا کر بتاتے ہیں؟ ان سے کہیں ایسا مت کیا کریں۔"

"مگر محمل۔۔۔ تم اسطرح کیسی؟"

آپ لوگ مجھے احمق کیوں سمجھتے ہیں؟ کیوں میرے لیے پریشان ہو رہے ہیں؟ میری ماں میرے لیے غلط "نہیں سوچ سکتی، پلیز مجھے میری زندگی کے فیصلے خود کرنے ہیں۔

محمل! اب میں تمہیں کیا کہوں! اچھا ٹھیک ہے جو کرنا سوچ سمجھ کے کرنا اوکے چلو اب ہمایوں سے بات کرو۔"

"ارے نہیں۔۔" وہ روکتی رہ گئی مگر فرشتے نے فون اسے پکڑا دیا۔"

اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے اور تمہارے وہ فیری ٹیل سسرال والے اجازت دیں تو کیا میں اور فرشتے تمہاری شادی کے فنکشن میں آسکتے ہیں؟

او نہوں ہمایوں! پیچھے سے فرشتے کی تنبیہی آواز ابھری۔"

کیوں محمل! میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ طنزیہ بولا تھا۔"

"ہاں شیور کیوں نہیں۔ جمعہ کو رات آٹھ بجے فنکشن ہے۔ ضرور آئیے گا، اللہ حافظ۔"

اس نے کھٹ سے فون بند کر دیا۔ غصہ اتنا ابل رہا تھا کہ فرشتے سے بھی بات کرنے کو جی نہیں چاہا تھا۔ فون کی گھنٹی پھر سے بجنے لگی، مگر وہ سر جھٹک کر میز کی طرف بڑھ گئی جہاں جھاڑ پونچھ کا رومال اس کا انتظار کر رہا تھا۔

****

بیوٹیشن نے کام دار دوپٹہ اس کے سر پر رکھا، اور پھر اسے ایک ہاتھ سے پکڑے، وہ جھک کر ڈریسنگ ٹیبل سے پنیں اٹھانے لگی۔ محمل بت بنی سٹول پر بیٹھی سامنے آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی، بیوٹیشن اس کے پیچھے کھڑی اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔

وہ کام دار شلوار قمیض گہرے سرخ رنگ کی تھی۔ جس پہ سلور سلمیٰ ستارے کا کام تھا۔ دوپٹے کے بارڈر پر بھی

چوری پٹہ کی صورت میں سلور کام کیا گیا تھا۔ ساتھ میں نازک سا وائٹ گولڈ اور روبی کا نیکلس تھا۔ اور ایک خوبصورت قیمتی سا ٹیکہ جس میں بڑا سا سرخ روبی جڑا تھا۔ اس کے ماتھے پہ سجا تھا، پتہ نہیں تائی نے کب یہ سب بنوایا تھا، وہ چپ چاپ ہر چیز پہنتی گئی۔

گھر میں ہونے والے ہنگاموں سے کہیں نہیں لگتا تھا کہ مسرت کو مرے ہوئے ابھی بیس دن ہی ہوئے تھے۔ مگر وہ شکوہ کس سے کرتی؟ مسرت کی زندگی میں بھی ان کی اتنی اہمیت کہاں تھی کہ مرنے کے بعد کوئی انہیں یاد رکھتا؟ اور سنا تھا، آج تو فواد بھی آ گیا تھا، پھر کا ہے کا ماتم؟

وہ اپنے کمرے کے بجائے تائی کے کمرے میں تھی، تاکہ وہ ٹھیک سے تیار ہو جائے۔ اسے تیار کرنے کے لیے وہ ماہر بیوٹیشن لڑکی بلوائی تھی جو کافی دیر سے اس پہ لگی ہوئی تھی۔

دفعتاً باہر لاؤنج سے چند آوازیں گونجی۔ وہ ذرا سی چونکی، کیا فواد آ گیا تھا؟ مگر نہیں یہ آواز تو۔۔

سنو۔ یہ دروازہ تھوڑا سا کھول دو۔" بے چینی سے اس بیوٹیشن سے کہا، تو وہ سر ہلاتی آگے بڑھی اور لاؤنج میں" کھلنے والا دروازہ کھول دیا۔

سامنے لاؤنج کا منظر آدھا نظر آ رہا تھا۔ اور اس کا شک درست تھا۔

تم۔۔۔ تم ادھر کیوں آئی ہو؟ تائی مہتاب کی تلملاتی بلند آواز اندر تک سنائی دے رہی تھی۔

فرمت کریں میں رنگ میں بھنگ ڈالنے نہیں آئی' محمل کی شادی تھی میرا آنا فرض بنتا تھا۔" وہ اطمینان سے" کہتی سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ادھ کھلے دروازے سے وہ محمل کو صاف نظر آ رہی تھی۔

سیاہ عبایا کے اوپر سیاہ حجاب کے تنگ ہالے کو چہرے کے گرد لپیٹے وہ بے نیازی سے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

محمل نے لمحے بھر کو محسوس کرنا چاہا کہ اسے فرشتے کے آنے سے خوشی ہوئی ہے۔ مگر اسے اپنے محسوسات بہت جامد سے لگے، برف کی طرح ٹھنڈے۔

اندر باہر خاموشی ہی خاموشی تھی۔ فرشتے آئے یا فواد اب اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"مگر ہم تمہارا اس گھر سے کوئی رشتہ تسلیم نہیں کرتے۔"

نہ کریں مجھے پرواہ نہیں ہے۔" وہ اب ہاتھ میں پکڑے موبائل کے بٹن دباتی اس طرف یوں متوجہ تھی کہ جیسے سامنے بل کھاتی تائی مہتاب کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ فرشتے کے پاس موبائل نہیں تھا وہ شائد ہمایوں کو موبائل لے کر آئی تھی۔

"دیکھو لڑکی! تمہارا محمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم چلی جاؤ اس سے پہلے کہ میں گارڈ کو بلواؤں۔"

'پھر آپ گارڈ کو بلوالیں کیونکہ میں ایسے تو جانی والے نہیں ہوں سوری۔"

"تم کیسے نہیں جاؤں گی تمہارا تعلق۔۔

"مسز کریم! میں موبائل پہ بزی ہوں، آپ دیکھ رہی ہیں مجھے ڈسٹرب مت کریں اور پلیز محمل کو بلا دیں۔"

وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی موبائل پہ چہرہ جھکائے ہوئے مصروف تھی۔ محمل کی لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ چھو گئی۔ فرشتے بدتمیز یا بدلحاظ نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ازلی اور باوقار انداز میں تائی کو بہت آرام سے جواب دے رہی

تھی' البتہ محمل بد تمیزی کر جاتی تھی' اسے لگتا تھا وہ کبھی فرشتے کی طرح بااعتماد اور پر وقار نہیں بن سکے گی۔

محمل تم سے نہیں ملے گی تم جا سکتی ہو۔

آغا جان کی آواز پر موبائل پر مصروف فرشتے نے سر اٹھایا۔ وہ سامنے سے چلے آرہے تھے۔ کلف لگے شلوار قمیض میں ملبوس کمر پہ ہاتھ رکھے وہ غیض و غضب کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

السلام علیکم کریم چچا! وہ موبائل رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ ازلی اعتماد اور سکون تھا۔

فرشتے! تم یہاں سے جا سکتی ہو۔"

آپ مجھے نکال سکتے ہیں؟ وہ ذرا سا مسکرائی۔

"آپ کو لگتا ہے کریم چچا کہ آپ مجھے یہاں سے نکال سکتے ہیں۔؟'

میں نے کہا' یہاں سے جاؤ۔ وہ ایک دم غصے سے دھاڑے تھے۔

میں بھی اتنا ہی اونچا چیخ سکتی ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گی' میں یہاں یہ کرنے نہیں آئی۔ میں صرف محمل سے ملنے آئی ہوں۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے پر اعتماد سی ان کے پاس کھڑی تھی۔

لاؤنج میں سب اکٹھے ہونے لگے۔ لڑکیاں ایک طرف لاعلم سی کھڑی اشاروں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں۔ غفران چچا' فضہ چچی اور ناعمہ چچی بھی وہاں ہی آ گئی۔ حسن بھی شور سن کر سیڑھیوں سے اتر آیا تھا۔ لاؤنج کے بیچوں بیچ آغا خان کے سامنے کھڑی وہ دراز قد عبایا والی لڑکی کون تھی؟ بہت سی آنکھوں میں سوال تھا۔

تمہارا محمل سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ تم سے نہیں ملے گی سنا تم نے؟

"آپ ہی یہ بات محمل کو بلوا کر پوچھ لیں ناں کریم چچا! کہ وہ مجھ سے ملے گی یا نہیں۔"

ہم تمہیں نہیں جانتے کہ تم کون ہو کہاں سے اٹھ کر آ گئی ہو۔ تم فوراً نکل جاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

آغا جان! یہ کون ہیں؟ حسن الجھا ہوا آگے بڑھا۔

تم بیچ میں مت بولو۔" انہوں نے پلٹ کر اتنی بری طرح سے جھڑکا کہ حسن خائف سا ہو گیا۔"

ہٹو۔" بیوٹیشن کا ہاتھ ہٹا کر وہ اٹھی اور کامدار دوپٹہ سنبھالتے ننگے پاؤں باہر کو لپکی۔

آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں؟" لاؤنج کے سرے پر وہ رک کر بولی۔ تو سب نے چونک کر اس کی طرف"

دیکھا۔ فرشتے ذرا سا مسکرائی۔

کریم چچا کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے نہیں ملو گی؟'

محمل تم اندر جاؤ۔ تائی مہتاب پریشانی سے آگے بڑھیں۔

آغا جان! تائی اماں! فرشتے کو میں نے خود شادی میں انوائیٹ کیا ہے۔ آپ گھر آئے مہمان کو کیسے نکال سکتے

ہیں؟

تم نے؟ تائی مہتاب بھونچکی رہ گئیں۔ تم جانتی ہو اسے؟

ہاں۔ میں انہیں جانتی ہوں۔

اور یہ کیسے نہیں جانتی ہوں گی، ان کے عاشق کی عزیزہ ہیں ناں یہ۔

کوئی تمسخرانہ انداز میں کہتا سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ محمل نے چونک کر گردن اٹھائی۔ وہ فواد تھا۔

ہشاش بشاش چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ لیے، وہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

یہ کون ہیں؟ فرشتے نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھ کر محمل کو مخاطب کیا۔

"یہ اس ملک میں قانون کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن کو قانون زیادہ دیر حراست میں نہیں رکھ سکتا۔

ایک جتاتی نظر فواد پر ڈال کر اس نے چہرہ موڑ لیا تھا۔ "آپ اندر آجائیں فرشتے! بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔

ہرگز نہیں۔" تائی تیزی سی آگے بڑھیں۔"

محمل! یہ لڑکی فراڈ ہے یہ صرف ابراہیم کی جائیداد کے پیچھے ہے۔

وہ تو آپ بھی ہیں مہتاب آنٹی! اور شاید اسی لیے محمل کو بہو بنا رہی ہیں؟

اس نے فرشتے کو کسی سے اتنی دوٹوکی سے بات کرتے آج پہلی بار دیکھا تھا۔ مگر اسے حیرت نہیں ہوئی تھی۔

"یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے تم بیچ میں مت بولو۔

میں بیچ میں بولوں گی، محمل کے لیے میں ضرور بولوں گی۔ وہ پلٹی اور محمل کو دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔

محمل! مجھے بتاؤ ان لوگوں نے تمہارے ساتھ زبردستی کی ہے؟ یہ تمہیں کیوں مجبور کر رہے ہیں اس شادی پہ۔"

مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا، یہ میرا اپنا فیصلہ ہے، میں اس پہ خوش ہوں۔

فرشتے ایک دم چپ سی رہ گئی۔ اس کے شانوں پہ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔

سن لیا تم نے ؟اب جاؤ۔ آغا خان نے استہزائیہ سر جھٹکا اور دوازے کی طرف اشارہ کیا، مگر وہ ان کی طرف متوجہ نہ تھی۔

محمل تم نے اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کیسے کر لیا۔ ؟وہ دکھ سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جب کسی کو اپنا مخلص دوست کہا جاتا ہے تو اتنے بڑے فیصلوں سے قبل اسے مطلع بھی کیا جاتا ہے۔

میں آپ کو بتانے ہی۔۔۔۔

میں اپنی بات نہیں کر رہی۔۔

پھر ؟کون ؟وہ چونکی۔ کیا ہمایوں ؟اس کا نام اس نے بہت آہستہ سے لیا تھا۔

میں۔۔۔وہ مزید اس کے قریب آئی اور اسکی آنکھوں میں دیکھتی دھیرے سے بولی۔ میں اس مصحف کی بات کر رہی ہوں جس کے اتارنے والے سے تم نے سمعنا واطعنا (ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی) کا وعدہ کیا تھا ۔ کیا تم نے اسے بتایا؟

فرشتے !وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔ اللہ کو سب پتہ ہے، میں کیا بتاؤں؟

کیا تمہیں دن میں پانچ بار اپنی اطاعت کا بتانا نہیں پڑتا؟ پھر اپنے فیصلوں میں تم اسے کیسے بھول سکتی ہو؟

محمل ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فرشتے کیا کہہ رہی ہے، کیا سمجھانا چاہ رہی ہے۔

مگر میں نے نماز تسبیح کچھ نہیں چھوڑا، میں ساری نمازیں پڑھتی ہوں۔ وہ دونوں بہت مدھم سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں۔

لیکن کیا تم نے اس کی سنی؟ اس نے کچھ تو کہا ہوگا تمہارے فیصلے پر۔ فرشتے نے ابھی تک اسے کندھوں سے تھام رکھا تھا۔ وہ یک ٹک اسے تکے جا رہی تھی۔

محمل! تم اس کی بات سنتیں تو سہی۔ اس سے پوچھتیں تو سہی، اس سے پوچھتیں تو سہی! تم قرآن کھولو اور سورہ مائدہ کا ترجمہ دیکھو۔ اس کی آواز میں تاسف گھل گیا۔ محمل نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹائے اسے لگا اس سے غلطی ہو گئی ہے۔

میں ابھی آتی ہوں، آپ جائیے گا نہیں۔

وہ کام دار دوپٹے کا پلو انگلیوں سے تھامے ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی کمرے کی طرف گئی۔

محترمہ! آپ جا سکتی ہیں۔ فواد نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ اس میں ٹھہرنے کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں چاہیے۔ وہ رکھائی سے کہتی صوفے پہ بیٹھی اور موبائل اٹھالیا۔

فواد اور آغا جان نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نگاہوں میں۔ اشاروں کا تبادلہ کیا اور پھر آغا جان بھی گہری سانس لیتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔ تقریب شروع ہونے میں دو ڈھائی گھنٹے رہتے تھے۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

محمل دوڑتے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ دروازے کی چٹخنی چڑھا کر وہ شیلف کی طرف لپکی۔

سب سے اوپر والے خانے میں اس کا سفید جلد والا مصحف رکھا تھا، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اوپر رکھا مصحف اٹھایا۔ اور آہستہ سے اسے دونوں ہاتھوں میں تھامے اپنی چہرے کے سامنے لائی۔ اسے

سب یاد رہا۔ صرف یہ بھول گیا کیوں؟

وہ اسے مضبوطی سے پکڑے بیڈ پہ آبیٹھی اور کور کھولا۔

وہ سورہ مائدہ 106 آیت تھی،

"اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو۔۔

چند الفاظ پڑھ کر ہی اس کا دل بری طرح سے دھڑکا۔ اس نے زور سے پلکیں جھپکیں، کیا وہ سب واقعی ادھر لکھا تھا۔؟ وصیت۔۔ موت کا وقت۔۔۔۔ وصیت

مسرت نے مرتے وقت وصیت کی تھی۔۔۔

تمہارا رشتہ وسیم سے۔۔۔ بہت سی آوازیں ذہن میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے پڑھنے لگی۔

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو۔ تو اس کے" لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر لوگوں میں ہی دو گواہ لے لیے جائیں پھر اگر (ان کی بتائی ہوئی وصیت میں) کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو (مسجد میں) روک لیا جائے اور وہ قسم کھا

کر کہیں کہ ہم کسی فائدے کے عوض شہادت بیچنے والے نہیں ہیں۔ اور خواہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں) اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپانے والے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گاروں میں شمار ہوں گے۔"

وہ ساکت سی ان الفاظ کو دیکھ رہی تھی۔ اسکی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ قرآن کو تھامے دونوں ہاتھ بے جان سے ہو گئے تھے۔ کیا وہ سب واقعی یہاں لکھا تھا۔ مگر۔۔۔۔ مگر کیسے؟ وصیت۔۔۔۔ دو افراد کی قسم کھا کر گواہی۔۔۔۔ رشتہ دار یہ سب تو۔۔۔ یہ سب تو اس کے ساتھ ہو رہا ہے۔

وہ پلک تک نہ جھپک پائی۔ اس کا دل جیسے رعب سے بھر گیا تھا رعب سے اور خوف سے۔

یکایک اسے لگا اس کے ہاتھ کپکپا رہے ہیں۔ اسے ٹھنڈے پسینے آرہے ہیں۔ وہ بہت بھاری کتاب تھی۔ بہت بھاری بہت وزنی، جس کا بوجھ پہاڑ بھی نہ اٹھا سکتے ہوں۔ وہ کیسے اٹھا سکتی تھی؟ اسے لگا اس کی ہمت جواب دے جائے گی۔ اب وہ مزید بوجھ نہیں اٹھا پائے گی۔ وہ عام کتاب نہیں تھی۔ اللہ کی کتاب تھی۔ اسے اللہ نے اس کے لیے خاص اس کے لیے اتارا تھا۔ ہر لفظ ایک پیغام تھا۔ ہر سطر ایک اشارہ تھی۔ اس نے اتنی زندگی ضائع کر دی۔ اس نے یہ پیغام کبھی دیکھا ہی نہیں۔

محمل! تم نے اتنی عمر بے کار گذار دی۔ یہ کتاب غلاف میں لپیٹ کر اوپر سجانے کے لیے تو نہ تھی۔ یہ تو پڑھنے کے لیے تھی۔

ہر دفعہ کی طرح آج بھی اس کتاب نے اسے بہت حیران کیا۔ سوچنا سمجھنا تو دور کی بات۔ وہ تو متحیر سی ان الفاظ کو دیکھے جا رہی تھی۔ یہ سب کیا تھا؟ کیسے اس کتاب کو سب پتہ ہوتا ہے؟

کیونکہ یہ اللہ کی کتاب ہے نادان لڑکی! یہ اللہ کی بات ہے۔ اس کا پیغام ہے، خاص تمہارے لیے، تم لوگ نہ سننا چاہو تو یہ الگ بات ہے۔ کسی نے اس کے دل سے کہا تھا۔

وہ کون تھا؟ وہ نہ جانتی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر سب بے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ آہستہ سے چلی آرہی تھی۔ کام دار دوپٹے کا کنارہ ٹھوڑی کے قریب سے اس نے دو انگلیوں میں لے رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت قدرے سفید پڑی ہوئی تھی ہاں شاید یہ کچھ اور تھا جو انہیں چونکا گیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

آغا جان! اس نے ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اس کے اجنبی لہجے سے چونک گئے۔

ہاں، بولو۔۔۔

میری ماں کی وصیت کے وقت موجود لوگوں میں کون سے دو لوگ عصر کی نماز کے بعد اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر گواہی دیں گے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی یا نہیں؟

پل بھر میں لاؤنج میں سکوت سا چھا گیا، فرشتے نے مسکراہٹ دبا کر سر نیچے کر لیا۔

آغا جان حیران سے کھڑے ہوئے۔

کیا مطلب؟

آپ کو پتہ ہے سورۃ مائدہ میں لکھا ہے نماز کے بعد آپ میں سے دو لوگوں کو اللہ کے نام کی قسم کھا کر گواہی دینی پڑے گی۔

کیا بکواس ہے؟وہ حسب توقع بھڑک اٹھے۔

تمہیں ہماری بات کا اعتبار نہیں ہے؟

نہیں ہے!۔۔

تم!وہ غصہ ضبط کرتے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے۔

تب ہی نگاہ فرشتے پر پڑی تو اس نے شانے اچکا دیے۔

میں نے تو کچھ نہیں کیا کریم چچا؟

تم سے تو میں بعد میں۔۔۔

آپ لوگ گواہی دیں گے یا نہیں؟وہ ان کی بات کاٹ کر زور سے بولی تھی۔پھر چہرے کا رخ صوفے پہ بیٹھے نفوس کی طرف موڑا۔کون کون تھا اس وقت آپ میں سے ادھر؟کون دے گا گواہی؟کون اٹھائے گا قسم بولیے۔جواب دیجیے۔

سب خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

اسے اس کے سارے جواب مل گئے تھے۔کاش وہ پہلے اس آیت کو پڑھ لیتی تو اتنا غلط فیصلہ نہ کرتی۔سہی کہتا ہے اللہ ہماری بہت سہ مصیبتیں ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہیں۔

تو آپ لوگوں نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ بہت بہتر۔ مجھے اب کوئی شادی نہیں کرنی۔ اس نے ماتھے پہ جھولتا ٹیکا نوچ کر سامنے پھینکا۔ نازک سا ٹیکہ ایک آواز کے ساتھ میز کے شیشے پہ گرا۔

اب میرا فیصلہ بھی سن لو۔ آغا جان نے گہری سانس لی۔ مگر پہلے تم لڑکی۔۔ انہوں نے حقارت سے فرشتے کو اشارہ کیا۔ تم مجھے یہاں سے چلتی نظر آؤ۔

میرے باپ کا گھر ہے میں تو کہیں نہیں جاؤں گی۔

ٹھیک ہے فواد، انہوں نے فواد کو اشارہ کیا۔ وہ سر ہلا کر آگے بڑھا اور صوفے پر بیٹھی فرشتے کو ایک دم بازو سے کھینچا۔

چھوڑو مجھے۔ وہ اس اچانک افتاد کے لیے تیار نہ تھی۔

بے اختیار چلا کر خود کو چھڑانے لگی۔ مگر وہ اسے بازو سے کھینچ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے جانے لگا۔ اسی پل آغا جان محمل کی طرف بڑھے۔

تو تم یہ شادی نہیں کرو گی؟

ہاں ہر گز نہیں کروں گی۔ میری بہن کو چھوڑو۔ وہ غصے سے فواد پہ جھپٹنا ہی چاہتی تھی جو فرشتے کو زبردستی باہر لے کر جا رہا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی آغا جان نے اسے بالوں سے پکڑ کر واپس کھینچا۔

تو تم شادی نہیں کرو گی؟ انہوں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ وہ چکرا کر گری۔

تمہیں لگتا ہے کہ ہم پاگلوں کی طرح تمہاری منتیں کریں گے۔؟ تمہارے آگے ہاتھ جوڑیں گے؟ نہیں بی بی

شادی تو تمہیں کرنی پڑے گی۔ ابھی اور اسی وقت۔ اسد! نکاح خواں کو ابھی بلواؤ۔ میں بھی دیکھتا ہوں کیسے شادی نہیں کرتی۔

میں نہیں کروں گی سنا آپ نے۔۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ وہ مسلسل اسے تھپڑوں اور مکوں سے مار رہے تھے۔

میری بہن کو چھوڑو۔۔ خود کو چھڑاتی فرشتے محمل کو پٹتے دیکھ کر لمحہ بھر تو سکتہ میں رہ گئی۔ اور پھر دوسرے ہی پل فواد کو دھکا دینا چاہا، لیکن وہ مرد تھا۔ وہ اس کو دھکیل نہ سکتی تھی۔ وہ اسکا بازو پکڑتے ہوئے اسے دروازے سے باہر نکال رہا تھا۔

فواد اسے چھوڑ دو۔ یکدم حسن نے پوری قوت سے فواد کو پیچھے دھکیلا تھا۔ فواد اس حملے کے لیے تیار نہ تھا، وہ ایک دم بوکھلا کر پیچھے کو ہٹا۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی، اور فرشتے بازو چھڑاتی محمل کی طرف بھاگی۔ جسے آغا جان ابھی تک مار رہے تھے۔ فواد نے غصے سے حسن کو دیکھا۔ مگر اس سے پہلے کہ اسے کچھ سخت کہتا فضہ نے حسن کو بازو سے کھینچ کر ایک طرف کر دیا۔

میری بہن کو چھوڑیں، ہٹیں۔ وہ چیختی ہوئی آغا جان کا ہاتھ روکنے لگی۔

، مگر انہوں نے ساتھ ہی ایک زوردار طمانچہ اس کے چہرے پر مارا۔ فرشتے تیورا کر ایک طرف کو گری۔ منہ میز کے کونے سے لگا۔ ہونٹ کا کنارہ پھٹ گیا۔ لمحے بھر کو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا۔ اگلے ہی منٹ وہ خود کو سنبھال کر تیزی سے اٹھی۔

محمل اپنے بازو چہرے پہ رکھے، روتی ہوئی اپنا کمزور سا دفاع کر رہی تھی۔ اب کی بار فرشتے نے آغا جان کا ہاتھ نہیں روکا، بلکہ محمل کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا۔ محمل گٹھڑی بنی چند قدم پیچھے کھینچتی چلی گئی۔ اس کا دوپٹہ سر سے اتر کر پیچھے ڈھلک گیا، بالوں کی لٹیں جوڑے سے نکل کر چہرے پہ بکھر گئیں۔

اس سے پہلے کہ آغا جان اپنے اور محمل کے درمیان چند قدم کا فاصلہ عبور کر پاتے، فرشتے ان کے بیچ آ کھڑی ہوئی۔

ہاتھ مت لگائیے میری بہن کو، اپنے پیچھے کھڑی محمل کے سامنے دونوں بازو پھیلائے وہ چیخ پڑی تھی۔ آپ لوگ اس حد تک گر جائیں گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیا بگاڑا ہے اس نے آپ کا؟

سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ تم آج میرے ہاتھوں ختم ہو جاؤ گی! وہ غصے سے ایک قدم آگے ہی بڑھے تھے کہ فواد نے ان کا بازو تھام [illegible] آ آرام سے آغا جان! آپ کا بی پی شوٹ کر جائے گا۔ ان کو سہارا دے کر وہ نرمی سے بولا تھا۔ محمل ابھی تک گھٹنوں پر سر رکھے رو رہی تھی۔ جبکہ فرشتے اس کے آگے اپنے بازو پھیلائے راستہ روکے کھڑی تھی۔ فواد چاہتا تو اس کو پھر پکڑ لیتا، مگر جانے کیوں وہ آغا جان کو سہارا دیے وہیں کھڑا رہا۔ اس کی طرف نہیں بڑھا۔

میں اب محمل کو ادھر نہیں رہنے دوں گی۔ اٹھو محمل! اپنا سامان پیک کرو۔ اب تم میرے ساتھ رہو گی۔ اس نے محمل کو اٹھانا چاہا مگر وہ ایسے ہی گری روتی جا رہی تھی۔

آپ کو کیا لگتا ہے، آپ اسے اپنے ساتھ لے گئیں تو ہم خاندان والوں کو کہیں گے کہ محمل کی نام نہاد بہن لے

گئی۔اور بس؟ محمل کو اٹھاتے ہاتھ ایک ثانیے کو رک گئے۔اس نے قدرے الجھ کر فواد کی طرف دیکھا۔چہرے پہ چھایا غصہ الجھن میں ڈھلا تھا۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ محمل تو وہ لڑکی ہے نا جو ایک رات پہلے بھی گھر سے باہر رہ چکی ہے۔؟تو اس کے لیے اگر خاندان والوں کو یہ بتایا جائے کہ یہ نکاح سے پہلے کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو وہ اسی وقت یقین کر لیں گے نا؟

اس کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

نہیں۔۔۔ محمل نے تڑپ کر آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا۔

تمہارے نہیں کہنے سے یہ بدنامی ٹل تو نہیں جائے گی۔ڈیر کزن!تم اپنی بہن کے ساتھ گئی تو ہم تمہیں سارے خاندان میں بدنام کر دیں گے۔اور پھر یہ کتنا عرصہ تمہیں سنبھالے گی؟اس کے بعد تم کہاں جاؤں گی؟

محمل پھٹی نگاہوں سے فواد کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔خود فرشتے بھی سن رہ گئی۔

اگر تم نے اس گھر سے قدم بھی نکالا تو تم بدنام ہو جاؤ گی۔پورا خاندان تھوکے گا تم پر کہ ماں کے مرتے ہی کھل چھوٹ۔۔۔۔

نہیں،نہیں۔۔میں نہیں جاؤں گی۔وہ خوفزدہ سی گھٹی گھٹی آواز میں بمشکل بول پائی۔

یعنی تم وسیم سے شادی کرنے پہ تیار ہو۔ویری گڈ کزن!

وہ اسی عیاری سے مسکرایا۔ اسد چچا یقیناً نکاح خواں کو لاتے ہی ہوں گے۔ وسیم کدھر ہے؟ کوئی اسے بھی بلائے۔

"ہر گز نہیں۔' فرشتے نے غصہ میں تڑپ کر اسے دیکھا۔ "میں محمل کی شادی نہیں ہونے دوں گی۔ تم لوگ یہ سب صرف اسکی جائیداد ہتھیانے کے لئے کر رہے ہو۔ میں جانتی ہوں تم شادی کے بعد اسے اپنے نام سے لکھواؤ گے، اسے طلاق دلا کر گھر سے نکال دو گے۔"

"ہاں بالکل، ہم یہی کریں گے۔" وہ بہت سکون سے بولا۔ گو کہ یہ بات فرشتے نے خود کہی تھی مگر اسے فواس سے اعتراف کی توقع نہ تھی۔ وہ اپنی جگہ ششدر رہ گئی۔

"تو تم واقعی۔۔۔"

"ہاں۔ ہم اسی لیے تو محمل کی شادی وسیم سے کرانا چاہتے ہیں۔"

"فواد!" آغا جان نے تنبیہی نظروں سے اسے ٹوکنا چاہا۔

"مجھے بات کرنے دیں آغا جان!" ہاں تو محمل! ہم اسی لئے تمہاری شادی وسیم سے کر رہے ہیں۔ تمہیں منظور ہے نا؟ کیونکہ فرشتے کے ساتھ تو تم جا نہیں سکتیں۔ اب تمہیں شادی تو کرنا ہو گی۔"

"نہیں، نہیں۔" وہ بے اختیار وحشت سے چلائی۔ "میں نہیں کروں گی یہ شادی"

"محمل! تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، تمہیں شادی کرنا پڑے گی۔" وہ بغور اسکی آنکھوں میں دیکھ کر آہستہ آہستہ اسے چاروں طرف سے گھیر رہا تھا۔

"کاش میں تمہیں بددعا دے سکتی آغا فواد! مگر میں عاملین قرآن میں سے ہوں، ایسا نہیں کروں گی۔ کیا تمہیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟" فرشتے نے تنفر سے اسے دیکھا۔

"میں نے کچھ غلط تھوڑی کہا ہے۔"

"تم غلط کر رہے ہو ایک یتیم لڑکی کے ساتھ۔'

"یہ تو ہم کافی سالوں سے کر رہے ہیں۔ یقین کیجیئے ہم پر کبھی کوئی طوفان نہیں آیا۔"

" تمہیں اس طوفان کی خبر تب ہو گی جب وہ تمہارے سر پر پہنچ چکا ہو گا۔ اللہ سے ڈرو۔ تمہیں اس یتیم پر ظلم کر کے کیا ملے گا؟"

" تو تم اس ظلم کو اپنے حق میں کیوں نہیں بدل لیتیں؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

وہ جواب دیے بنا اس پر ایک نظر ڈال کر امحمل کی طرف متوجہ ہوا جو زمین پر بیٹھی سر اُٹھائے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

"ایک صورت میں میں تمہاری شادی وسیم سے روک دوں گا' اور چاہو تو تم اپنی بہن کے ساتھ چلی جاؤ۔ ہم خاندان والوں کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ پھر فرشتے جہاں چاہے تمہاری شادی کروادے۔ ہم کیا پورا خاندان شریک ہو گا۔ کیا تم وہ صورت اختیار کرنا چاہو گی؟"

محمل کے چہرے پر بے یقینی اتر آئی۔ وہ بنا پلک جھپکے فواد کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"سدرہ! میری بیڈ سائیڈ ٹیبل پر جو کاغذ پڑا ہے، وہ لے کر آؤ اور ساتھ پین بھی۔" اس نے مہریں اور ندا کے ساتھ دیوار سے لگی سدرہ کو اشارہ کیا جو اس کی بات سن کر سر ہلاتے ہوئے تیزی سے سیڑھیوں کی طرف لپکی۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" خطرے کا الارم دور کہیں بجتا فرشتے کو سنائی دے رہا تھا۔"

یہی کہ محمل کی شادی رک سکتی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ جا سکتی ہے اگر۔۔۔" اس نے سیڑھیوں سے اترتی سدرہ کو دیکھا جو بھاگتی ہوئی آئی اور اسے کاغذ قلم پکڑا دیا۔

"اگر تم دونوں یہ پیپرز سائن کر دو۔"

"یہ کیا ہے؟" فرشتے کا لہجہ محتاط تھا۔

"مجھے معلوم تھا آنکاح کے وقت ڈرامہ کرنے ضرور آئیں گی اسی لئے ہم نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے ہمیں علم نہیں تھا کہ آپ محمل سے مل کر اسے کیا پٹیاں پڑھاتی ہیں، ہمیں سب پتا تھا محترمہ! یہ بھی کہ محمل کب کب آپکے کزن سے ملتی رہی ہے مگر اس وقت کے لئے ہم نے آنکھ بند رکھی۔"

"آپ کی کیا شرط ہے وہ بات کریں۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"یہ فرشتے ابراہیم اور محمل ابراہیم کا اعلانِ دستبرداری ہے۔ اس گھر، فیکٹری، اور آغا ابراہیم کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے یہ دونوں بہنیں دستبرداری کا اعلان کرتی ہیں اور ہر چیز ہمارے حوالے کرتی ہیں۔ یہ کبھی بھی

ہم سے موروثی ملکیت کا حصہ مانگنے نہیں آئیں گی اور آپ جانتی ہیں کہ بدلے میں ہم وسیم کی شادی محمل سے نہیں کریں گے۔ آف کورس! یہ بات اس کاغذ میں نہیں لکھی گئی۔"

فرشتے کے چہرے پر الجھن ابھری اور پھر واضح بے یقینی۔

"تم۔۔۔ تم ہمیں، ہمارے حق سے، ہمارے گھر سے بے دخل کرنا چاہتے ہو؟"

"بالکل صحیح"

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو آغا فواد! تم۔۔۔" اس کی بے یقینی اور تحیر غصہ میں بدل گیا۔

"تم ہمیں ہمارے گھر سے بے دخل کیسے کر سکتے ہو؟ یہ ہمارا گھر ہے۔ مہارے باپ کا گھر ہے، اس پر ہمارا حق ہے۔ ہمیں ضرورت ہے پیسوں کی، محمل کی پڑھائی ہے اور پھر اسکی شادی کے لئے۔۔۔ ہمیں ان سب کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"یہ ہمارا درد سر نہیں ہے۔ تم یہ سائن کر دو تو محمل کی جان وسیم سے چھوٹ جائے گی۔"

"مگر ہم تمہیں اپنا حق کیوں دیں؟"

"کیونکہ ان سب پر میرے شوہر اور میرے بیٹوں کا حق ہے۔"

تائی مہتاب چمک کر کہتی آگے بڑھیں۔ "ابراہیم کی وفات کے وقت یہ بزنس دیوالیہ ہو چکا تھا۔ میرا شوہر دن رات محنت نہ کرتا تو یہ بزنس کبھی اسٹیبلش نہ ہو سکتا تھا۔"

"اگر آپ اتنے ہی محنتی تھے آپ کے شوہر اور بیٹے تو میرے ابا کی ڈیتھ کے وقت بے روزگار کیوں پھر رہے تھے؟ اور تم؟" وہ فواد کی طرف پلٹی "اور وارث تو اللہ نے بنائے ہیں ہم کیسے اپنا حق نہ لیں۔"

"فرشتے بی بی یہ پراپرٹی تو آپکو چھوڑنا ہی پڑے گی۔ ابھی کچھ دیر میں مہمانوں کی آمد شروع ہو جائے گی۔ شادی والا گھر ہے، ذرا سی بات کا بتنگڑ بن جائے گا، اور بدنامی کس کی ہو گی؟ صرف محمل کی! اول تو اسکو وسیم سے شادی کرنی ہی پڑے گی، لیکن اگر آپ یونہی اڑی رہیں تو ٹھیک ہے ہم خاندان میں کہہ دیں گے محمل کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے، کس کا خاندان چھُوٹے گا، کس کا میکہ بدنامی کے باعث چھوٹے گا، آپ خود فیصلہ کر سکتی ہیں۔"

وہ کہتے کہتے ذرا دیر کو رکا تو وہ تاسف کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"آغا فواد! تمہیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟"

وہ ہولے سے مسکرا دیا "ہم کوئی غلط بات تھوڑی نا کر رہے ہیں؟ اپنا حق ہی مانگ رہے ہیں۔ خیر ہو دوسرا آپشن ہے کہ آپ اور محمل اس پر دستخط کر دیں اور اپنے حصے سے دستبردار ہو جائیں۔ ہم باعزت طریقے سے شادی کینسل کر دیں گے، آپ محمل کو اپنے ساتھ لے جائیے گا، آپ جس سے چاہیں جب چاہیں اس کا نکاح کر دیں۔ ہم بھرپور شرکت کریں گے، بلکہ پورا خاندان شرکت کرے گا۔ یہ گھر محمل کا میکا رہے گا وہ جب چاہے ادھر آ سکتی ہے، مگر اسکی ملکیت میں سے کسی کا کوئی حصہ نہیں ہو گا، لیجیئے!" اس نے کاغذ قلم اس کے سامنے کیئے۔ "کر دیجیئے سائن۔"

"مگر فواد۔۔۔" آغا جان نے کچھ کہنا چاہا لیکن تائی مہتاب نے انکا بازو تھام لیا۔

"اسے بات کرنے دیں وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

"ہونہہ" فرشتے نے سر جھٹکا۔"آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں آپکی اس بلیک میلنگ میں آجاؤں گی؟ بلکہ آپ کو تو۔۔۔"

اس کی بات ابھی ادھوری تھی کہ اپنے دائیں ہاتھ پر دباؤ محسوس ہوا۔اس نے چونک کر دیکھا مخمل اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو رہی تھی۔اس کا کام دار دوپٹہ سر سے ڈھلک گیا تھا،بکھری بھوری لٹیں گالوں کو چھو رہی تھیں۔آنسوؤں نے کاجل دھو ڈالا تھا۔وہ بہ وقت فرشتے کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی،اس کے انداز میں کچھ تھا کہ اس کا ماتھا ٹھنکا اور اس سے پہلے کہ فرشتے اس کو روک پاتی،اس نے جھپٹ کر فواد کے ہاتھ سے کاغذ قلم چھینا۔

"کدھر کرنے ہیں سائن؟بتاؤ مجھے!" وہ ہذیانی کیفیت میں چلائی تھی۔فواد ذرا سا مسکرایا اور انی انگلی کاغذ پر ایک جگہ رکھی۔

"نہیں،مخمل!" فرشتے کو جھٹکا لگا تھا۔"ہمارے پاس کئی راستے ہیں،ہمیں انکی بلیک میلنگ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر مجھے ہے فرشتے! میں اب تنگ آچکی ہوں۔نہیں چاہئے مجھے کوئی مال دولت۔مجھے کچھ نہیں چاہئے۔لے لیں سب لے لیں۔" وہ دھڑا دھڑ سائن کرتی جا رہی تھی۔آنسو اسکی آنکھوں سے برابر گر رہے تھے۔

فرشتے ساکت سی اسے دیکھتی رہ گئی۔اس نے تمام دستخط کر کے کاغذ اور قلم فواد کی طرف اچھال دیا۔

"لے لو سب کچھ۔ تم کو اللہ سے ڈر نہیں لگتا۔ میں اب تم سے اپنا کوئی حق نہیں مانگوں گی۔ چھوڑتی ہوں اپنے سارے حقوق۔" وہ کہتے کہتے نڈھال سی صوفے پر گر گئی اور گہری سانسیں لینے لگی۔ وہ واقعی تھک چکی تھی۔

فواد نے کاذ سیدھا کر کے دیکھا اور پھر فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اردگرد خاموش اور بے یقین بیٹھے حاضرین کی پر ایک نگاہ دوڑائی، پھر فرشتے کی طرف پلٹا۔

"محمل نے دستخط کر دیئے ہیں۔ اب آپ بھی کر دیں۔"

اس نے کاغذ قلم اس کی طرف بڑھایا مگر فرشتے نے اسے نہیں تھاما۔ وہ ابھی تک سکتے کے عالم میں محمل کو دیکھ رہی تھی۔

"دستخط کرو بی بی اور اسے لے جاؤ۔" تائی مہتاب نے آگے بڑھ کر اسکا شانہ ہلایا تو وہ چونکی، پھر ناگواری سے انکا ہاتھ ہٹایا اور فواد کے بڑھے ہاتھ کو دیکھا

"نہیں، تم محمل کو نفسیاتی طور پر گھیر کر بے وقوف بنا سکتے ہو۔ یہ چھوٹ ہے کم عقل ہے مگر فرشتے ایسی نہیں ہے۔ میں ہرگز سائن نہیں کروں گی اور میں کیوں کروں سائن؟ مجھے ضرورت ہے اپنے حصے کی، مجھے پی ایچ ڈی بھی کرنا ہے۔ مجھے باہر جانا ہے۔ میں۔۔۔۔"

اس کی بات ادھوری رہ گئی، فواد نے کاغذ قلم میز پر پھینکا اور صوفے پر بیٹھی محمل کو گردن سے دبوچ کر اٹھایا اور اپنے سامنے ڈھال کی طرح رکھتے ہوئے جانے کہاں سے پستول نکال کر اسکی گردن پر رکھا۔

"اب بھی نہیں کرو گی تم سائن؟" وہ غرایا۔

فرشتے سناٹے میں آ گئی۔ فواد نے بازو کے حلقے میں اسکی گردن دبوچ رکھی تھی۔ وہ شاک کے باعث کچھ کہنے کے قبل نہیں رہی تھی۔ سخت گرفت کے باعث اسکی آنکھیں ابل کر باہر آنے لگیں۔ بے اختیار وہ کھانسی

"اپنی بہن سے کہو کہ شرافت سے سائن کردے ورنہ میں واقعی گولی چلادوں گا اور تم جانتی ہو کہ میں قانون کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت ہوں۔ یہی کہا تھا نا تم نے میرے بارے میں؟" اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر بظاہر سرگوشی میں کہا مگر سب کے کانوں تک اسکی سرگوشی پہنچ گئی۔

سب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ حسن نے آگے بڑھنا چاہا مگر فضہ نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"کیا کر رہے ہو، اگر اس نے گولی چلادی تو وہ مر جائے گی، کیا تم یہی چاہتے ہو؟" انہوں نے بیٹے کو گھر کا تو وہ بے بسی سے کھڑا رہ گیا۔

"بولو فرشتے بی بی! تم سائن کرو گی یا نہیں؟"

اس نے پستول کی ٹھنڈی نال مخمل کی گردن پر رچھوئی۔ وہ سسک کر رہ گئی۔

"بولو فرشتے!" وہ زور سے چیخا۔

"نہیں!" وہ جیسے ہوش میں آئی۔ "میں سائن نہیں کروں گی۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"میں تین تک گنوں گا فرشتے! اگر میں نے گولی چلادی تو تمہاری بہن کبھی واپس نہیں آئے گی۔"

"فرشتے پلیز۔۔۔!" مخمل بلک پڑی۔ "پلیز میری خاطر فرشتے! آج اپنا حق چھوڑ دیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں، اگر ضرورت پڑی تو میں بھی آپ کے لئے اپنا حق چھوڑوں گی، آئی پرامس۔"

"نہیں! میں سائن نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے میں تین تک گنوں گا"

فرچتے نے دیکھا، اسکی انگلی ٹرائیگر پر مضبوط ہوئی، وہ واقعی گولی چلانے والا تھا۔

"ایک۔۔۔"

لمحہ بھر کو اسکا دل کانپا، اگر وہ گولی چلا دے تو محمل مر جائے گی پھر بھلے وہ ہمایوں کو بلا لے، کوٹ کچہری میں گواہیاں دیتی پھرے، کچھ بھی کر لے، اس کی بہن واپس نہیں آسکے گی۔

"دو۔۔۔۔"

بھلے فواد کو پھانسی ہو جائے اور وہ ساری جائیداد کی مالک بن بیٹھے، اس کی بہن واپس نہیں آئے گی۔

"تین۔۔۔!"

"رکو۔۔! میں سائن کر دوں گی۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی "لیکن آپ کو محمل کی شادی اس وقت وہاں کرانا ہو گی جہاں میں کہوں گی اور اس میں نہ صرف آپ بلکہ آپکا پورا خاندان شریک ہو گا۔ محمل اسی گھر سے رخصت ہو گی۔

"منظور ہے۔" فواد جھٹ بولا تھا۔ محمل پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، فرشتے کیا کہنا چاہ رہی ہے وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ پھر اس نے حسن کو دیکھا جو اسی طرح بے بس سا کھڑا تھا، فضہ نے سختی سے اس کا بازو تھام رکھا تھا۔ بے بس اور کمزور مرد۔ وہ جو اتنے دعوے کرتا تھا، سب بے کار گئے تھے۔

"ٹھیک ہے، پھر نکاح خواں کو بلائے، میں ہمایوں کو بلاتی ہوں۔" اس نے جھک کر میز پر رکھا موبائل اٹھایا۔

"ہمایوں؟ ہمایوں داؤد؟" فواد کو گویا کرنٹ لگا تھا۔

"جی، وہی۔" فرشتے تلخی سے مُسکرا کر دیدھی ہوئی۔ بولئے اب آپکو یہ معاہدہ قبول ہے؟"

"ہمایوں داؤد؟ وہ اے ایس پی؟"

"وہ پولیس والا؟"

"نہیں ہر گز نہیں" بہت سی حیران، غصیلی آوازیں ابھری تھیں جن میں سب سے بلند آغا جان کی تھی۔

"وہ شخص اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا جس نے میرے بیٹے کو جیل بھجوایا تھا، تمہیں دستخط نہیں کرنا تو نا کرو میں محمل کی شادی کبھی اس سے نہیں کروں گا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی کریم چچا! میں یہ معاہدہ آغا فواد کے ساتھ کر رہی ہوں۔ ان ہی کو بولنے دیجئے نا۔"

"مگر۔۔۔۔"

"نہیں آغا جان! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ بلائے اس کو۔ ہمیں قبول ہے۔" وہ سنبھل چکا تھا، چہرے کی مسکراہٹ واپس آگئی تھی۔

"مگر فواد، یہ کل کو مکر گئی تو؟ آغا جان نے پریشانی سے اس کا شانہ پکڑ کر اپنی جانب کیا۔

"یہ نہیں مُکریں گی، یہ تو ماشاء اللہ سے مُسل۔۔مان ہیں۔ یہ وعدے سے نہیں پھریں گی،" مسلمان کو توڑ کر کہتے ہوئے اس نے استہزائیہ مسکراہٹ فرشتے کی جانب اچھالی۔ وہ لب بھینچے تنفر سے اسے دیکھتی رہی۔

" ٹھیک ہے۔ آپ بلائیے اپنے کزن کو۔ فنکشن تو آج ہونا ہی ہے۔ اسد اب تک نکاح خواں کا بندوبست کر چکا ہوگا۔" غفران چچا مصروف لہجے میں کہتے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کی جیسے جان چھوٹ گئی تھی۔ فضہ سے بھی اپنا اطمینان اور خوشی چھپانی مشکل ہو رہی تھی۔ ان دونوں کو گویا اپنا بیٹا واپس مل گیا تھا، پھر بھی حسن کا بازو مضبوطی سے تھامے کھڑی تھیں۔ مگر اب وہ شاید رسی تڑا کے بھاگنے کے قابل نہ رہا تھا۔ اس کا تو آسرا ہی ختم ہو گیا تھا۔

"آؤ اندر چلو۔" فرشتے نے تھکے تھکے انداز میں محمل کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لیے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سب گردن موڑ کر انہیں جاتا دیکھنے لگے تھے۔ پورے گھر میں عجیب خاموشی سی دوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

☆

وہ سب کسی خواب کی سی کیفیت میں ہوا تھا۔ شاید وہ ایک حسین خواب ہی تھا جس کی تعبیر کی اسے بہت بڑی قیمت چکانی پڑی تھی۔ بہت سارے کو اب توڑنے پڑے تھے م مگر اسے اس وقت وہی صحیح لگا تھا، یہ نہ کرتی تو وہ لوگ اسے خاندان بھر میں بدنام کر دیتے۔ اکسے مرحوم ماں باپ کا نام اچھالا جاتا یا پھر سب سے بڑی وجہ وہ تھی، جو فواد کو بھی معلوم تھی اور جس کو اس نے استعمال کیا تھا۔ محمل کی دکھتی رگ، کہ اس کا خاندان اس کو

عزت سے بیاہ دے۔ اسے دولت سے زیادہ اپنا مقام اور عزت چاہئے تھی اور فواد نے اسی دکھتی رگ کو ایسے دبایا تھا کہ اس کا دل تڑپ اٹھا تھا۔ وہ فیصلہ جذباتی تھا مگر اسے صحیح لگا تھا۔

پھر جو بھی ہوا، جیسے نیند کی حالت میں ہوا ہو۔ فرشتے کلینزر سے اسکا چہرہ صاف کر کے بیوٹیشن کے ساتھ اس کا دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی، پھر وہ تائی مہتاب کے زیور اتار کر اس کی ماں کے زیور پہنا رہی تھی، پھر وہ اس کا میک اپ کر رہی تھی، پھر وہ اس کے سینڈل کے اسٹریپ بند کر رہی تھی، پھر مسکاراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی اور پھر وہ بہت کچھ کہہ رہی تھی، مگر اسے آواز نہیں آ رہی تھی۔ ساری آوازیں بند ہو گئیں تھیں۔ سارے منظر دھندلا گئے تھے، بس وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتی بت بنی بیٹھی تھی۔

وہ خواب حسین تھا، مگر اس کا دل خالی تھا۔ سارے جذبات گعیا مر سے گئے تھے، کواہش کے جگنو کھو گئے تھے۔ یا شاید ہمیں خوشی سے محبت نہیں ہوتی، خوشی کی "خواہش" سے محبت ہوتی ہے۔ ہماری سب محبتیں "خواہشات" سے ہوتی ہیں، کبھی کسی کو پانے کی تمنا، کبھی کوئی خاص چیز حاصل کرنے کی آرزو۔۔۔ شاید محبت صرف خواہش سے ہوتی ہے، چیزوں یا لوگوں سے نہیں۔

اس نے اپنی خواہش کو اپنے پہلو مین بیٹھتے دیکھا، مگر اس کا اپنا سر جھکا تھا، سو زیادہ دکھ نا پائی اور اسی جھکے سر کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط کرتی گئی۔ کرتی گئی، کرتی گئی۔

جب اس کا ہاتھ تھام کر فرحتے اسے اُٹھا رہی تھی تو اس نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا، جو سامنے لب بھینچے کھڑا تھا۔ براؤن شلوار کرتے میں ملبوس، سنجیدہ اور وجیہہ۔ اس نے نگاہیں جھکالیں۔ اسے اس کی سنجیدگی سے خوف آیا تھا۔ کیا وہ اس پر مسلط کی گئی تھی؟ ان چاہی، بے وقعت بیوی؟

اس نے بے عزتی اور توہین محسوس کرنا چاہی مگر دل اتنا خالی تھا کہ کوئی احساس بیدار نہ ہوا۔

اردگرد لوگ بہت کچھ کہہ رہے تھے مگر اس کی سماعتیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ سر جھکائے ہمایوں کی بیک سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسے لگا زندگی اب کٹھن ہو گی، بہت کٹھن۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اس جہازی سائز بیڈ کے وسط میں سر گھٹنوں پہ رکھے گُم صم بیٹھی تھی۔ فرحتے کچھ دیر ہوئی اسے وہاں بٹھا کر جانے کہاں چلی گئی تھی اور ہمایوں کو تو اس نے کار سے نکل کر دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ تیزی سے اندر چلا گیا تھا اور پھر دوبارہ سامنے نہیں آیا تھا۔

اس کے دل میں عجیب عجیب سے خیالات آ رہے تھے۔ وہ بار بار اعوذباللہ پڑھتی مگر وسوسے اور وہم ستانے لگے تھے، شاید وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا، شاید وہ اس پر مسلط کی گئی تھی، شاید وہ خفا تھا، شاید وہ اسے پسند ہی نہیں کرتا تھا۔ اب شاید اس کے پاس نہیں آئے گا، بلکہ شاید وہ بات تک نہ کرے، شاید وہ اسے چھوڑ دے، شاید وہ۔۔۔ شاید۔

بہت سے شاید تھے جن کے آگے سوالیہ نشان لگے تھے۔ بار بار وہ شاید اس کے ذہن کے پردے پہ ابھرتے اور اس کا دل ڈوبنے لگتا۔ وہ مایوس ہونے لگی تھی جب دروازہ کُھلا۔

بے اختیار سب کچھ بھلا کر وہ سر اُٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ جانے وہ اب کیا کرے؟ وہ دروازہ بند کر کے اس کی طرف پلٹا، پھر اسے یوں بیٹھے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔

"السلام علیکم، کیسی ہو؟"۔۔ آگے بڑھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل دراز کھولی وہ خاموشی سے کچھ کہے بنا اسے دیکھے گئی۔ وہ اب دراز میں چیزیں الٹ پلٹ رہا تھا۔

"تم تھک گئی ہو گی، اتنے بڑے ٹراما سے گزری ہو۔ پریشان مت ہونا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اب نچلے دراز میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ لہجہ متوازن تھا اور الفاظ۔۔۔ الفاظ پہ تو اس نے غور ہی نہیں کیا، وہ بس اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو دراز میں ادھر ادھر حرکت کرتے یکدم رکے تھے اور پھر اس نے ان میں ایک میگزین پکڑے دیکھا۔

(کیا اس میں گولیاں بھی ہیں؟ کیا یہ مجھے مار دے گا؟)

وہ عجیب سی باتیں سوچ رہی تھی۔

وہ میگزین نکال کر سیدھا ہوا۔

"آئی ایم سوری محمل! ہمیں سب بہت جلدی میں کرنا پڑا اور میں جانتا ہوں۔ تم اس کے لئے تیار نہیں تھیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور وہ سانس روکے اس کے ہاتھ میں پکڑا میگزین دیکھ رہی تھی۔

"میں ابھی آن ڈیوٹی ہوں اور مجھے ریڈ کے لئے کہیں جانا ہے۔ رات فرشتے تمہارے ساتھ رک جائے گی، میں پرسوں شام تک واپس آجاؤں گا تم پریشان مت ہونا۔"

وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔ عجیب شادی، عجیب دلہن اور عجیب سا دولہا اسے اس کی باتیں بہت عجیب لگی تھیں۔

"تم سن رہی ہو؟" وہ اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھا بغور اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سی چونکی۔

"ہوں جی، جی۔" بے ساختہ نگاہیں جھکا لیں۔

پھر پتا نہیں وہ کیا کای کہتا رہا، محمل نظریں نیچی کیے سینتی رہی۔ الفاظ اس کے کانوں سے ٹکرا کر واپس پلٹ رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ کب خاموش ہوا، کب اُٹھ کر چلا گیا، اسے تب ہوش آیا جب پورچ سے گاڑی نکلنے کی آواز آئی۔

آج اس نے سُرخ شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ عروسی جوڑا، عروسی زیورات، وہ دلہن تھی اور پتا نہیں کیسی دلہن تھی۔ اس نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس کمرے میں یوں کبھی ہمایوں کی دلہن بن کے آءے گی۔ ہاں فواد کے کو اب اس نے دیکھے تھے، مگر وہ اسکے دل کا ایک چُھپا ہوا راز تھا، جس کی خبر شاید خود فواد کو بھی نہ تھی۔

"اور حسن؟" اندر سے کسی نے سرگوشی کی۔

حسن کے لئے کبھی اس کے دل میں کوئی جذبہ نہیں ابھرا تھا اور ابا ہی ہوا۔ شام کو جب فواد نے اس کے سامنے ہمایوں کا نام لیا تو کیسے وہ بالکل چُپ ہو گیا تھا۔ وہ جو ہر موقع پر محمل کے حق کے لئے بولتا پھرتا تھا لڑتا تھا،

اتنے اہم موقع پہ یوں کیوں پیچھے ہو گیا تھا؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی اور فرشتے اس نے کتنی بڑی قربانی سی تھی اس کے لئے۔ وہ کبھی بھی اسکا احسان نہیں اُتار سکتی تھی، وہ جانتی تھی، اس نے اپنا حق چھوڑ دیا، کاش فرشتے کبھی اسے موقع سے اور وہ اس کے لئے اپنا حق چھوڑ سکے۔

اس نے تھک کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ اسکا دل اداس تھا، روح بوجھل تھی۔ اب اسے راحت چاہئے تھی، سکون چاہئے تھا۔ اپنے خاندان والوں کی قید سے نکلنے کے احساس کو محسوس کرنے کی حس چاہئے تھی۔ اس نے ہولے ہولے لبوں کو حرکت دی اور آنکھیں موندے دھیمی آواز میں دعا مانگنے لگی۔

"یا اللہ میں آپ کی بندی ہوں اور آپ کے بندے کی بیٹی ہوں اور آپ کی بندی کی بیٹی ہوں۔ میری پیشانی آپ کے قابو میں ہئ، میرے حق میں آپ کا حکم جاری ہے، آپ کا فیصلہ میرے بارے میں انصاف پر مبنی ہے۔ میں آپ سے سوال کرتی ہوں آپ کے ہر اس نام کے واسطے جو آپ نے اپنے لئے پسند کیا یا اپنی کتاب میں اتارا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا اپنے علم غیب میں آپ نے اس کو اختیار رکھا ہے، اس بات کو کہ آپ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھوں کا نور بنا دیں اور میرے فکر اور غم کو لے جانے کا ذریعہ بنا دیں۔"

وہ دعا کے الفاظ بار بار دہراتی گئی، یہاں تک کہ دل میں سکون اترتا گیا، اسکی آنکھیں بوجھل ہو گئیں اور وہ نیند میں ڈوب گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دو دن فرشتے اس کے ساتھ رہی۔ ان دو دنوں میں انہوں نے بہت سی باتیں کیں، سوائے اس شام کے ڈرامے کے۔ وہ ایسا موضوع تھا کہ دونوں ہی کسی خاموش معاہدے کے تحت اس سے احتراز برت رہی تھیں۔ فرشتے نے اسے بہت کچھ بتایا۔ ابا کے بارے میں، اپنی ماں کے بارے میں، ہمایوں کی امی کے بارے میں، اپنی زندگی، گھر اور پرانی یادوں کے بارے میں۔ وہ دونوں چائے کا مگ تھامے گھنٹوں لان میں بیٹھی باتیں کرتی رہتیں، چائے ٹھنڈی ہو جاتی، شام ڈھل جاتی، مگر ان کی باتیں ختم نہ ہوتیں۔

"پتا ہے محمل! ادھر لان میں۔۔۔" وہ دونوں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھیں، چائے کے مگ ہاتھ میں تھے، جب فرشتے نے بازو لمبا کر کے انگلی سے سامنے اشارہ کیا۔ "وہاں ایک جھولا تھا، بالکل کونے میں۔"

محمل گردن موڑ کر اس طرف دیکھنے لگی جہاں اب صرف گھاس اور کیاریاں تھیں۔

"ہم بچپن میں اس جھولے پہ بہت کھیلتے تھے اور اس کے اس طرف طوطوں کا پنجرہ تھا۔ ایک طوطا میرا تھا اور ایک ہمایوں کا۔ اگر میرا طوطا اس کی ڈالی گئی چوری کھا لیتا تو ہمایوں بہت لڑتا تھا۔ وہ ہمیشہ اتنا ہی غصے والا تھا، مگر غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس سے بڑھ کر لونگ اور کیئرنگ بھی کوئی نہیں ہے۔"

محمل مدہم مسکراہٹ لئے سر جھکائے سن رہی تھی۔

"جب میں بارہ سال کی ہوئی تو ابا نے مجھ سے پوچھا کہ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں یا اماں کے ساتھ؟ میں وقتی طور پر ابا کے ساتھ جانے کے لئے راضی ہو گئی، مگر اس دن ہمایوں مجھ سے بہت لڑا۔ اس نے اتنا ہنگامہ مچایا کہ میں نے فیصلہ بدل دیا۔" چائے کا مگ ہاتھوں میں تھا اور وہ کہیں دور کھوئی ہوئی تھی۔

"پھر جب ہم بڑے ہوئے اور میں نے قرآن پڑھا تو ہمایوں سے ذرا دور رہنے لگی۔ وہ خود سمجھدار تھا، مجھے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالتا تھا۔ پھر میری اماں کی ڈیتھ ہوئی تو۔۔۔"

دفعتاً گاڑی کا ہارن بجا وہ دونوں چونک کر اس طرف دیکھنے لگی اندر داخل ہوئی۔

"چلو، تمہارا میاں آ گیا، تم اپنا گھر سنبھالو، میں اپنا سامان پیک کر لوں۔" وہ ہنسکر لکھیتے ہوئے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

محمل متذبذبسی بیٹھی رہ گئی۔ وہ گاڑی سے نکل کر اسکی طرف آ رہا تھا۔ یونیفارم میں ملبوس، کیپ ہاتھ میں لئے تھکا سا۔ اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"تو تم میرے انتظار میں بیٹھی ہو، ہوں؟" وہ مسکرا کر کہتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تو وہ گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ گلابی شلوار قمیص پہ بھورے بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے وہ اداس شام کا حصہ لگ رہی تھی۔

"وہ میں۔۔۔"

"کہہ دو کہ تم میرا انتظار نہیں کر رہی تھیں۔"

"اونہوں، یہی کافی ہے۔" اس نے محمل کے ہاتھ سے مگ لے لیا۔ ایک گھونٹ بھرا اور مگ لئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر جاتے جاتے پلٹا/"فرشتے ہے؟"

"جی، وہ اندر ہیں۔"

"اوکے میں شاور لے کر کھانا کھاؤں گا تم ٹیبل لگا دو۔" وہ کہہ کر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

وہ چند لمحے خاموش کھڑی کھلے دروازے کو دیکھتی رہی، وہ دروازہ بند کر کے نہیں گیا تھا۔ کیا اسکا مطلب یہ تھا کہ وہ اندر آجائے؟ پہلے بھی تو وہ بغیر اجازت اس کی زندگی میں داخل کر دی گئی تھی۔ اب بھی چلی جائے گی تو کیا مضائقہ ہے؟

اس نے تلخی سے سر جھٹکا اور کھلے دروازے سے اندر چلی آئی۔

لاؤنج کے سرے پہ سیڑھیوں کے قریب فرشتے اور ہمایوں کھڑے تھے۔ وہ اپنے بیگ کا ہینڈل تھامے، سیاہ حجاب چہرے کے گرد لپیٹتے ہوئے انگلی سے تھوڑی کے نیچے اڑس رہی تھی۔

"نہیں بس، اب میں چلتی ہوں، کل مجھے کلاس لینی ہے۔"

"کم از کم کچھ دن تو تمہیں ادھر رہنا چاہیئے۔"

وہ دونوں باتیں کر رہے تھے، ان کی آواز بے حد مدھم تھی، محمل کو اپنا آپ ادھر بے کار لگا تو وہ سر جھکائے کچن میں چلی آئی۔

بلقیس جا چکی تھی۔ کچن صاف ستھرا پڑا تھا۔ اس نے چولہا جلایا اور کھانا گرم کرنے لگی۔ شاید وہ بھی اس گھر میں بلقیس کی طرح تھی، ایک نوکرانی۔

"محمل!" فرشتے نے دروازے سے جھانکا۔ محمل نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔ وہ جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

"آپ مت جائیں فرشتے، پلیز!" وہ بے اختیار روہانسی ہو کر اسکے قریب آئی۔

"او ہو، میرا کزن بہت اچھا انسان ہے۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو پاگل!"

اس نے ہولے سے اسکا گال تھپتھپایا۔ محمل چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر یکا یک اس کی بھوری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ وہ جھک کر چولہے کو تیز کرنے لگی۔"

"محمل! کیا ہوا ہے؟ تم مجھے پریشان لگ رہی ہو؟"

وہ ذرا فکر مند سی اس کے پیچھے آئی۔ محمل کی اس کی طرف پیٹھ تھی، فرشتے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"کسی کی شادی ایسے بھی ہوتی ہے جیسے میری ہوئی؟"

بہت دیر بعد وہ بولی تو آواز میں صدیوں کی پیاس تھی۔ فرشتے۔۔۔ کچھ نہ بولی تو وہ پلٹی۔

فرشتے بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسۓ لگا اس نے کچھ غلط کہہ دیا ہے۔

"کیا؟" وہ گڑبڑا گئی۔

"محمل! تم!" حیرت کی جگہ خفگی نے لے لی۔

"کیا ہوا؟"

"تم بہت۔۔۔ ناشکری ہو محمل! بہت زیادہ!"

وہ جیسے غصہ ضبط کرتے ہوئے تیزی سے مُڑ گئی۔

"فرشتے! رکیں" محمل بوکھلا کر اس کے پیچھے لپکی۔

وہ تیزی سے باہر نکل رہی تھی، اس نے بازو تھاما تو وہ رک گئی۔ چند لمحے۔۔ کھڑی رہی پھر گہری سانس لے کر اسکی طرف گھومی۔

"تمہیں ہمایوں مل گیا محمل! تم اب بھی ناخوش ہو؟"

وہ بہت دکھی سی ہو کر بولی تھی۔ محمل نے بے چینی سے لب کچلا۔ فرشتے اسے غلط سمجھ رہی تھی۔

"نہیں، میں صرف اس خوشی کو محسوس کرنا۔۔۔"

"جسٹ سٹاپ اٹ!" وہ بہت خفا تھی۔ محمل چپ سی ہو گئی۔ چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی، پھر فرشتے نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھے اور اسے اپنے بالکل سامنے کیا۔

"تم واقعی ناخوش ہو؟"

"نہیں۔ مگر اس سب سے میرا دل کٹ کر رہ گیا ہے۔"

"لوگوں کی روح تک کٹ جاتی ہے محمل! سب قربان ہو جاتا ہے وہ پھر بھی راضی ہوتے ہیں اور تم۔۔۔ تم اب بھی شُکر نہیں کرتیں؟" اسکی سنہری آنکھوں میں سرخ سی نمی ابھری تھی۔ اس کے ہاتھ ابھی تک محمل کے کندھوں پر تھے۔

" نہیں، میں بہت شُکر کرتی ہوں، مگر۔۔۔ مگر بس سب کچھ بہت عجیب لگ رہا ہے جیسے۔۔۔"

"بس کرو محمل!" اس نے تاسف سے سر جھٹک کر اپنے ہاتھ ہٹائے اور تیزی سے بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اسے یونہی شک گزرا کہ وہ رو رہی تھی۔

وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اس نے شاید فرشتے کو ناراض کر دیا تھا، لیکن وہ ٹھیک کہتی تھی، وہ واقعی ناشکری کر رہی تھی۔ صرف زبان سے الحمدللہ نکالنا کافی نہیں ہوتا، اصل اظہار تو رویے سے ہوتا ہے۔

"کدھر گُم ہو؟"

آواز پہ وہ چونکی۔ ہمایوں سامنے کاؤنٹر سے ٹیک لگائے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھجک سی گئی۔

"فرشتے چلی گئی؟" وہ کاونٹر سے ہٹ کر فریج کی طرف بڑھا اور اسے کھول کر پانی کی بوتل نکالی۔

"جی۔"

"فرشتے بہت اچھی ہے۔ وہ ہے نا؟" اس نے ڈھکن کھول کر بوتل منہ کو لگائی۔

"بیٹھ کر پیئیں پلیز۔" وہ خود کو کہنے سے روک نہ سکی۔ وہ بوتل منہ سے ہٹا کر ہنس دیا۔

"فرشتے نے تمہیں بھی اچھی لڑکی بنا دیا ہے۔"

"تو کیا پہلے میں بُری تھی؟" وہ برا مان گئی

" ارے نہیں، تم تو ہمیشہ سے اچھی تھیں۔" مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے بوتل پھر منہ سے لگائی۔ محمل نے دیکھا، وہ بیٹھا نہیں تھا، اب بھی کھڑا ہو کر پی رہا تھا۔ خود کو بدلنا بھی آسان نہیں ہوتا مگر دوسرے کو بدلنا بہت کٹھن ہوتا ہے۔

"اچھا یہ بتاؤ، تمہارا دل کیوں کٹ کر رہ گیا؟"

اف! وہ بری طرح چونکی۔ وہ تو شاور لینے گیا تھا کب آ کر سب سن گیا، اسے تو پتا ہی نہ چلا تھا۔

"وہ۔۔۔دراصل۔۔۔" اس کا دل زور سے دھڑکا۔

گھر سے کسی نے کال نہیں کی تو میں۔"

"وہ کیوں کریں گے کال؟ ان کی اس شادی میں مرضی شامل نہیں تھی۔ فرشتے نے بہت مشکل سے اسے راضی کیا تھا، وہ اس بات پر ابھی تک غصہ ہیں آئی تھنک۔"

وہ یکدم ٹھٹک گئی۔

"فرشتے نے۔۔۔" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس نے کتنی مشکل سے ان کو راضی کیا۔۔۔ تم جانتی ہو!" وہ پھر بوتل سے گھونٹ بھر رہا تھا۔

وہ دم بخود سی اسے دیکھے گئی۔ کیا وہ کچھ نہیں جانتا؟

اسے نہیں معلوم کہ کیسے ان دونوں نے فواد کے دیے کاغذ پر دستخط کئے تھے؟ فرشتے نے اسے کچھ نیں بتایا؟ مگر کیوں؟

"تم فکر مت کرو، ہم نے یہ شادی ان سے زبردستی کروائی ہے، ان کو کچھ عرصہ ناراض رہنے دو۔ ڈونٹ وری۔"

تو وہ واقعی کچھ نہیں جانتا، وہ بتائے یا نہیں؟ اس نے لمحے بھر کو سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا۔ اگر فرشتے نے کچھ نہیں بتایا تو وہ کیوں بتائے؟ چھوڑو، جانے دو۔

"صرف ان کے ساتھ زبردستی ہوئی ہے یا آپ کے ساتھ بھی؟"

"تو تم اس لئے پریشان تھیں؟" اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "تمہیں لگتا ہے کوئی ہمایوں داؤد کو مجبور کر سکتا ہے؟"

"م ج ب و ر اَ ق ا ئ ل ت و ک ر س ک ت ا ہ ے !"

"ن ہ ی ں ک ر س ک ت ا۔ ق ط ع اً ن ہ ی ں"

"پھر آپ نے۔۔۔ آپ نے کیوں شادی کی مجھ سے؟"

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں یہ کہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا تھا، وغیرہ وغیرہ، تو میں ایسا نہیں کہوں گا، کیونکہ واقعی مجھے تم سے کوئی طوفانی قسم کی محبت نہیں تھی۔ ہاں۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں نے اپنی مرضی سے تم سے شادی کی ہے اور میں اس فیصلے پر بہت خوش ہوں۔"

اس کا انداز اتنا نرم تھا کہ وہ آہستہ سے مسکرا دی۔ دل پر لدا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

"یعنی آپ خوش ہیں؟"

"آف کورس محمل! ہر بندہ اپنی شادی پر خوش ہوتا ہے۔ بنیادی طور پہ میں بہت پریکٹیکل انسان ہوں۔ لمبی بات نہیں کرتا اور مجھے بے کار کی مبالغہ آرائی نہیں پسند۔ میں کوئی دعویٰ کروں گا نہ وعدہ۔ یہ تم وقت کے ساتھ دیکھ لو گی کہ تم اس گھر میں خوش رہو گی۔" وہ جیسے کھل کر مسکرا دی۔ اطمینان اور سکون اس کے رگ و پے میں دوڑ گیا تھا۔

"تم اس پر کچھ نہیں کہو گی؟"

"میں کیا کہوں؟"

"میں بتاؤں؟"

"جی بتائیے۔" وہ بہت دھیان سے متوجہ ہوئی

"سالن جل رہا ہے۔"

"اوہ۔" وہ بوکھلا کر پلٹی۔

دیگچی میں سے دھواں اُٹھنے لگا تھا۔ مدھم سی جلنے کی بو بھی پھیل رہی تھی۔ اس نے جلدی سے چولہا بند کیا۔

"ویلکم ٹو پریکٹیکل لائف!" وہ مسکرا کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ وہ گہری سانس لے کر دیگچی کی طرف متوجہ ہوئی۔

سالن جل گیا تھا مگر اس کے اندر ہر سو بہار چھا گئی تھی۔ وہ مسکراہٹ دبائے دیگچی اُٹھا کر سنک کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"محمل۔۔۔ محمل!" جلدی کرو، دیر ہو رہی ہے۔"

"آرہی ہوں، بس ایک منٹ۔" اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے لپ گلوس اٹھایا اور سامنے آئینے میں دیکھتے ہوئے لپ اسٹک پر لگایا۔ لپ اسٹک چمک اُٹھی تھی۔

"محمل!" وہ پھر چلایا تھا

"بس آ گئی" اس نے ایک عجلت بھری نگاہ سنگھار میز کے آئینے میں جھلکتے اپنے وجود پہ ڈالی۔ ٹی پنک بنارسی ساڑھی میں ملبوس، لمبے سیدھے بال کمر پہ گرائے کانوں میں چمکتے ڈائمنڈ کے ایئر رنگز، گردن سے چپکا نازک ہیروں کا سیٹ جو ہمایوں نے اسے تیمور کی پیدائش پر دیا تھا اور کلائی مُں وائٹ گولڈ کے موتی جڑے کنگن، ساتھ مناسب سا میک اپ۔ وہ مطمئن ہو گئی۔ بیڈ پر لیٹے تیمور کو اٹھایا اور باہر آ گئی۔

" تم اتنی دیر کر رہی ہو، کیا ارادہ بدل گیا ہے؟"

آخری فقرہ کہتے وہ زیرلب مسکرایا۔ وہ جو تیمور کو اُٹھائے سج سج کر سیڑھیاں اُتر رہی تھی مسکرا اُٹھی۔

"ہر گز نہیں، آخر کو اپنے میکے جا رہی ہوں ارادہ کیوں بلوں گی؟" وہ سیڑھیاں اُتر آئی۔۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا، بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس بالوں کو جیل سے پیچھے کیے وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔

"اچھے لگ رہے ہیں۔"

"تم بھی!"

"بس اتنی سی تعریف؟" اس کا چہرہ اتر گیا۔

"شادی کے ایک سال بعد اب میں اور کیا کہوں؟" وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر آئے تھے۔

"ایک سال گُزر گیا ہمایوں! پتا بھی نہیں چلا، ہے نا؟" وہ فرنٹ ڈور کھولتے کہیں کھو سی گئی تھی۔

"ہاں وقت بہت جلدی گُزر جاتا ہے۔" وہ گاڑی سڑک پر ڈال کر بہت دیر بعد بولا تھا۔۔ "یوں لگتا ہے جیسے کل کی ہی بات ہو۔"

"ہوں۔" محمل نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

ایک سال گزر بھی گیا یوں جیسے پتا ہی نہ چلا ہو۔ پورے ایک برس پہلے وہ بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی۔ آج ایک برس بعد ہمایوں نے شادی کی سالگرہ پر اسے اسی کے گھر لے جانے کا تحفہ دیا تھا۔

پورا سال نہ انہوں نے اس کی خبر گیری کی، نہ ہی محمل نے کوئی فون کیا۔ شروع میں اسے غصہ تھا، پھر آہستہ آہستہ غم میں ڈھل گیا اور اب۔۔۔ اب اسے اپنے فرائض یاد آئے۔ صلئہ رحمی کے احکامات یاد آءے تو اس نے تہیہ کر لیا کہ اپنے رشتہ داروں سے پھر سے تعلق جوڑے گی۔ پہلے بھی یہ خیال کئی بار آیا مگر ہمایوں جانے ہی راجی نہ ہوتا تھا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ فواد کا کیس اندر ہی اندر دبتا گیا اور پھر ہمایوں نے ہی ایک دن بتایا کہ فواد ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ شاید آسٹریلیا۔ وہ بھی کسی حد تک سکون میں آ گئی، نہ جانے کیوں۔

ہفتہ پہلے ہمایوں کو کسی جگہ آغا کریم ملے، اس نے محمل کو بتایا کہ وہ بہت خوشدلی سے ملے اور اسے گھر آنے کی دعوت دی۔ منافقت، دنیاداری اور پھر اب وہ کس کس چیز کا بغض چہروں پر سجائے رکھتے؟ فواد تو باہر چلا گیا او۔ جائیداد انہیں مل گئی، پھر ہمایوں داؤد جیسے بندے کو داماد کہنے میں کیا مضائقہ تھا؟ بلکہ فخر ہی تھا۔

ایک تبدیلی اور بھی آئی تھی۔ فرشتے اسکاٹ لینڈ چلی گئی تھی۔ اسے قرآن سائنسز میں پی ایچ ڈی کرنا تھی، خوب سارا علم حاصل کرنا تھا، پھر اس کا تھیسز اور۔۔۔ بہت کچھ۔ وہ چلی گئی تو مدرسہ میں اس کی جگہ کسی اور نے لے لی۔

ار رہی محمل تو وہ آج بھی تیمور کو لے کر فجر کی نماز کے ساتھ ہی مدرسہ جاتی تھی۔ اس کے علما لکتاب کا ابھی آدا سال ہتا تھا۔ گاڑی رُکی تو وہ چونک کر حال میں آئی۔ وہ آغا ہاؤس کے پورچ میں موجود تھی۔ وہ تیمور کو اُٹھائے باہر نکلی اور گُم صُم سی ارد گرد نگاہ دوڑائی۔

لان کے کونے میں مصنوئی آبشار بن چکی تھی، گھر کا پینٹ بدل چکا تھا پورچ کے ٹائلز بھی نئے اور قیمتی تھے۔ لاؤنج کے دروازے پر مہتاب تائی اور آغاجان کھڑے تھے۔ محمل اور ہمایوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر جیسے گہری سانس لے کر ان کی طرف بڑھے۔ شال اس نے ایک کندھے پر ڈال لی تھی/ بھورے سیدھے بال دونوں کانوں کے پیچھے اڑسے تھے۔ پورچ کی مدھم لائٹ میں بھی اس کے ڈائمنڈ کے سیٹ کے جگر جگر کرتے ہیرے گمک رہے تھے۔

"محمل! یہ تم ہو؟ کیسی ہو؟" تائی مہتاب پر تپاک استقبال کے ساتھ آگے لپکی تھیں۔

"محمل! میری بیٹی۔۔۔" آغاجان نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

اس کی آنکھون کے گوشت بھیگنے لگے۔ شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ انہوں نے اسکے ساتھ کتنا ظلم کیا تھا۔

دونوں چچیاں اور دوسری لڑکیاں بھی وہیں آ گئیں۔

وہ ان کے ساتھ اسکے سوالوں کے جواب دیتی اندر آئی تھی۔

ایک تو ہمایوں کی شاندار پر سنیلٹی، اوپر سے مخمل کا بدلا، سجا سنورا، دولت اور آسائشوں کی فراوانی ظاہر کرتا سراپا۔ مضہ نے تو ازلی میٹھے انداز میں تعریف کی، البتہ نعمہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنی جلن چھپا نہ پا رہی تھی۔

لاؤنج اک حلیہ بھی بدلا ہوا تھا۔ قیمتی فانوس، پردے، بیش قیمت ڈیکوریشن پیسز، گو کہ پہلے بھی وہاں ہر چیز قیمتی ہوتی تھی مگر اب تو جیسے پیسے کی ریل پیل ہو گئی تھی۔ ایک ایک کونا چمک رہا تھا۔ شاید انہیں اب کُھل اختیار جو مل گیا تھا۔

"سدرہ باجی کدھر ہیں اور آرزو؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے متلاشی نگاہ ادھر ادھر دوڑائی۔

"سدرہ کی تو دسمبر میں شادی ہو گئی۔" تائی مہتاب نے فخر سے بتایا۔ چہرے پر اسے نہ بلانے کی کوئی ندامت نہیں تھی۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوب کر ابھرا۔ وہ غلط تھی، ان کو کوئی شرمندگی نہ تھی بلکہ نعمتوں کی بے پناہ بارش نے انہیں مزید مغرور کر ڈالا تھا۔

"مہرین کا نکاح پچھلے ماہ ہوا ہے، لڑکا ڈاکٹر ہے، انگلینڈ میں ہوتا ہے، اسی سال شادی کر دیں گے۔"

"اچھا۔۔ ماشاءاللہ!" وہ دل سے خوش ہوئی مگر الجھن بہر حال تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ کتنا ظلم کیا پھر بھی انکی خوشیوں میں اضافہ کیوں ہوتا چلا گیا؟

"ندا کی بھی منگنی ہو گئی۔" فضہ چچی کیوں پیچھے رہتیں۔ "وہ بھی ڈاکٹر سے، سعودیہ کی رائل فیملی کے ڈاکٹرز میں سے ہے۔ سامیہ کی بھی آج کل بات چل رہی ہے۔"

"اور آرزو؟" یونہی اسکے لبوں پر پھسل پڑا

"رشتوں کی لان لگی ہے میری بیٹی کے لئے، ہر دوسرے دن کسی شہزادے کا رشتہ آجاتا ہے۔" ناعمہ چچی ہاتھ نچا کر بہت چمک کر بولی تھیں۔

"مگر وہ مانے بھی تو۔" ف ض ہ چ چ ی ن ے د ھ ی م ی س ر گ و ش ی ک ی، آ و از ی ق ی ن اً ن ا ع م تھی جو سُن کر ذرا سی چونکی تو فضہ چچی معنی خیز انداز مُں مسکرائیں۔

"آرزو باجی کدھر ہیں؟ نظر نہیں آرہیں؟" اس نے دوسری دفعہ پوچھا تو ناعمہ چچی اٹھیں ور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے نکل گئیں۔

"انہیں کیا ہوا؟" اس نے تائی مہتاب کو دیکھا، جنہوں نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔

"بیٹی کا دل آگیا ہے کسی پہ، اب ماں کے نہیں دے رہی۔"

"اچھا!" اسے حیرت ہوئی۔ اسی پل سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کوئی رُکا۔ آہٹ پہ محمل نے نگاہ اُٹھائی، اور بے اختیار شال کا پلو سر پر ڈال لیا۔

حسن مبہوت سا ادھر کھڑا تھا۔ کف کا بٹن بند کرتے اسکے ہاتھ وہیں پر رک گئے تھے۔

"السلام علیکم حسن بھائی۔" وہ خوشدلی سے مسکرائی تو وہ چونکا، پھر سر جھٹک کر آخری زینہ اترا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو محمل، کب آئیں؟" وہ ان کی طرف چلا آیا تھا۔ "یہ تمہارا۔۔۔ بیٹا ہے یا بیٹی؟"

"بیٹا ہے، تیمور۔" اس نے جھک کر تیمور کو پیار کیا، پھر سیدھا ہوا۔

"اکیلی آئی ہو؟"

"ارے نہیں، ہمایوں اس کے ساتھ آیا ہے، تمہارے آغا جان کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہے۔ جاؤ مل لو۔"

تائی مہتاب کے کہنے پر وہ سر ہلاتا ہوا ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"حسن بھائی کی کہیں منگنی وغیرہ نہیں کی چچی؟" وہ سادہ سے لہجے میں فضہ سے مخاطب ہوئی۔ اسے لگا وہ اس کا جوگ لئے ابھی تک بیٹھا ہو گا۔

"ارے نہیں۔ حسن کی تو شادی بھی ہو گئی۔ میری بھانجی طلعت یاد ہے تمہیں؟ اسی سے۔ آج کل وہ میکے گئی ہوئی ہے۔ سامیہ، سامیہ" انہوں نے بیٹی کو پکارا۔ "جاؤ حسن کی شادی کا البم لے آؤ۔"

م ح م ل ک و واق ع ت اَ ج ھ ٹ ک ا ل گ ا م گ ر پ ھ ر س ن ب ھ ل گ ئ ی۔ وہ ج وگ ل ی ن ے ن۔ نہ بن سکتا تھا، لیکن بھلا اسے اس کا سہارا چنئے ت بھیی کیوں تھا؟ کبھی بھی نہیں۔ اس کی تو حس کے ساتھ کبھی بھی کوئی جذباتی وابستگی نہ رہی تھی، سو افسوس بھی نہ تھا۔

پھر انہوں نے اسے حسن اور سدرہ کی شادیوں کے البم دکھائے۔ وہ تو سجاوٹ اور دھوم دھام دیکھ کر حق دق رہ گئی۔ دلہنوں کے عرسی لباس اور زیورات تو ایک طرف محض ایونت مینجمنٹ پر پیسہ پانی کی طرح لٹایا گیا تھا۔ انہیں محمل نے وہ سب کچھ خود دیا تھا، اب بھلا وہ کیون نہ اسکا پُر تپاک استقبال کرتے؟

ڈنر بہت پُر تکلف تھا۔ آغا جان اور ہمایوں کے انداز سے لگ رہا تھا ان کی گہری دوستی رہی ہے۔ کون کہہ سکتا تھا، کبھی آغا جان اس شخص کا نام نہیں سُن سکتے تھے؟

بس اس کے ایک دستخط نے ساری دنیا ہی بدل ڈالی تھی، پھر بھی وہ خوش تھی۔ اسے میکے کا مان جو مل گیا تھا۔ چاہے منافقت کا ملمع اوڑے، جھوٹا ہی سہی مگر مان تو تھا نا۔

بس چند لمحوں کے لئے وہ تیمور کا بیگ لینے آئی گاڑی تک آءی تھی اور تب اس نے لان میں کرسی پر بیٹھی آرزو کو دیکھا تو رُک گئی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی، سو تیزی سے اُٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"بہت خوب مسز ہمایوں! خوب عیش کر رہی ہو۔"

اس کے قریب سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی، وہ سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے بہت طنز سے بولی تھی۔ اس نے بمشکل خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

"اللہ کا کارم ہے آرزو باجی! ورنہ میں اس قابل کہاں تھی؟"

" قابل تو خیر تم اب بھی نہیں ہو، یہ تو اپنی اپنی چالاکی کی بات ہوتی ہے۔"

" مجھے چالاکیاں آتی ہوتیں تو اس گھر سے ایسے ہی رُخصت ہوتی جیسے سدرہ باجی ہوئیں۔"

"اوہ ڈونٹ پریٹینڈ ٹو بی انوسینٹ۔" (زیادہ معصوم بننے کی کوشش نہ کرو) وہ تیزی سے جھڑک کر بولی۔

" تم جانتیں تھیں کہ ہمایوں صرف اور صرف میرا ہے، پھر بھی تم نے اس سے شادی کی۔ تمہیں لگتا ہے میں تمہیں یونہی چھوڑ دوں گی؟"

"یہ ہمایوں آپکے کب سے ہو گئے آرزو باجی؟ نام تک تو انکا آپ جانتی نہیں تھیں۔ وہ بھی مجھ سے ہی پوچھا تھا۔"

"اپنی چھوٹی سی عقل پہ زیادہ زور نہ دو محمم ڈیئر۔" اس نے انگلی سے اسکی تھوڑی اُٹھائی۔"اور یاد رکھنا، آرزو ایک دفعہ کسی کو چاہ لے تو اسے حاصل کر کے ہی چھوڑتی ہے۔"

"کیوں؟ آرزو خدا ہے کیا؟" اس کے اندر غصہ ابلا تھا۔ بے اختیار اس نے اپنی تھوڑی تلے اسکی اُنگلی ہٹائی۔

"یہ تو تمہیں وقت بتائے گا کہ کون خدا ہے اور کون نہیں۔" وہ تمسخرانہ انداز میں کہتی مڑی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی اندر چلی گئی۔

"عجیب لڑکی ہے، کسی کے شوہر پہ حق جما رہی ہے، اونہہ!" وہ غم و غصے سے کھولتے ہوئے اندر واپس آگئی۔

"یہ تمہاری کزن آرزو۔۔۔اس کے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ ہے کیا؟" واپسی پر ڈرائیو کرتے کرتے ہوئے ہمایوں نے پوچھا تھا۔ وہ بُری طرح چونکی۔

"کیوں؟ کچھ کہا اس نے؟" اس کا دل ایک دم ڈر سا گیا۔

"ہاں عجیب سی باتیں کر رہی تھی۔"

"آپ کو کب ملی؟ لاؤنج میں تو آئی ہی نہیں۔"

"پتا نہیں، عجیب طریقے سے مردوں کے درمیان آکر بیٹھ گئی اور مجھ سے پے در پے سوالات شروع کر دیئے۔ بہت آکورڈ لگ رہا تھا مگر اس کے باپ کو تو فرق ہی نہیں پڑا۔"

"پھر؟" وہ دم بخود سی سُن رہی تھی۔

" پھر حسن کو برا لگا اور اس نے اسے جھڑ کا کہ اندر جاؤ، بٹ شی واز لائیک کہ میں تمہاری نوکر ہوں جو اندر جاؤں، عجیب سچویشن بن گئی تھی۔ میں فون کا بہانہ کر کے اُٹھ گیا، واپس آیا تو وہ نہیں تھی۔ کوئی مسئلہ ہے اس کے ساتھ؟"

"پتا نہیں۔" وہ لب کچل کر رہ گئی۔

"ایک بات کہوں محمل!"

"ہوں، کہیئے"

" تم یہ مت سمجھنا کہ میں لالچی ہوں مگر حق حق ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا وہ لوگ کسطرح تمہاری جائیداد پر عیش کر رہے ہیں۔ تمہیں ان سا ے اپنا حصہ مانگنا چاہئے۔"

"رہنے دیں، مجھے کچھ نہیں چاہئے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، ہمایوں شانے اچکا کر ڈرائیو کرنے لگا۔

: وہ ہمایوں کو کیسے بتاتی کہ اس کے لئے وہ اپنا حق بہت پہلے چھوڑ چکی ہے۔ اگر فرشتے نے چھپایا تو اسکی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی۔

وہ اندر سے ایک دم بہت افسردہ ہو گئی تھی۔ سو بیگ میں رکھا چھوٹا قرآن نکالا جس کے کور پہ "م" لکھا تھا۔ میں نے یہ ادھر کیوں لکھا ہے؟ وہ ہر دفعہ قرآن کھولنے پہ اپنا لکھا "م" پڑھ کر سوچتی اور پھر یاد یہ آنے پہ شانے اچکا کر آگے پڑھنے لگتی۔

" اور اس نے عطا کیا تم کو ہر اس چیز سے جو تم نے اس سے مانگی تھی۔ اور اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمت کو اسے تم شمار نہیں کر سکتے۔" بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

" کیوں مسکرا رہی ہو؟" وہ ڈرائیو کرتے ہوئے حیران ہوا تھا۔

" نہیں کچھ نہیں۔" اس کے دل کی تسلی ہو گئی تھی سو قرآن بند کر کے رکھنے لگی۔ اسے واقعی ہر وہ چیز مل گئی تھی جو کبھی اس نے مانگی تھی۔

"بتاؤ نا۔"

" اصل میں میرے لئے بڑی پیاری آیت اتاری تھی اللہ تعالیٰ نے، وہی پڑھ کر ان پہ بہت پیار آیا تھا۔" وہ سر جھٹک کر ہنس دیا۔

" ہنسے کیوں؟"

"کم آن محمل! اٹس آل ان یور مائنڈ!"

"کیا؟" وہ حیران ہوئی اور الجھی بھی۔

" محمل! وہ آیت تمہارے لئے نہیں تھی، یہ الہامی کتاب ہے، اوکے؟ اتنا ٹریٹ مت کیا کرو اسے۔ یہ قرآن پاک ہے۔ اس میں نماز روزے کے احکام ہیں۔ اٹس ناٹ اباؤٹ یو۔" اس نے casually موڑ کاٹا۔

وہ سکتے کے عالم میں اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"تم دیکھو محمل! ایک ہی تصویر کو ہر شخص اپنے زاویے سے دیکھتا ہے
اسکے حسن میں کھوئے گا، سائنسدان کسی اور طرح اسے دیکھے گا۔ اٹس آل ان یور مائنڈ۔"

"نہیں ہمایوں! قرآن میں وہی کچھ ہوتا ہے جو میں سوچتی ہوں۔"

"اس لئے کہ تم وہی پڑھنا چاہتی ہو۔ تمہیں ہر چیز زپنے سے ریلیٹڈ لگتی ہے۔ کیونکہ تم اسے خود سے ریلیٹ کرنا چاہتی ہو۔ محمل! یہ سب تمہارے ذہن میں ہے، یہ الہامی کتاب ہے، اس میں تمہارا ذکر نہیں ہے، ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ۔"

دفعتاً اسے موبائل کی گھنٹی بجی۔ اس نے ڈیش بورڈ پہ رکھا
دبا کر کان سے لگالیا۔

"جی رانا صاحب۔۔۔" وہ محو گفتگو تھا۔

محمل نے گُم صم سی نگاہ گود میں سوئے تیمور پر ڈالی اور پھر ہاتھوں میں پکڑے قُرآن کو دیکھا جس کو وہ ابھی بیگ میں رکھنے ہی لگی تھی۔ اسے لگا ہمایوں کی بات نے اسکی جان نکال لی تھی، روح کھینچ لی تھی۔ وہ لمحے بھر میں کھو کھلی ہو گئی۔ تو کیا اتنا عرصہ وہ یہ سب تصور کرتی آئی تھی؟ وہ وہی پڑھتی جو وہ پڑھنا چاہتی تھی؟ اسے وہی دکھائی دیتا جو اس کی خواہش ہوتی؟ وہ ہر چیز کا من چاہا مطلب نکالتی تھی؟

اس کا دل جیسے پاتال میں گرتا گیا۔ ہمایوں ابھی تک فون پہ مصروف تھا، مگر اس کی آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی۔ سب آوازیں جیسے بند ہو گئی تھیں۔ وہ گم صم سی ہاتھوں میں قُرآن کو دیکھے گئی، پھر درمیان سے کھول دیا۔ دو صفحے سامنے روشن ہو گئے۔

پہلے صفحے کے وسط میں لکھا تھا۔

"بے شک اس (قُرآن) میں ذکر ہے تمہارا۔۔۔"

اس سے آگے پڑھا ہی نہ گیا۔ وہ جیسے پھر سے جی اُٹھی تھی۔

ساری اداسی، ویرانی ہوا ہو گئی۔ لد پھر سے منور ہو گیا۔ اب اسے کسی کا نظریہ یا رائے خود پہ مسلط نہیں کرنا تھی۔ مسکراہٹ لبوں پہ بکھیرے اس نے احتیاط سے قرآن پاک سنبھال کر واپس بیگ میں رکھا اور زپ بند کی، پھر سیٹ کی پشت سے آنکھیں ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اسے ہمایوں سے کوئی بحث نہیں کرنا تھی۔ اسے کچھ نہیں سمجھانا تھا۔ وہ اسے سمجھا ہی نہیں سکتی تھی کہ اکثر لوگ نہیں جانتے، نہیں مانتے۔

☆☆☆☆

صبح نئی سی اُتری تھی۔ چڑیا چہچہاتے ہوئے اپنی منزلوں کی طرف اُڑ رہی تھیں۔ رات بارش کھل کے برسی تھی، سو سڑک ابھی کت نم تھی۔ سیاہ بادل اب نیلی چادر سے قدرے سرک گئے تھے اور موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ وہ گیٹ پار کر کے نکلی تو درختوں کی باڑ کے ساتھ کاشف سائیکل دوڑاتا آ رہا تھا۔ وہ تیمور کی پرام دھکیلتی سڑک پہ آگے بڑھنے لگی۔ اس کا رُخ کاشف کی طرف تھا۔

"محمل باجی! السلام علیکم" کاشف اسے دیکھ کر چہک اُٹھا۔ پیزی سے سائیکل بھگاتا ہوا اس تک آیا۔ وہ کالونی کے ان بچوں میں سے تھا جنہیں شام کو محمل اپنے گھر جمع کر کے ناظرہ پڑھاتی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ صبح ہی صبح کدھر جا رہے ہو کاشف؟" وہ رک گئی تھی۔

"ہمارے سکول کی چھٹیاں ہو گئی ہیں نا، تو صبح فارغ ہوتا ہوں۔" اس نے اپنی اُلٹی پی کیپ سیدھی کی۔

اب وہ سائیکل روک کر اس کے ساتھ کھڑا تھا،

"حنان اور راحم وغیرہ کی بھی؟؟"

"جی باجی سب کا آف ہو گیا ہے۔"

"تو پھر یوں نہیں کریں کہ آئندہ فجر کے بعد کلاس رکھ لیں؟"

"باجی! میں تو آجاؤں مگر راحم وغیرہ۔۔۔" اس نے متذبذب سے اپنے ہمسائے کا نام لیا۔

"وہ نہیں آئیں گے؟"

"آپ ان سے خود ہی پوچھ لیجئے گا۔"

کاشف بائیک دوڑاتا دور نکل گیا۔

اس کا ارادہ سامنے مدرسہ جانے کا تھا، مگر پھر نکڑ پہ چھلی والا نظر آگیا۔

بارش کے بعد کا ٹھنڈا سہانا موسم اور بھنے ہوئے دانے۔ وہ رہ نہ سکی اور پر امد دھکیلتی چکڑ پہ کھڑہ ریڑھی کی طرف بڑھ گئی۔

سڑک سنسان پڑی تھی، چھلی والا بھی خاموشی سے سر جھائے ریت گرم کر رہا تھا۔ وہ پرام دھکیلتی آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہی تھی۔ اسے یاد آیا آج اس نے آج صبح کی دعائیں نہیں پڑھیں تھیں۔ حالانکہ وہ روز پابندی سے صبح و شام دعائیں پڑھتی تھی۔ مگر آج کیسے وہ گئیں۔ وہ ہولے ہولے تسبیح پڑھنے لگی۔ تب ہی فاصلہ سمٹ گیا اور وہ ریڑھی کے پاس آن پہنچی تو دھیان بٹ گیا۔

"ایک چھلی بنا دو، اور ساتھ میں پانچ روپے کے دانے بھی اور مسالہ بھی ذرا زیادہ ہو۔" اس کی تسبیح ادھوری رہ گئی بوڑھا چھلی والا سر ہلا کر چھلی بھوننے لگا۔ وہ محویت سے اسے دیکھنے لگی۔

ذہن کے کسی گوشے میں اس روز آرزو کی کہی گئی باتیں کو بجنے لگیں، وہ بار بار انہیں ذہن سے جھٹکنا چاہتی مگر یونہی ایک دھڑ کا تھا دل کو لگ گیا تھا۔ بس ایسے ہی دل گھبرا جاتا۔ وہ نیند میں ڈر جاتی۔ جانے کیا بات تھی۔

"دس روپے ہوئے بی بی۔"

بوڑھے شخص کی آواز پہ وہ چونکی، پھر سر جھٹک کر ہاتھ میں پکڑا پاؤچ کھولا۔ اندر پیسے اور چند کاذ۔بل وغیرہ رکھے تھے۔ اس نے دس کا نوٹ نکالنا چاہا تو ایک کاغذ، جو نوٹ کے اوپر اڑس کر رکھا گیا تھا، اڑ کر دور سڑک پہ جا گرا۔

"اوہ، ایک منٹ۔" وہ دس کا نوٹ اس کے ہاتھ پہ رکھ کر، تیمور کی پرام وہیں چھوڑے، دوڑتی ہوئی گئی جہاں سڑک کے وسط میں وہ مڑا تڑا سا کاغذ پڑا تھ۔ س نے جھک کر کاغذ اُٹھایا اور اسے کھول کر پڑھا، پھر تحریر دیکھ کر مسکرا دی۔ اگلے ہی پل سامنے سڑک کے کونے سے آتی گاڑی کی آواز آئی۔ اس نے گھبرا کر سر اُٹھایا۔ گاڑی تیزی سے اسکی طرف بڑھی تھی۔ ایک ہی جست میں اُڑ کر سڑک پار کرنا چاہتی تھی، مگر موقع نہ ملا۔

تیز ارن کی آواز تھی اور کوئی چیخ رہا تھا۔ اس کے پاؤں حرکت کرنے سے انکاری تھے۔ اس نے گاڑی کو خود سے ٹکراتے دیکھا، پھر اس نے خود کو پورے قد سے گرتے دیکھا، شور تھا۔۔۔ بہت شور اس نے اپنی چیخیں سُنیں۔۔۔۔ اپنے سر سے نکل کر سڑک پر گرتا خون دیکھا، بہتا ہوا لالا خون، بے حد لال۔

اس کی کلائی وہیں اس کے چہرے کے ساتھ بے دم گر گئی، اس نے ہاتھ کھول دیا۔ مڑا تڑا سا کاغذ نکل کر سڑک پہ لڑھک گیا۔ اس نے ارد گرد لوگوں کو اکٹھے ہوتے دیکھا۔ کہیں دور کوئی بچہ رو رہا تھا۔ بہت اونچا اونچا حلق پھاڑ کر۔ دور۔۔۔ بہت دور۔۔۔

جو آخری بات اسکے ڈوبتے ذہن نے سوچی تھی، وہ یہ تھی کہ آج اس نے صبح کی دعائیں نہیں پڑھی تھیں۔

اس کا ذہن گھپ اندھیرے میں ڈوب چکا تھا۔ تاریکی۔۔۔ سیاہ کالی مہیب سی تاریکی۔ بنا رنگ کے، بنا شور کے، خاموش سی تاریکی۔ اندھیرے پہ اندھیرا، پردے پہ پردہ۔

اس کا ذہن زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔ پانی پہ بہہ رہا تھا۔ بادلوں پہ تیر رہا تھا۔ زمین اور آسمان کے درمیان، یہ اوپر، نہ نیچے۔ ہوا کے بیچ کہیں معلق، کہیں درمیان میں، کسی تیرتے بادل پر۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ کتنی ہی دیر یک ٹک چھت کو دیکھے گئی۔ وہ کون تھی؟ کدھر تھی؟ کیوں تھی؟ وہ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو تکتی رہی۔ پھر یکایک ادھر ادھر دیکھنا چاہا۔

ارد گرد سفید دیواریں تھیں۔ قریب ہی ایک کاؤچ رکھا تھا۔ تپائی پہ سوکھے پھولوں کا گلدستہ سجا تھا۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنا چاہا، مگر جسم جیسے بے جان سا ہو گیا تھا یا شاید وہ بے حد تھک چکی تھی۔ اس نے کوشش

ترک کردی اور اپنے بازوؤں کو دیکھا، جن میں بے شمار نالیاں سی پیوست تھیں۔ ہر نالی کسی نہ کسی مشین کے

س رے پہ ج ا رک ت ی ت ھ ی۔ وہ ش ای د اس پ ت ال ک ا ک م رہ ت ھ ا۔ اور ی ہ خ و

خود کو کیسے بھولا جاسکتا ہے بھلا؟ آہستہ آہستہ ساری یاداشتیں ذہن کے ہر گوشے سے ابھرنے لگیں۔ ایک ایک

بات ایک ایک چہرہ اسے یاد آتا گیا۔ تھک کر اس نے آنکھیں موندلیں۔ آخری بات بھلا کیا ہوئی تھی؟ کس چیز

نے اسے ادھر ہسپتال پہنچایا؟ شاید کوئی ایکسیڈینٹ؟ اور اسے دھیرے دھیرے یاد آتا گیا۔ وہ بھٹہ لینے

سڑک کے اس پار گئی تھی۔ اس کے ساتھ کاشف بھی تھا۔ وہ سائیکل چلا رہا تھا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہی ہوا تھا کہ وہ

ریڑھی والے کے پاس چلی گئی۔ پھر۔۔۔ پھر کچھ ہوا تھا۔۔۔ اسے ٹکر لگی تھی۔ خون، بکھرے کاغذ، روتا بچہ۔

"بچہ؟" اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ادھر اکیلی تھی۔ مگر وہ

روتا بچہ۔۔۔ وہ آواز جو اسے آخری پل تک سنائی دی تھی؟ تیمور۔۔۔ تیمور رو رہا تھا۔ ہاں اسے یاد تھا، کہاں ہے

تیمور؟

اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا، اسی پل دروازہ کھلا۔

سفید یونیفارم میں ملبوس نرس اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ وہ تیزی سے ٹرے لئے بیڈ کی

طرف بڑھی، پھر اسے جاگتے دیکھ کر ٹھٹکی۔

"اوہ شکر ہے آپ کو ہوش آگیا" وہ حیران سی کہتی اسکے قریب آءی۔ تب ہی کھلے دروازے میں ایک بچہ نظر

آیا۔"

چھ سات برس کا خوبصورت سا بچہ، شاید وہ کاشف کا ہمسایہ راحم تھا۔ ہاں وہ راحم تھا یا شاید راحم کو چھوٹا بھائی، وہ فیصلہ نہ کر پائی۔

آر یو آپل رائٹ؟" نرس نے آہستہ سے اس کے ہاتھ کو چھوا۔ پھر حیرت سے پوچھا۔ وہ بنا جواب سئے بچے کا چہرہ دیکھتی رہی، جو عجیب انہماک سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ شاید وہ لڑکا تھا جس کو وہ شام میں ناظرہ پڑھاتی تھی۔

"ہم آہ کی سسٹر کو بلاتا ہے ابھی۔" نرس خوشی سے چہکتی باہر کو بھاگی۔ وہ ابھی تک بچے کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، جن میں عجیب سی کوفت تھی اور ننھی پیشانی پہ ذرا سے بل۔ وہ اس کو عجیب تنفر بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا کاوچ پہ آبیٹھا اور کہنیاں گھٹنوں پہ رکھ کر دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ گرا سیا۔ وہ ابھی تک اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"راحم!" اس نے پکارا تو اسے اپنی آواز بہت ہلکی، پٹی پھٹی سی سنائی سی۔ بچہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔

"راحم!" اس نے پھر آواز دی، وہ بچہ اسی طرح سے دیکھتا رہا۔

"راحم!" اس نے پھر آواز دی۔ وہ بمشکل بول پا رہی تھی۔

"میں سَنی ہوں۔" پھر لمحے بھر کو رُک کر عجیب تنفر سے بولا۔ "آئی ڈونٹ لائک یو۔"

"سنی؟" وہ دنگ رہ گئی، اس بچے کو وہ روز ناظرہ پڑھاتی تھی، وہ شاید راحم کو چھوٹا بھائی تھی۔ پھر وہ ایسے کیوں بات کر رہا تھا؟

اسی پل دروازہ زور سے کُلا۔

محمل نے چونک کر دیکھا۔

دروازے میں فرشتے کھڑی بے یقینی سے محمل کو دیکھ رہی تھی۔

"فر۔۔۔ فرشتے۔" وہ اپنی جگہ بچل ہ گئی۔ فرستے تو باہر تھی وہ پاکستان کب آئی؟

"اوہ میرے اللہ! محمل!" اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا۔ کتنے ہی پل وہ بے یقین سی کھڑی رہی۔ اس کا چہرہ کافی کمزور ہو گیا تھا۔

"محمل! محمل!" ایک دم آگے بڑھ کر اس نے بے قراری سے اس کا چہرہ چھوا۔

"تم مجھے دیکھ سکتہ ہو محمل؟ مجھے پہچانتی ہو؟ تم بول سکتی ہو؟"

"میں تمہیں کیوں نہیں پہچانوں گی فرشتے؟ تم کب آئیں؟"

"میں؟" فرشت متعجب نظروں سے اسے تک رہی تھی۔ میں تو۔۔۔ مجھے تو کافی وقت ہو گیا محمل! تم، میں نے تم سے اتنی باتیں کیں، تم نے سُنا؟

"کیا؟" وہ الجھ سی گئی۔ "نہیں تو۔۔۔ میں نے تو کوئی بات ہیں سُنی، میں تو۔۔۔" وہ رک رک کر ٹک اٹک کر بول رہی تھی۔" میں تو۔۔۔ مجھے تو صبح ریڑھی والے کے پاس گئی تھی۔ مجھے گاڑی نے ٹکر ماردی۔۔ اور تم نے پتا یا ہی نہیں کہ تم آ رہی ہو؟"

"فرشتے! بولو"

"محمل تم۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی، جیسے سمجھ نہ ارہا ہو کہ کیا کہے۔

"یو اینڈ یور اوور ایکٹنگ! ہونہہ۔" وہ چھوٹا لڑکا بے زاری سے کہہ اُٹھا۔ فرشتے نے چونک کر اسے دیکھا۔

سیاہ حجاب میں دمکتے چہرے پر ہلکی سی ناگواری ابھری۔

"سنی پلیز بیٹا! جاؤ یہاں سے، مجھے بات کرنے دو۔"

"میں کیوں جاؤں؟ میری مرضی، آپ دونوں چلی جائیں۔"

"فرشتے یہ کون ہے؟ کیوں ضد کر رہا ہے؟" وہ الجھ کر پوچھ رہی تھی، مگر فرشتے دوسری طرف متوجہ تھی۔۔

"آئی ڈونٹ وانٹ ٹو گو۔" وہ بدتمیزی سے چیخا تھا۔

"شٹ اپ تیمور! اینڈ گیٹ آؤٹ، تم دیکھ نہیں رہے میں ماما سے بات کر رہی ہوں۔"

"تم نے۔۔۔ تم نے تیمور کہا فرشتے؟" وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"ہاہ! شی از ناٹ مائی مام!" وہ سر جھٹکتا اٹھ کر باہر گیا اور اپنے پیچھے زور سے دروازہ بند کیا۔

"تم نے تیمور کہا؟ نہیں یہ تیمور نہیں۔۔۔ میرا تیمور کہاں ہے؟" اس کا دل بند ہو رہا ہے، کہیں کچھ غلط تھا، کہیں کچھ بہت غلط تھا۔

فرشتے نے آہستہ سے گردن اس کی طرف موڑی۔

اسکی سنہری آنکھوں میں گلابی سے نمی بھر آئی تھی۔

"محمل! تمہیں کچھ یاد نہیں؟"

کیا۔۔۔ کیا یاد نہیں؟ میرا بچہ کہاں ہے؟" وہ گھٹی گھٹی سی سسک اٹھی۔ کچھ تھا جو اس کا دل ہولا رہا تھا۔

"محمل۔۔۔" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر گال پر لڑھکنے لگے۔ بے اختیار اس نے محمل کے ہاتھ تھام لیئے۔۔ "تمہارا ایکسیڈینٹ ہوا تھا۔"

"فرشتے میں پوچھ رہی ہوں میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"تمہارے سر پر چوٹ آئی تھی، تمہارا اسپائنل کورڈ ڈیمیج ہوا تھا۔"

"فرشتے! میرا بچہ۔" اسکی آواز ٹوٹ گئی۔

"محمل۔۔۔ محمل! تم بے ہوش ہو گئی تھیں، تم کوما میں چلی گئی تھیں۔

"مجھے پتا ہے صبح میرا ایکسیڈینٹ۔۔۔"

"وہ صبح نہیں، وہ سات سال پہلے تھا۔"

وہ سکتے کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

"وقت سات سال آگے بڑھ گیا ہے۔ تمہیں کچھ یاد نہیں؟ وہ ساری باتیں جو میں اتنے برس تم سے کہتی رہی؟ وہ دن، وہ راتیں جو میں نے ادھر تمہارے ساتھ گزاریں، تمہیں کچھ یاد نہی؟"

وہ پتھر کا بت بن گئی تھی۔ فرشتے کو لگا وہ اس کی بات نہیں سن رہی۔

" ڈاکٹرز کہتے تھے تم کبھی بھی ہوش میں آ سکتی ہو۔ ہم نے بہت ویٹ کیا تمہارا محمل۔ بہت زیادہ"

وہ گُم صم اسے دیکھے گئی۔ گویا وہاں تھی ہی نہیں۔

"میں نے تمہارے اُٹھ جانے کی بہت دعائیں کیں محمل! میں نے اپنا پی ایچ ڈی چھوڑ دیا، تمہارے ایکسیڈینٹ کے دوسرے مہینے میں آ گئی تھی، دو ماہ رہی، پھر واپس گئی مگر دل ہی نہیں لگ سکا۔ میں پڑھ ہی نہیں سکی۔ پھر میں نے پڑھائی چھوڑ سی اور تمہارے پاس آ گئی۔ اتنے برس محمل، اتنے برس گزر گئے۔"

"میرا۔۔ میرا تیمور؟"

"یہ تیمور تھا نا سنی، ہم اسے سنی کہتے ہیں۔"

"فرشتے! وہ میرا بچہ ہے۔ اور خدایا۔" اس نے بے یقینی سے آں ھیں موند لیں۔" وہ اتنا بدل گیا ہے؟"

"بت کچھ بدل گیا ہے محمل، کیونکہ وقت بدل گیا ہے۔"

"ہمایون؟" اس کے لب پھڑ پھڑائے۔ "ہمایوں کہاں ہے؟"

"نرس نے جب بتایا تو میں نے اسے کال کر دیا تھا مگر۔۔۔" وہ لمحے بھر کر ہچکچائی۔ "وہ میٹنگ میں تھا، رات تک سکے گا۔"

" نہیں فرشتے تم اسکو بلاؤ، پلیز بلاؤ، اس سے کہو محمل جاگ گئی ہے۔ محمل اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ میرے ا یک فون پر دوڑا آتا تھا"

"وہ سات سال پہلے کی بات تھی محمل، وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل جاتا ہے، انسان بیھ بدل جاتے ہیں۔"

"وہ کیوں نیں آیا؟" وہ کھوئی کھوئی سی بولی تھی۔

"محمل! پریشان مت ہو، پلیز، دیکھو۔"

وقت ہمایوں کو نہیں بدل سکتا، میرا ہمایوں ایسا نہیں ہے، میرا تیمور ایسا نہیں ہے۔

وہ ہذیانی انداز سے چلائی۔ اتنی بے یقینی تھی کہ اسے رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ فرشتے تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔

ابھی اسے سنبھلنے میں وقت لگے گا، وہ جانتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

جانے کتنا وقت گزرا، وہ لمحوں کا حساب نہ رکھ پائی۔ اور اب کون سے حساب باقی رہ گئے تھے؟

دروازے پر ہولے سے دستک ہوئی۔ اس نے لمحے بھر کو آنکھیں کھولیں۔۔

کھلے دروازے کے بیچ وہ کھڑا تھا۔

"ہمایوں!

تڑپ کر رہ گئی، بے اختیار آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"ہوں، کیسی ہو؟" وہ پائنتی کے قریب کھڑا رہا، آگے نہیں بڑھا، آواز میں عجیب سی سرد مہری تھی۔

"ہمایوں، یہ سب کیا ہے؟ یہ کہتے ہیں کہ اتنے سال گزر گئے، میری نیند اتنی لمبی کیوں ہو گئی؟"

"م، علوم نہیں۔ ڈاکٹرز تمہیں کب ڈسچارج کریں گے؟"

"میں ٹھیک ہو جاؤں گی نا ہمایوں؟" وہ تسلی کے دو بول سننا چاہتی تھی۔

"ہوں۔" وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے تنقیدی نظروں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

" ہمایوں۔۔۔مجھ سے بات تو کریں۔"

"ہاں کہو، میں سُن رہا ہوں۔"

اسی پل دروازے میں فرشتے کا سراپا ابھرا، وہ ہاتھ میں فروٹ باسکٹ پکڑے تیزی سے اندر آ رہی تھی۔ ہمایوں اس کے ایک طرف سے نکل کر باہر چلا گیا۔

فرشتے نے پلٹ کر اسے جاتے دیکھا۔

"ہمایوں ابھی تو آیا تھا؟ چلا بھی گیا؟ کیا کہہ رہا تھا؟"

محمل کے چہرے پر کچھ تھا کہ وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گئی تھی۔

" فکر مت کرو، وہ ہر کسی سے ایسے ہی بی ہیو کرتا ہے۔" وہ ماحول کر خوشگوار کرنے کے لئے کہتے ہوئے آگے بڑھی۔

"مگر میں کی تو نہیں فرشتے۔"

" ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ، تم کیوں فکر کرتی ہو؟"

"مگر ہو مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا؟"

" محمل، دیکھو، اس تبدیلی نے وقت لیا ہے، تو اس کو بھی ٹھیک ہونے میں وقت لگے گا۔ تم اس کو کچھ وقت دو۔" وہ اس کے ریزمی بھورے بال نرمی سے ہاتج میں بکڑے برش کر رہی تھی۔۔

☆☆☆☆☆

"بیٹھو تیمور! مجھے تم سے بات کرنا ہے۔"

"آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ٹاک ٹو یو۔" وہ کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مگر مجھے کرنا ہے اور یہ تمہارے ڈیڈ کا میسج ہے۔ میرا نہیں۔"

"واٹ؟" وہ لمحے بھر کو رکا تھا ماتھے پہ بل اور بھنویں تنی ہوئی۔

"شاید میں اس گھر سے چلی جاؤں، شاید اب ہم ساتھ نہ رہیں، میں اور تمہارے ڈیڈی۔"

"آئی ڈونٹ کیئر!"

"تیمور! تم کس کے ساتھ رہنا چاہو گے؟ میرے ساتھ یا ڈُڈُ کے ساتھ؟" وہ جانتی تھی کہ تیمور کا جواب اس بے حق میں نہیں ہو گا، پھر بھی پوچھ لیا۔

"کسی کے بھی ساتھ نہیں۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے تھے۔

"مگر بیٹا آپ کو کسی کے ساتھ تو رہنا ہی ہو گا۔"

"میں آپکا نوکر ہوں جو کسی کے ساتھ رہوں؟ جسٹ لیو می الون۔" وہ ایک دم زور سے چیخا تھا اور پھر کرسی کو ٹھوکر مارتا ہوا اندر چلا گیا۔۔

وہ تاسف سے اسے دور جاتی سیکھتی رہی۔ یہ تلخ لہجہ، یہ بد مزاجی، یہ اندر بھرا زہر۔۔۔ یہ کس نے تیمور کے اندر ڈالا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ اس کے باپ کو موردِ الزام ٹھہراتی، ایک منظر سا اس کی نگاہوں کے سامنے بننے لگا۔

جینز کرتے میں ملبوس، اونچی پونی ٹیل والی ایک لڑکی چہرے پہ ڈھیروں بے زاری سجائے چلا رہی تھی۔

"میں آپکے باکی نوکر ہو نجویہ کروں"

اس کے مخاطب بہ سے چہرے تھے، کبھی تائی مہتاب، کبھی مسرت، کبھی کزنز، تو کبھی کوئی چچا۔

اسے وہ منہ پھٹ، بد مزاج، اور تلخ لڑکی یاد آئی، اور اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

"ہاں۔۔۔ جو اپنے بڑوں کے ساتھ جیسا کرتا ہے، اس کے چھوٹے بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کرتے ہیں۔" کوئی اس کے اندر بولا تھا۔

"محمل" کسی نے پکارا تو وہ خیالوں سے جاگی اور پھر سختی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"کیا میں نے ٹھیک سُنا؟" فرشتے جیسے بے یقین سی اس کے سامنے آئی۔

"کیا؟"

"محمل! تم اور ہمایوں۔۔۔ الگ ہو رہے ہو؟" وہ متحیر سی کہتی اس کے سامنے زمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور دونوں ہاتھ اس کی گود میں دھرے ہاتھوں پہ رکھے۔

"ہاں۔۔۔ شاید۔"

"مگر۔۔۔ مگر تم نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟" وہ مضطرب سی اس کی آنکھوں میں دیکھتی، جواب تلاش کر رہی تھی۔

"میں نے نہیں کیا۔۔۔ ہمایوں نے کیا ہے۔"

"کیا اس نے خود تمہیں ایسا کہا ہے؟"

"ہاں۔۔"

"تو۔۔۔ تم نے مان لیا؟" وہ بے یقین تھی۔

"میرے پاس چانس بچی ہے کیا؟"

فرشتے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرشتے! میرے اختیار میں نہ کل کچھ تھا نہ آج ہے۔ ہمایوں نے فیصلہ سنانا تھا' سنا دیا۔ اگر وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتا تو کیا میں اسے مجبور کروں؟ نہیں"۔ اس نے سختی سے نفی میں سر ہلایا۔" اگر وہ علیحدگی ہی چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں مصالحت کی آخری کوشش ضرور کروں گی' مگر اس سے بھیک نہیں مانگوں گی۔

"پھر۔۔۔ پھر کیا کرو گی؟ کدھر جاؤ گی؟"

فرشتے! میں ہمایوں کی محتاج نہیں ہوں۔ اللہ کی دنیا بہت بڑی ہے۔ میں اپنے بیٹے کو لے کر کہیں بھی چلی جاؤں گی۔"

"تم اس کے بغیر رہ لو گی؟"

۔کیا وہ میرے بغیر نہیں رہ رہا؟" وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"مگر کیا تم خوش رہو گی؟"

اگر اللہ نے میرے مقدر میں خوشیاں لکھی ہیں تو وہ مجھے مل ہی جائیں گی' بھلے ہمایوں میرے ساتھ ہو یا نہ ہو"

فرشتے تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔

"آئی ایم ویری سوری محمل! اگر تم کہو تو میں اسے اس کا فیصلہ بدلنے کو۔۔۔۔۔"

نہیں۔" اس نے تیزی سے بات کاٹی۔"

"آپ اس معاملے میں نہیں بولیے گا۔"

"مگر ایک دفعہ' مصالحت کی ایک کوشش تو۔"

پلیز فرشتے! مجھے بھکاری مت بنائیں۔" اس نے کچھ ایسی بے بسی سے کہا کہ فرشتے لب کاٹتی رہ گئی۔"

"مگر۔۔۔۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کیا اس نے تمھیں وجہ بتائی ہے؟"

کیا میں نہیں جانتی؟ ہونہہ!" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔" وہ ایک معذور عورت کیساتھ کب تک رہے؟"

"کب تک میری خدمت کرے؟ وہ میری بیماری سے اکتا گیا ہے میں جانتی ہوں۔

"کیا یہ ہی واحد وجہ ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟"

واللہ اعلم' خیر، جو بھی کرنا سوچ سمجھ کر کرنا' اگر تم نے فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اپنے دل کو بھی اس پہ راضی کر لینا"

لو یو سسٹر!" اس نے اپنے ہاتھ محمل کے ہاتھوں سے ہٹائے اور ہولے سے اس کا گال تھپتھپاتی کھڑی

ہو گئی۔

بس یہ یاد رکھنا میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں' اور جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتی' میں تمھیں چھوڑ کر'

"کہیں نہیں جاؤں گی او کے۔

محمل نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب سے ہمایوں نے علیحدگی کی بات کی تھی' وہ لاکھ خود کو فرشتے کے سامنے صابر، شاکر ظاہر کرتی' اندر سے وہ

مسلسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ اس کی یادداشت میں ہمایوں کے ساتھ بیتا ایک سال ہی تھا۔ باقی کے دو سال

ذہن کے پردے پہ اترے بغیر ہی سرک گئے تھے۔

اور وہ ایک سال جو اس نے اس گھر میں محبتوں اور چاہتوں کے بیچ گزارہ تھا۔ جب وہ دونوں گھنٹوں

باتیں کرتے تھے۔ وہ کینڈل لائٹ ڈنرز۔ وہ لانگ ڈرائیوز، وہ روز ہمایوں کے لئے تیار ہونا، وہ ٹیرس پہ جا کر رات

کو باتیں کرنا وہ ایک ساتھ کی گئی شاپنگز۔۔۔۔ ہر شے اس کی یادداشت پہ سے کسی فلم کی طرح گزرتی تھی اور ہر یاد

اس کے دل پہ مزید آنسو گراتی جاتی تھی۔

اور اگر تیمور بھی اس کے ساتھ نہ رہا' تب وہ کیا کرے گی؟ کدھر جائے گی؟ اگر ہمایوں نے اسے گھر سے

نکال دیا تو کہاں رہے گی؟ کیا اپنے چچاؤں کے پاس؟ کیا وہ اسے رکھیں گے؟ یا فرشتے کے ساتھ؟ مگر فرشتے تو خود تنہا تھی۔ ہمایوں کے گھر میں مہمان تھی۔ پھر وہ کیا کرے گی؟

یوں لگتا تھا کہ چلچلاتی دھوپ میں اسے لا کھڑا کیا گیا تھا۔ نہ چھت' نہ سائبان' مستقبل کا خوف کسی بھیانک آسیب کی طرح اس کے دل سے چمٹ گیا تھا۔ بار بار یہ سوال ذہن میں اٹھتے اور وہ بمشکل ان کو جھٹلا پاتی۔

اور پھر آخر کب تک وہ ان کو یوں جھٹکے گی؟ کبھی نہ کبھی تو ان کا جواب چاہئے ہو گا اور جس کتاب سے جواب مل جایا کرتے تھے' اس کے صفحے بار بار ایک ہی آیت سے کھل جاتے تھے۔ کبھی ایک جگہ سے کھل جاتی تو کبھی دوسری جگہ سے اور یہ ہی قصہ سامنے آجاتا۔

"اور داخل ہو جاؤ دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور کہو حطۃ۔"

مگر ہیکل سلیمانی کا دروازہ کہاں تھا؟ وہ تو بن سواری کے شہر سے نکال باہر کی جا رہی تھی اندر کیسے جاتی؟

وہ سہ پہر بہت زرد سی اتری تھی۔ بلقیس نے اسے بیڈ سے وہیل چیئر پہ بٹھایا اور باہر لے آئی۔

تیمور لاؤنج میں صوفے پہ کتابیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی' اور پھر نگاہیں کتاب پہ جما دیں۔ وہ پیاسی نظروں سے اسے تکتی رہی' یہاں تک کہ بلقیس وہیل چیئر لاؤنج کے داخلی دروازے تک لے آئی۔

دروازے کی چوکھٹ پہ لگے گلاس، بیل بوٹوں اور نقش و نگار کے درمیان اسے صوفے پہ بیٹھے تیمور کا چہرہ نظر آیا جو بہت غور سے اسے باہر جاتے دیکھ رہا تھا۔ بلقیس وہیل چیئر لان میں لے آئی۔ تازہ ہوا کا جھونکا چہرے سے

ٹکرایا تو بھورے بال پیچھے کو اڑنے لگے۔ اس نے آنکھیں موند کر لمحے بھر کو موسم کی تازگی اپنے اندر اتارنا چاہی۔ تب ہی دیوار کے اس پار سے مدھم مدھم سی بھنبھناہٹ سماعت میں اتری۔

"اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جاتی ہے۔"

اس نے چونک کر آنکھیں کھولی۔ اسے گھر آئے ایک مہینہ ہونے کو آیا تھا مگر وہ کبھی مسجد نہیں گئی تی۔ نہ جانے کیوں؟

بلقیس! مجھے مسجد لے چلو۔" ایک دم سے اس کا دل مچل گیا تھا۔"

بلقیس نے فرمانبرداری سے سر ہلا کر وہیل چئیر کا رخ موڑ دیا تھا۔

فرشتے کدھر ہیں۔" اس نے سوچا کی اسے بھی ساتھ لے لے۔"

"وہ کھانا کھا کر سو گئی تھیں۔"

چلا ٹھیک ہے۔" وہ جانتی تھی فرشتے تھکی ہوئی ہو گی۔ صبح بھی وہ فزیو تھرزپسٹ کے ساتھ محمل کی ایکسر سائز اور" پھر مساج کرنے میں لگی رہی تھی۔ پھر سبزی لانا اور گھر کی نگرانی کرنا۔ وہ شام کو مسجد جائے گی ہی' پھر ابھی اسے کیوں تھکائے سو اس نے فرشتے کو بلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

مسجد کا ہرا ابھرا' گھاس سے مزّین لان ویسا ہی خوب صورت تھا جیسا وہ چھوڑ گئی تھی۔ سفید ستونوں پر کھڑی عالیشان اونچی عمارت' چمکتے سنگ مرمر کے برآمدے۔۔۔ کونوں میں رکھے سبز لہلہاتے گملے، شور مچاتی دنیا

سے دور' ہنگامے سے پاک' ٹھہرا ہوا' کونا کونا سکون میں ڈوبا ماحول۔

مسجد کے اندر کوئی اور ہی دنیا تھی۔ ٹھنڈی تازگی بھری' باوقار سی دنیا۔ اس کے در و دیوار سے سکون ٹپکتا تھا۔ وہ جیسے بچوں کی طرح کھل اُٹھی تھی۔ آنکھوں میں چمک آگئی اور بے اختیار ادھر اُدھر گردن گھماتی وہ ہر ہر شے دیکھ لینا چاہتی تھی۔ بلقیس آہستہ آہستہ وہیل چئیر آگے بڑھا رہی تھی۔

برآمدے میں سنگ مرمر کی چمکتی سیڑھیاں اترتی تھیں۔ ان پہ مسلسل اوپر نیچے لڑکیاں آجا رہی تھی۔ سفید یونیفارم کے اوپر لائیٹ گرین اسکارف' پارسٹ کلر کے اسکارف پہنے وہ مسکراتی خوش باش لڑکیاں' ہاتھوں میں قرآن اور کتابیں پکڑے ہر کسی کو مسکرا کر سلام کرتی آس پاس نظر آرہی تھیں۔

وعلیکم سلام۔۔۔وعلیکم سلام۔۔۔" وہ مسکرا کر ہر ایک کے سلام کا جواب دے رہی تھی۔ وہ وہاں کسی کو' نہیں جانتی تھی اور کوئی اسے نہیں جانتا تھا پھر بھی سلام کرنا اور سلام کرنے میں پہل کی حرص رکھے' ہر کوئی پاس سے گزرتے سلام کرتا تھا۔ اس کا پور پور خوشی میں ڈوب رہا تھا۔ یہ ماحول' یہ در و دیوار۔۔ یہ تو اس کی ذات کا حصہ تھے۔ وہ کیسے اتنا عرصہ ان سے کٹی رہی؟

وہ نم آنکھوں سے مسکراتے وہیل چئیر پہ بیٹھی مسلسل سب کے سلام کا جواب دے رہی تھی۔

نہ کسی نے رک کر ترس سے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے۔ نہ کسی نے ترحم بھری نگاہ ڈالی۔ نہ کوئی تجسس' نہ کوئی کرید۔ وہ کونے میں وہیل چئیر پہ بیٹھی ساری چہل پہل دیکھ رہی تھی۔

پھر کتنی ہی دیر وہ ادھر ہی بیٹھی رہی 'یہاں تک کہ بلقیس نے مرکز تک جانے کی اجازت مانگی۔

رات صاحب کے کوئی سرکاری مہمان آنے ہیں اور فرشتے بی بی نے مجھے گوشت بنوانے کو کہا تھا' میں بھول "ہی گئی آپ بیٹھو میں لے کر آتی ہوں۔

"نہیں' میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی' آج دل کر رہا ہے دنیا کو پھر سے دیکھنے کا۔"

ایک الوہی سی چمک نے محمل کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔وہ اس ماحول میں آ کر جیسے بہت خوش تھی اور خوشی کو اپنے اندر سمیٹ کر وہ اب دنیا کا مقابلہ کرنے کو تیار تھی۔

آج اسے بازار جانے سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔

بلقیس عادتاً چھوٹی موٹی ادھر اُدھر کی باتیں کرتی اس کی وہیل چئیر چلاتی مرکز تک لے آئی۔ مرکز وہاں سے بہت قریب پڑتا تھا۔ وہ گوشت بنوانے دکان میں چلی گئی جب کہ محمل باہر بیٹھی رہی۔

گاڑیاں بہت تیزی سے گزر رہی تھیں۔ لوگ بہت اونچا بول رہے تھے موٹر سائیکلیں بہت شور مچا رہی تھیں۔ روشنیاں بہت تیز تھیں۔

ذرا سی دیر میں ہی سارا سکون ہوا ہو گیا۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔

جلدی کرو بلقیس!" وہ لفافے تھامے دکان سے باہر آئی تو محمل سخت اکتا چکی تھی۔"

بس بی بی یہ سامنے والے پلازہ میں ہوٹل ہے۔ تیمور بابا کے لئے پزا لے لوں ورنہ بابا کھانا نہیں کھائے گا۔ بس"

"بی بی' پانچ منٹ۔

وہ تیز تیز وہیل چئیر دھکیلتی کہہ رہی تھی۔ محمل نے بے زاری اور بے چینی سے سڑک کو دیکھا۔ وہ فراٹے بھرتی گاڑیاں اسے بہت بری لگ رہی تھیں۔ ایسی ہی کسی گاڑی نے کبھی اسے ٹکر ماری تھی۔

بلقیس ایک فاسٹ فوڈ کے سامنے اسے کھڑا کر کے اندر چلی گئی' اور وہ اس ریسٹورنٹ کی گلاس وال کو تکتے اس گاڑی کو یاد کرنے لگی جس نے اسے ٹکر ماری تھی۔ نہ جانے وہ کون تھا یا تھی؟ پکڑا بھی گیا یا نہیں؟ کیا ہمایوں نے اس پہ مقدمہ کیا ہوگا؟ اسے جیل بھیجا ہوگا؟ مگر یوں مقدمہ کرنے سے اس کا نقصان پورا تو نہیں ہو سکتا تھا۔

"خیر جانے دو' میں نے معاف کیا سب کو۔"

اس نے سر جھٹکا اور پھر بے چین و منتظر نگاہوں سے ریسٹورنٹ کی گلاس وال کو دیکھا۔ بلقیس جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔

وہ یونہی بے زاری سے نگاہ اِدھر اُدھر گھماتی رہی اور دفعتاً بری طرح ٹھٹکی۔ ریسٹورنٹ کی گلاس وال کے اس طرف کا منظر صاف' واضح تھا۔

کونے والی میز پہ بیٹھا وہ مسکراتے ہوئے والٹ کھولتا ہمایوں ہی تھا۔ وہ یک ٹک اس کی مسکراہٹ کو دیکھے گئی۔ کیا اسے مسکرانا یاد تھا؟ کیا اسے مسکرانا آتا تھا؟

اور تب اس کی نظر ہمایوں کے مقابل بیٹھی لڑکی پہ پھسلی۔ شولڈر کٹ بال' سلیو لیس شرٹ' دوپٹہ ندارد' کمان

کی طرح پتلی آئی بروز۔۔۔وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی اور ہمایوں سر جھٹک کر مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

اس لڑکی کو وہ اچھی طرح پہچانتی تھی۔وہ آرزو تھی۔وہ واقعی آرزو تھی۔

ہمایوں اب والٹ سے چند نوٹ نکالتے کچھ کہہ رہا تھا جبکہ وہ ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔دونوں کے درمیان بے تکلفی واضح اور عیاں تھی۔

تو یہ بات تھی ہمایوں داؤد! تمھیں آرزو ہی ملی تھی۔" اس نے غم سے لب کاٹتے ہوئے سر جھٹکا۔فرشتے " ٹھیک کہتی تھی یقیناً وجہ کوئی اور تھی اس کی معذوری کا تو بہانہ تھا۔اصل وجہ تو وہ پتلی کمان سی ابرو والی شاطر لڑکی تھی جو اس کے شوہر کے ساتھ سرِ عام لنچ کر رہی تھی۔

اس نے کہا تھا وہ ہمایوں کو اس سے چھین لے گی' ٹھیک ہی کہا تھا۔

محمل نے کرب سے سوچا۔

مغرب کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں' جب بلقیس اس کی وہیل چئیر دھکیلتی گھر کے گیٹ میں داخل ہوئی۔

اس کے سامنے ایک ہی منظر تھا' کونے کی ٹیبل پہ بیٹھے ہنستے مسکراتے دو نفوس' ایک جانا پہچانا سا فرد اور ایک جانی پہچانی سی عورت۔

وہ اجڑی اجڑی سی صورت لئے گم سم سی وہیل چئیر پہ بیٹھی تھی۔بلقیس کب اسے کمرے تک لائی اسے کچھ علم نا

تھا۔

کسی نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی' اور پھر گردن اُٹھا کر سامنے دیکھا۔

رشتے حیران سی اس کے سامنے کھڑی تھی زرد شلوار قمیض میں ملبوس' دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے اس نے گیلے بھورے بال سمیٹ کر دائیں شانے پہ ڈال رکھے تھے۔ شاید ابھی وہ نہا کر آئی تھی۔

کدھر گم ہو محمل؟ کب سے تمھیں بلا رہی ہوں" وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے کارپٹ پہ بیٹھی اور اس کے" دونوں ہاتھ تھام لئے۔ دائیں شانے پہ پڑے اس کے گیلے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک کر دامن کو بھگو رہے تھے

آپ ٹھیک کہتی تھی فرشتے۔" وہ جیسے ہار گئی تھی۔ فرشتے کو لگا وہ رو رہی ہے مگر اس کے آنسو باہر نہیں' اندر" گر رہے تھے۔

"میں نے آج خود ان دونوں کو دیکھا ہے۔"

کن دونوں کو۔"وہ بری طرح چونکی۔"

"ہمایوں اور۔۔۔اور آرزو کو۔"

"آرزو؟ اسد انکل کی بیٹی آرزو؟"

"ہاں وہی۔ کیا اسد چچا کی ڈیتھ ہو گئی ہے؟"

تم نے انہیں کدھر دیکھا؟" وہ اس کا سوال نظر انداز کر گئی تھی۔"

مرکز کے ایک ریسٹورنٹ میں۔ وہ دونوں لنچ کر رہے تھے یا شاید ہائی ٹی۔ رشتے ہمایوں ہنس رہے تھے میں تو"

" سمجھی تھی کہ وہ ہنسنا بھول گئے ہیں۔

مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ۔۔ پتا نہیں مگر۔۔۔" وہ متذبذب تھی' کچھ کہتے کہتے رک گئی۔"

مجھے پتہ ہے وہ آرزو کی وجہ سے میرے ساتھ یوں کر رہے ہیں۔ اس نے کہا تھا وہ ہمایوں کو مجھ سے چھین لے"

"گی۔ اور اس نے یہ کر دکھایا۔ کیا وہ کبھی اس گھر میں آئی ہے؟

"ہاں وہ اکثر آتی رہتی ہے۔ مگر تمہارے گھر شفٹ ہو جانے کے بعد وہ کبھی نہیں آئی۔"

واقعی؟" اسے حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا۔"

آخر وہ کس حیثیت سے آئی تھی اس کے گھر؟

"آپ نے اسے نکال کیوں نہیں؟ اندر کیوں آنے دیا؟"

"یہ میرا گھر نہیں ہے محمل! مجھے اس کا حق نہیں ہے۔"

محمل چپ سی ہو گئی۔ اسکے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔

ہمایوں کے کچھ گیسٹ آنے ہیں چائے پہ۔ ابھی پہنچنے والے ہونگے' میں ذرا کچن دیکھ لوں۔" وہ اس کے"

ہاتھوں سے ہاتھ نکال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گیلے بال شانے سے پھسل کر کمر پہ جا گرے۔

آپ۔۔۔ آپ بہت اچھی ہیں فرشتے۔" وہ کہہ بغیر نہ رہ سکی۔"

وہ تو مجھے پتہ ہے۔" وہ نرمی سے مسکرائی اور زرد دوپٹے کا پلو سر پہ ڈالا' پھر اچھی طرح چہرے کے گرد حصار سا بنا کر دایاں پلو بائیں کندھے پہ ڈال دیا۔ یوں کہ بال اور کان چھپ گئے۔

تم آرام کرو۔" وہ باہر نکل گئی اور محمل وہیں اداس' ویران سی بیٹھی رہ گئی۔"

باہر سے چہل پہل کی مدہم آوازیں آ رہیں تھیں۔ کافی دیر بعد اس نے کھڑکی سے ہمایوں کی گاڑی کو آتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے ہمراہ دو تین معزز اشخاص بھی تھے۔ ہمایوں اسی لباس میں تھا جس میں شام آرزو کے ساتھ بیٹھا تھا۔ گویا وہ واقعی وہی تھا۔ یہ اس کا واہمہ نہ تھا۔

وہ حسرت و یاس سے کھڑکی سے لگی ان کو اندر جاتے دیکھتی رہی۔ اس کے کمرے میں اندھیرا اتر آیا تھا۔ باہر روشنی تھی۔ باہر والے اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور وہ "باہر والا" تو شاید اب کبھی بھی اسے نہ دیکھ سکے۔ اس کے پاس اب بہتر انتخاب تھا' جوان، اسٹائلش زندگی سے بھرپور عورت بے شک وہ محمل کی طرح خوبصورت نہ تھی' مگر اسکی تراش خراش کی گئی شکل اب محمل سے حسین لگتی تھی۔

کیا کبھی حالات بدلیں گے؟ کیا کبھی ہمایوں لوٹے گا؟ کیا کبھی اس کی معذوری ختم ہو گی؟ کیا تیمور اس کے پاس آئے گا؟ کیا یہ گھر اس کا رہ سکے گا؟ کیا وہ دربدر کر دی جائے گی؟ کیا وہ بے سہارا چھوڑ دی جائے گی؟

اندر کا خوف اور بے بسی آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں سے نکل کر چہرے پہ لڑھکنے لگی۔ مستقبل ایک بھیانک سیاہ پردے کی مانند ہر طرف چھاتا دکھائی دے رہا تھا۔' اسنے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"اللہ اس چیز سے بڑا ہے ' جس سے میں ڈرتی اور خوف کھاتی ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ کی دعا کا ایک کلمہ وہ بار بار زیر لب دھرا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اندر کا کرب قدرے کم ہوا اور ذرا سا سکون آیا تو اس نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔

اگر ان لوگوں نے مجھے چھوڑ ہی دینا ہے ' نکال ہی دینا ہے ' تو مجھے کسی بے قدرے کے حوالے مت کرنا'' میرے مالک کوئی امید کا سرا دکھادے ' کوئی روشنی دکھادے۔" وہ بنا لب ہلائے دعا کے لئے اٹھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔

پھر جب بہت رو چکی تو ' چہرہ پونچھا اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اپنا سفید کور والا قرآن اُٹھایا ' اس کے فرنٹ کور پہ مٹا مٹا سا "م" اسی طرح لکھا تھا۔

اسے یاد نہ تھا اس نے آخری دفعہ تلاوت کدھر چھوڑی تھی۔ پتہ نہیں نشان کہیں لگایا تھا یا نہیں۔ بس جہاں سے صفحہ کھلا اس نے پڑھنا شروع کر دیا۔ لاشعوری طور پہ وہ اللہ تعالیٰ سے رہنمائی چاہتی تھی۔

اور کس کی بات اس شخص کی بات سے زیادہ اچھی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھے عمل کرے اور" "کہے بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

اس نے اگلی آیت پڑھی۔

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی سو (برائی کو) اس طریقے سے دور کرو جو بہترین ہو۔ ' پھر دفعتاً وہ"

"شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے' یوں ہو جائے گا گویا کہ تمہارا حمیم (گہرا جانثار دوست) ہو۔
اس نے اچنبھے سے ان آیات کو دیکھا' کیا اب بھی کوئی امید تھی کہ وہ شخص اس کا حمیم بن سکتا ہے؟ اب تو کچھ
باقی نہیں رہا تھا۔ سب ختم ہو گیا تھا۔ اس نے اس آیت کو دوبارہ پڑھا۔

بہت ہی عجب ماجرا تھا۔ آج وہ اپنے شوہر کو ایک دوسری عورت کے ساتھ خوش گپیاں کرتے دیکھ آئی تھی'
اپنے اس شوہر کو جو بر ملا اس سے علیحدگی اختیار کرنے کا کہہ چکا تھا۔ اس کا اپنا بچہ اس سے بدکتا
تھا۔ اس سے نفرت کرتا تھا۔ اس کی بے انتہا پر امید رہنے والی بہن بھی آج خاموش تھی۔ آج اس نے بھی
امید نہیں دلائی تھی کہ ہمایوں کا رویہ سب کے سامنے تھا۔

اس نے پھر سے پڑھا۔

پھر دفعتاً وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے' یوں ہو جائے گا گویا کہ تمہارا حمیم (گہرا جانثار
دوست) ہو' اور اس (خوبی) کو ان لوگوں کے سوا کوئی نہیں حاصل کر سکتا جو بہت صبر کرتے ہیں اور اس
"(خوبی) کو ان کے علاوہ کوئی نہیں حاصل کر سکتا جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔

میں اتنی صبر کرنے والی اور بڑی قسمت والی کہاں ہو اللہ تعالیٰ؟ اس نے یاس سے سوچا تھا۔ کیا وہ واقعی کبھی
بھی ان عداوتوں کو پگھلا نہیں سکے گی؟ کیا اسے مایوس ہو جانا چاہیئے؟

باہر سے چہل پہل کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔ محمل کے کمرے کے سامنے ہی ڈرائنگ ہال اور ڈائننگ روم
تھا۔

اس نے قرآن بند کر کے شیلف پہ رکھا اور وہیل چئیر کو گھسیٹتی کھڑکی کے پاس لے آئی۔ قد آور کھڑکی کے شفاف شیشوں کے اس پار ڈوبتی شام کا منظر نمایاں تھا۔ دور اوپر کہیں آدھا چاند بادلوں سے جھانک رہا تھا۔ یہاں تک کہ شام ڈوب گئی اور چاندنی سے کھڑکی کے شیشے روشن ہو گئے۔ وہ اسی طرح اندھیرے کمرے میں بیٹھی گردن اُٹھائے چاند کو دیکھ رہی تھی۔

"ادفع بالتی ہی احسن"

(دور کرو اسے اس طریقے سے جو بہترین ہو۔)

ایک آواز بار بار اس کی سماعت میں گونج رہی تھی۔

وہ چپ چاپ چاند کو دیکھتی کچھ سوچ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے دیوار پہ آویزاں گھڑی پہ نگاہ دوڑائی۔ ایک بجنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے اور ہمایوں ڈیڑھ بجے تک گھر آجاتا تھا۔

وہ وہیل چئیر گھسیٹتی سنگھار میز کے سامنے لے آئی اور قد آور آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہیل چئیر پہ بیٹھی ایک کمزور سی لڑکی جس کے گھٹنوں پہ چادر پڑی تھی۔ اور گیلے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ چہرے کی سپید رنگت میں زردی گھنڈی تھی اور بھوری آنکھوں تلے حلقے تھے۔

اس نے ہئیر برش اُٹھایا اور آہستہ آہستہ بالوں میں اوپر سے نیچے کنگھی کرنے لگی۔ گیلے بالوں سے موتیوں کی

طرح ٹپکتے قطرے اس کی سرخ قمیض کو بھگو رہے تھے۔ یہ خوبصورت جوڑا فرشتے نے اس کے لئے بنوایا تھا' اور

آج بہت شوق سے اس نے پہنا تھا۔

بال سلجھ گئے تو اس نے چہرے پہ ہلکا سا فاؤنڈیشن لگایا' پھر گلابی بلش آن بکھیرا' آنکھوں میں گہرا کاجل اور

اوپر لائٹ بنک سا آئی شیڈو' پھر پنک اور ریڈ لپ اسٹک ملا کر لبوں پہ لگائی' یوں کہ اوور بھی نہ لگے اور بہت

پھیکی بھی نہیں۔ بال ذرا ذرا سوکھنے لگے تھے اس نے ان کو برش سے سمیٹا پھر دونوں ہاتھوں اٹھا کر او نچا کیا' اور

پونی میں باندھا یوں کہ اونچی پونی ٹیل اس کی گردن پہ جھولنے لگی۔ محمل کی یادگار پونی ٹیل۔

وہ اسے دیکھ کر اُداسی سے مسکرادی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھا جیولری باکس کھولا اور لٹکتے سرخ یاقوت کا سونے

کا سیٹ نکالا۔ کانوں میں آویزے پہنے اور گردن میں نازک سا نیکلس' اب اپنا عکس دیکھا تو خوشگوار سی

حیرت ہوئی' وہ واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ تروتازہ اور خوبصورت۔

جیولری باکس کے ساتھ ہی اس کی کانچ کی چوڑیاں رکھی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے کلائی میں ڈالتی گئی۔ یہاں

تک کہ دونوں کلائیاں بھر گئیں اور جب اس نے سرخ یاقوت کی انگوٹھی اٹھائی تو اسے پہنتے ہوئے چوڑیاں بار بار

کھنک اٹھتیں۔

ڈیڑھ بجنے والا تھا' اس نے ایک نظر گھڑی کو دیکھا اور پھر پرفیوم اسپرے کر کے خود کو باہر نکال لائی۔

ہمایوں ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ بے چین سی لاؤنج میں بیٹھی کبھی آویزے درست کرتی، کبھی چوڑیاں

ٹھیک کرتی اور بار بار دروازے کو دیکھتی۔

دو بجنے والے تھے جب اس کی گاڑی کی آواز سنی۔ ایک دم اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

یہ ہی طریقہ اسے بہترین لگا تھا سو اس نے اسی کو اپنایا تھا۔

قدموں کی چاپ قریب ہوتی سنائی دی۔ وہ خواہ مخواہ گود میں دھرے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

وہ نروس ہو رہی تھی اور وہ یہ جانتی تھی۔

دروازہ کھلا اور اسے ہمایوں کے بھاری بوٹوں کی چاپ سنائی دی۔ مگر نہیں' ساتھ میں نازک ہیل کی ٹک ٹک بھی تھی۔

اس نے حیرت سے سر اُٹھایا اور اگلے ہی پل زور کا جھٹکا لگا۔

ہمایوں اور آرزو آگے پیچھے اندر داخل ہو رہے تھے۔

وہ یونیفارم میں ملبوس تھا ہاتھ میں ایک خاکی لفافہ تھا اور وہ آرزو سے بغیر کچھ سے چلا آ رہا تھا۔ وہ اس کے ہم قدم مسرور سی چل رہی تھی۔ وائٹ ٹراؤزر پر پنک گھٹنوں تک آتی شرٹ اور دوپٹہ ناپید' کمان کی سی پتلی ابرو' اور تیکھی نگاہیں۔

اسے سامنے بیٹھے گردن اُٹھائے خود کو دیکھتے' ان دونوں کے قدم ذرا سست ہوئے۔

چند لمحے وہ شدید صدمے کی حالت میں رہی تھی' مگر پھر سنبھل گئی۔۔ بظاہر سکون سے ان دونوں کو آتے دیکھا اور اسی سکون سے سلام کیا۔

"اسلام علیکم!"

وعلیکم سلام۔" ہمایوں نے جواب دے کر ایک نظر آرزو کو دیکھا جو سینے پہ ہاتھ باندھ کر تیکھی نگاہوں سے محمل کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں واضح استہزاء تھا۔

میں آپ کا انتظار کر رہی تھی ہمایوں! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ آرزو کو یکسر نظر انداز کئے سپاٹ لہجے میں ہمایوں سے مخاطب تھی۔

مجھے بھی تم سے بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھا' خاکی لفافہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ٹھیک ہے' آپ بتائیں۔"

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور آرزو اسی طرح سینے پہ ہاتھ باندھے اکھڑی اکھڑی سی کھڑی تھی۔ چند لمحے خاموشی حائل رہی۔ ہمایوں ہاتھ میں پکڑے خاکی لفافے کو دیکھتا رہا' جیسے کچھ کہنے کے لئے الفاظ تلاش کر رہا ہو۔ اس نے سر اُٹھایا اور انہی سنجیدہ نگاہوں سے محمل کا چہرہ دیکھا۔

"میں شادی کر رہا ہوں۔"

ایک لمحے کو سکوت چھا گیا' نہ آسمان گرا' نہ زمیں پھٹی' نہ ہی کوئی طوفان آیا۔ اس نے بہت صبر سے اس کی بات سنی اور پھر سوالیہ ابرو اُٹھائے۔ "تو؟"

"تو یہ کہ ہم دونوں کو الگ ہو جانا چاہئے۔ یہ لو۔"

اس نے خاکی لفافہ محمل کی طرف بڑھایا جس نے اسے بایاں ہاتھ بڑھا کر تھام لیا۔ دونوں لمحے بھر کو رکے' دونوں نے اسی وقت خاکی لفافہ تھام رکھا تھا۔ مگر وہ بس ایک لمحے کا فسوں تھا۔ پھر ہمایوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور محمل نے سفاکی سے لفافہ چاک کیا۔

کیا ہے اس میں ہمایوں صاحب؟ کیا میرا طلاق نامہ ہے؟" اندر سے تہہ شدہ کاغذ نکالتے وہ بہت آرام سے" بولی تھی۔ وہ خاموش رہا۔ محمل نے کاغذ کی تہیں کھولیں۔

وہ واقعی طلاق نامہ تھا۔ ہمایوں کے دستخط' محمل کا نام۔

نہ اس کے ہاتھ سے کاغذ پھسلا' نہ وہ چکرا کر گری۔

بس ایک نظر میں پورا صفحہ پڑھ ڈالا اور پھر گردن اٹھائی۔ لمحوں میں ہی اس نے سارے فیصلے کر لیے تھے۔

اس پہلی طلاق کا شکریہ ہمایوں داؤد! جس عالم نے آپ کو یہ بتایا ہے کہ تین طلاقیں اکھٹی دینا ایک قبیح عمل" ہے۔ سو طلاق ایک ہی دینا بہتر ہے' تو اس نے یقیناً یہ بھی بتایا ہو گا کہ اب عدت کے تین ماہ میں اسی گھر میں گزاروں گی' یا نہیں بتایا؟"

مجھے معلوم ہے تم تین ماہ ادھر رہ سکتی ہو اس کے بعد میں شادی کر لوں گا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ محمل نے گردن" اٹھا کر اسے دیکھا جس کے بے وفا چہرے پہ کوئی پچھتاوا، کوئی ملال نہ تھا۔

"پوچھ سکتی ہوں' آپ دوسری شادی کس سے کر رہے ہیں؟"

ہمایوں نے ایک نظر سامنے کھڑی آرزو کو دیکھا اور پھر شانے جھٹکے۔

یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔ میں ذرا چینج کر کے آتا ہوں۔" آخری فقرہ آرزو سے کہہ کر وہ تیزی سے اوپر سیڑھیاں چڑھتا گیا۔

وہ چند لمحے اسے اوپر جاتے دیکھتی رہی۔ زندگی میں پہلی بار اسے ہمایوں داؤد سے نفرت محسوس ہوئی تھی شدید نفرت۔

آپ تو اپاہج ہو کر بھی خوب بنی سنوری رہتی ہیں۔" آرزو کی طنزیہ آواز پہ اس نے چہرہ اُس کی جانب موڑا۔ "اگر شکل اچھی ہو تو معذوری میں بھی اچھی ہی لگتی ہے' آرزو بی ورنہ لوگ تو گھنٹوں کی تراش خراش کے بعد بھی خوبصورت نہیں لگتے۔"

چچ چچ۔ رسی جل گئی بل نہیں گئے۔" وہ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ دائیں ٹانگ بائیں ٹانگ پہ چڑھائے اور بڑے استحقاق سے ہمایوں کا سائیڈ ٹیبل پہ رکھا موبائل اُٹھایا جو اس نے بیٹھتے ہوئے ادھر رکھا تھا۔

وہ خاموش رہی۔

میں نے کہا تھا نا محمل! ' مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے' لو ایٹ فرسٹ سائٹ' میں اسے حاصل کر ہی لوں گی۔"

اور میں نے بھی تب کہا تھا آرزو! تم خدا نہیں ہو جو ہر چیز تمہاری مرضی سے ہو۔ آج وہ تمہارے لیے مجھے "چھوڑ رہا ہے۔ کل کو کسی اور کے لیے تمھیں بھی چھوڑ دے گا، تب میں تمہاری آہیں سننے ضرور آؤں گی۔"

آرزو بے اختیار محظوظ سی ہنس پڑی۔

"جیلس ہو رہی ہو' ہے نا؟"

اس کا انداز محمل کے اندر آگ لگا گیا' مگر اس نے وہ آگ چہرے پہ نہ آنے دی۔ وہ بہت کمال ضبط کا وقت تھا۔

تمہارے پاس ایسا کچھ بھی نہیں ہے جس سے میں جیلس ہوں۔ رہا ہمایوں تو تم شوق سے اسے لے لو۔ مجھے کھنکتی "مٹی کے اس پتلے کا کیا کرنا جس میں وفا ہی نا ہو۔"

"تمہاری اکڑ ابھی تک نہیں گئی محمل!۔"

اور میری یہ اکڑ جائے گی بھی نہیں' تمھیں کیا لگتا ہے؟ محمل ہمایوں کے بغیر مر جائے گی؟ ہونہہ!" اس نے "تلخی سے سر جھٹکا۔

میں سات سال کوما میں پڑی رہی' تب میرے پاس ہمایوں نہیں تھا' میں تب بھی نہیں مری تو اب اس" کے بغیر کیوں مروں گی؟ خیر اگر تم نے بیٹھنا ہے تو بیٹھو' کھانے پینے آئی ہو تو سامنے کچن ہے' ویسے بھی دوسروں کے مال کھانے کی تمہاری خاندانی عادت ہے اور ہمایوں کی خیرات کرنے کی۔ جو کھانا ہو کھا لینا "ٹیک کیئر۔"

اس نے دانستہ اسلام علیکم کہنے سے احتراز برتا۔ کم از کم اس وقت وہ آرزو پہ سلامتی نہیں بھیج سکتی تھی۔

اور وہیل چئیر کا رخ اپنے کمرے کی طرف موڑ دیا۔

تہہ شدہ زرد کاغذ' ادھ کھلا اس کی گود میں دھرا تھا۔

اسے آرزو کے بڑبڑانے' اٹھنے اور سیڑھیاں چڑھنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ اب کچھ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا گھر تاش کے پتوں کی طرح بکھر چکا تھا اب کچھ باقی نہیں رہا تھا۔

کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا لاک نہیں لگایا' اب کس کو ادھر آنا تھا بھلا؟ سب کچھ بکھر گیا تھا۔

وہ وہیل چئیر کے پہیوں کو دونوں ہاتھوں سے گھسیٹتی سنگھار میز کے سامنے لائی، کمرے کی بتی بجھی تھی۔ کھڑکی کے آگے پردہ گرا تھا' کہیں درزوں سے زرد سی روشنی جھانک رہی تھی' جس سے کمرے میں نیم اندھیرا سا تھا۔

وہ اس نیم تاریک ماحول میں اپنا عکس آئینے میں دیکھے گئی۔

ہر شے اجڑ گئی تھی' سب ختم ہو گیا تھا۔ راکھ کا ڈھیر لگا تھا اور اس میں کوئی چنگاری نہیں بچی تھی۔

اپنے عکس کو دیکھتے ہی اس کا دل چاہا وہ کانوں سے آویزے نوچ پھینکے' نازک سا ہار اتار کر دیوار پہ مار چوڑیاں توڑ دے۔ زور زور سے چلائے' دھاڑیں مار مار کر روئے۔

اس نے ہاتھ آویزوں کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ دفعتاً نیم تاریک کمرے میں ایک مدھم سی آواز ابھری۔

"آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے' مگر ہم زبان سے وہی کہیں گے جس پہ ہمارا رب راضی ہو۔"

آویزے کو پکڑے اس کا ہاتھ بے دم سا نیچے گر گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا صبر ' صدمے کہ پہلی چوٹ پہ ہوتا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو شخص گریبان، چاک اور رخساروں پہ طمانچے مارے اور جاہلیت کی طرح بین (نوحہ) کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس نے سر وہیل چئیر کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ قطرہ قطرہ آنسو بند آنکھوں سے ٹپکنے لگے۔ وہ بے آواز روتی رہی بلکتی رہی۔ اندھیرے کمرے میں بیٹھی ایک معذور کمزور لڑکی جو بے آواز روتے ہوئے بس ایک ہی لفظ بار بار دہرائے جا رہی تھی۔

"یارب المستضعفین۔۔۔۔۔۔ اے کمزوروں کے رب۔۔ اے کمزوروں کے رب۔۔۔"

دوپہر دم توڑ گئی ' شام ڈھل گئی اور ہر سو رات چھانے لگی۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا جب کسی نے دروازے پہ دستک دیا ور پھر چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ وہ کھلتا چلا گیا۔

اس نے گردن موڑ کر نہیں دیکھا۔ اسے اب کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ ہمایوں کبھی اس کے پاس آئے گا۔

قدموں کی چاپ سنائی دی اور ایک ہیولا سا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

محمل!" وہ فرشتے کی آواز تھی۔"

وہ چپ چاپ آنکھیں چھت پہ جمائے بیٹھی رہی۔

"محمل کیا ہوا ہے ' ایسے کیوں بیٹھی ہو؟"

چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس کی متفکر سی آواز ابھری۔

"محمل! تم ٹھیک ہو؟"

اس نے دھیرے سے چہرہ اُٹھایا اور متورم آنکھوں سے اندھیرے میں کھڑی فرشتے کو دیکھا۔ اس نے سیاہ جوڑا پہن رکھا تھا' سیاہ دوپٹے کے ہالے میں مقید اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

"محمل!"

ہمایوں نے مجھے طلاق دے دی ہے" وہ دھیرے سے بولی تو آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔"

کتنے ہی پل ماحول پہ سکتہ سا چھایا رہا۔

"کب؟"

آج دوپہر میں' میں عدت اس گھر میں پوری کروں گی' پھر اس کے بعد میں چلی جاؤں گی اور وہ شادی کر لے گا۔" اس نے رخ فرشتے سے موڑ لیا تاکہ وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

"آئی ایم ویری سوری محمل۔" وہ متاسف کھڑی تھی۔ "تم عدت کے بعد کہاں جاؤ گی؟"

"اللہ کی دنیا بہت وسیع ہے' کہیں بھی چلی جاؤں گی' مجھے اکیلا چھوڑ دیں پلیز۔"

فرشتے نے سمجھ کر سر ہلایا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے کے بند ہونے کی آواز پہ اس نے چہرہ واپس موڑا۔

کمرہ پھر سے سنسان ہو گیا تھا' وہ جا چکی تھی۔

وہ رات بہت عجیب رات تھی۔ محمل نے اتنی ویران رات کبھی نہیں گزاری تھی۔ تب بھی نہیں جب وہ مسجد کی دیوار پھلانگ رہی تھی۔ تب بھی نہیں جب اسے اس کی جائیداد اور گھر سے محروم کر کے باہر نکال دیا گیا تھا۔ تب بھی نہیں جب اس کی ماں مری تھی اور تب بھی نہیں جب سات سال بعد کومے سے جاگی تھی۔ ایسی رات پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

وہ وہیل چئیر کی پشت سے سر ٹکائے نم آنکھوں سے چھت کو دیکھتی رہی۔ پردوں سے چھن چھن کر اندر آتی چاندنی میں پردے یوں چمک رہے تھے جیسے چاندی کے ورق ہوں۔

زندگی ایک دم گویا ختم سی ہو گئی تھی۔ اس کے پاس آگے چلنے کو کوئی امید نہ رہی تھی۔ ہمایوں اس کا نہیں رہا تھا تیمور اس کا نہیں رہا تھا' نہ کسی رشتے دار کا آسرا تھا اور رہی فرشتے تو وہ اس کے جانے کے بعد مسجد شفٹ ہو جاتی۔ وہ کب تک فرشتے کو اپنی وجہ سے پابند رکھتی؟

وہ بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کا کوئی نہیں تھا۔ کوئی نہیں' کوئی نہیں۔

رات یونہی خاموشی سے بیتتی رہی۔ وہ اسی طرح برف کا مجسمہ بنی وہیل چئیر پہ پڑی رہی۔ پردوں کی چمک ختم ہو گئی اور کمرے میں مُہیب گھپ اندھیرا چھا گیا۔

اسے اس اندھیرے سے خوف آنے لگا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں دیکھنے کی سعی کرنے لگی' اور تب ہی کھڑکی کے کناروں میں صبح کاذب کی نیلاہٹ اُبھرنے لگی۔

دور کہیں فجر کی اذانیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس کے برف بنے وجود میں پہلی بار جنبش ہوئی۔ اس نے اپنے سن ہوتے ہوئے ہاتھ اُٹھائے اور پہیوں کو آگے کی طرف گھسیٹا۔ شیلف پہ ایک طرف وضو کے پانی کا برتن رکھا تھا۔ محمل نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر جب دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے تو کوئی دعا ذہن میں ہی نہ آئی' بس ایک وہ ہی لفظ۔

اے کمزوروں کے رب!" لبوں پہ اُترا۔ اس نے کئی بار اسے دہرایا' آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تو"

اس نے آمین کہہ کر چہرے پہ ہاتھ پھیر لیے۔

کمرے میں ہلکی ہلکی نیلاہٹ اُترنے لگی تھی۔ وہ وہیل چیئر کو شیلف کے قریب لائی۔' جہاں ٹیپ ریکارڈر اور ساتھ کیسٹوں کا ڈبہ رکھا تھا۔ اس نے بنا دیکھے ایک کیسٹ نکال لی اور ٹیپ میں ڈال کر پلے کا بٹن دبا دیا۔

کہیں درمیان سے تلاوت شروع ہو گئی تھی۔

"اور کس کی بات اس شخص کی بات سے اچھی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے؟"

وہ حیرت سے چونکی' یہ آیت تو پرسوں اس نے پڑھی تھی' پھر یہ ہی کیوں لگ گئی؟

"اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں۔"

وہ حیران سی سن رہی تھی۔ اللہ اسے یہ آیات پھر سے کیوں سنوا رہا تھا؟ یہ آیات تو گزر چکی پھر دوبارہ

"کیوں؟" برائی کو اس طریقے سے دور کرو جو بہترین ہو

قاری صاحب کی آواز پڑھتے ہوئے بھرا گئی تھی۔

وہ الجھ سی گئی۔۔ اللہ اسے کیوں پھر سے وہ ہی بات بتا رہا تھا؟ وہ شخص تو اب سارے تعلق کاٹ چکا تھا۔ اب تو کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔' پھر کیوں اسے برائی کو بہترین طریقے سے دور کرنے کو کہا جا رہا تھا؟ وہ میرا حمیم نہیں بن سکتا اللہ تعالیٰ! اس نے مجھے طلاق دے دی ہے' وہ مجھے تین ماہ بعد گھر سے نکال دے گا۔ اب تو درمیان کا کوئی راستہ نہیں رہ گیا' پھر آپ کیوں مجھے عداوت کو دور کرنے کا کہہ رہے ہیں؟ وہ ایک دم رو پڑی۔

پردوں کے دوسری طرف سے روشنی جھانکنے لگی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پردے ہٹا دیئے۔

باہر لان میں صبح اُتر رہی تھی' گہری سیاہ رات کے بعد اُترتی صبح۔

"برائی کو اس طریقے سے دور کرو جو بہترین ہو۔"

گھاس پہ تیمور بیٹھا تھا۔ نیکر شرٹ میں ملبوس سوئی سوئی آنکھیں لئے وہ گھاس پہ بیٹھی بلی کی کمر پر پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ شاید اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جو وہ بلی کو کھلانے آیا تھا۔

"پھر دفعتاً وہ شخص۔۔۔۔۔"

"پھر دفعتاً وہ شخص۔۔۔۔۔"

"پھر دفعتاً وہ شخص۔۔۔۔۔"

قاری صاحب کی آواز اور اس کی سوچیں آپس میں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔

۔تیمور اب بلی کے منہ میں راٹی کا ٹکڑا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے۔"

وہ الفاظ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہے تھے۔

وہ بناء پلک جھپکے تیمور کو دیکھ رہی تھی۔ اس اترتی نیلی صبح میں اس پہ اچانک سے کچھ آشکارا ہوا تھا۔

وہ شخص۔۔۔ "ہمایوں نہیں تھا۔ نہیں تھا۔ نہیں تھا۔"

وہ ش خ ص۔۔۔۔۔ "تیمور" تھا۔

اس کا بیٹا' اس کا خون' اس کے جسم کا ٹکڑا کیا وہ اس کا حمیم بن سکتا تھا؟ کیا واقعی؟ کای وہ ایسی قسمت والی ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے؟

وہ ایک نئی آگہی کے احساس کے ساتھ حیرت میں گھری بیٹھی تھی۔ تیمور اب روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے سامنے گھاس پہ ڈال رہا تھا' بلی لپک کر آگے گئی اور گھاس پہ منہ مارنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بلقیس کرسی پہ چڑھی' اوپر بنے کیبنٹ کو کھولے کھڑی تھی' جبکہ وہ سامنے وہیل چیئر پہ بیٹھی' گردن اوپر اُٹھائے اسے ہدایت دے رہی تھی۔ اس کے اور ہمایوں کے ٹوٹے تعلق کی بات ابھی ملازموں تک نہیں پہنچی تھی۔

"بلو کلر کا ویلوٹ کا البم ہو گا' سائیڈ پہ دیکھو۔"

یہ والا بی بی؟"اس نے ایک البم نکال کر وہیں سے لہرایا۔"

یہ مہرون ہے بلقیس' میں بلیو کہہ رہی ہوں' نیلا آسمانی رنگ۔" وہ اس البم کی تلاش میں اسٹڈی کے کئی دراز اور شیلف چھنوا چکی تھی۔ اب اوپر والے کیبنٹس کی باری آئی تھی۔

ایک منٹ جی" اسے شاید کچھ نظر آیا تھا' کچھ دیر اندر سر گھسائے ہاتھ مارتی رہی' پھر کہیں پیچھے سے" کھینچ کر البم نکالا۔

یہ ہی ہے۔ لاؤ مجھے دو۔"اس نے سکون کی گہری سانس اندر کو کھینچی۔"

-"یہ لیں جی۔"بلقیس نے ننگے پاؤں زمین پہ رکھے' اور البم اس کو تھما کر چپل اڑسنے لگی۔"میں ذرا ہانڈی دیکھ لوں۔"

ہاں جاؤ۔"اس نے البم دونوں ہاتھوں میں لیا' اس پہ جمی گرد جھاڑی اور پہلا صفحہ کھولا۔"

یہ آغا ہاؤس میں کھینچی ملی جلی تصویروں کا البم تھا۔ جب وہ اپنی شادی کے سال بعد آغا ہاؤس گئی تھی تو واپسی پہ اپنی کچھ چیزوں کے ہمراہ اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس میں زیادہ تر تصاویر اس کی اپنی تھیں۔

کہیں وہ تیرہ سال کی تھی تو کہیں انیس سال کی۔ کچھ تصاویر خاندان میں ہونے والی شادیوں کی بھی تھیں۔ وہ محو سی ان کو دیکھتی صفحے پلٹنے لگی۔ معلوم نہیں یہ سب لوگ اب کدھر تھے سوائے آرزو کے' کسی کا کچھ پتہ نہیں تھا اور آرزو سے ان کا پتہ وہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے بھی اس روز کے بعد آرزو ادھر نہیں آئی تھی۔۔ ہر شام

ہمایوں کہیں باہر نکل جاتا تھا۔ ایک دفعہ پوچھنے پہ بلقیس نے بتایا تھا وہ کسی "دوست" کے ساتھ اس وقت شام کی چائے پیتے ہیں اور دوستی کا ایک نظارہ تو وہ اس روز مرکز کے ایک ریسٹورنٹ میں دیکھ چکی تھی۔ سو اب مزید کریدنے کی حاجت نہیں رہی تھی۔

اور رہے یہ لوگ تو ان کی تصویریں دیکھتے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح یہ ہی سوچ رہی تھی کہ ان کا کیا بنا؟ کیا وہ ابھی تک بے مہار گھوم رہے ہیں یا اللہ نے ان کی رسی کھینچی؟ ظلم اور والدین کی نافرمانی تو دو ایسے گناہ ہیں جن کی سزا دنیا میں بھی لازماً ملتی ہے' تو کیا ان کو سزا ملی؟ ان کو احساس ہوا؟ اور سب سے بڑھ کر کیا اس شخص کو سزا ملی جو اس وقت اس کے سامنے تصویر میں مسکرا رہا تھا؟

آغا فواد کریم' آغا جان کا ولی عہد' جس نے اس کو بکاؤ مال بنایا' بلیک میل کر کے تمام جائیداد اپنے نام لکھوائی اور پھر اس کی گردن پہ پستول رکھ کر فرشتے کو دھمکایا' گھر سے نکلوایا اور بعد میں جانے وہ ہمایوں کو آ کر کیا کہہ گیا تھا کہ ہمایوں اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہ رہا تھا۔

ہانڈی نہیں لگی تھی' شکر مالک کا۔" بلقیس تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی' اس نے خیالات سے چونک کر سر اٹھایا۔

ہائے کتنے سوہنے فوٹو ہیں' یہ آپ کے گھر والوں کے ہیں جی؟" وہ کھلے البم کو دیکھ کر اشتیاق سے اس کے کندھے کے ساتھ کھڑے ہو گئی اور سر جھکائے دیکھنے لگی۔

ہاں میرے رشتے دار ہیں۔" اس نے صفحہ پلٹا۔ اگلے صفحہ پہ آرزو اور فواد تائی اماں کے ساتھ کھڑے تھے۔ "یہ

خاندان کی کسی شادی کا فوٹو تھا۔

"یہ تو وہ ہیں!" بلقیس گویا حیرت زدہ رہ گئی۔"

تب اسے یاد آیا' بلقیس ہی نے تو اسے فواد کے آنے کا بتایا تھا' شاید وہ اسے پہچان گئی تھی۔

"یہ آپ کی رشتے دار ہیں جی؟ یہ تو ادھر آتی رہتی ہیں۔ کمال ہے مجھے پتا ہی نہیں تھا۔"

۔کون! یہ لڑکی؟" اسے حیرت ہوئی وہ تو سمجھی تھی کہ بلقیس فواد کی بات کر رہی ہے۔

ہاں جی' یہ آرزو بی بی!" اس نے آرزو کے چہرے پہ انگلی رکھی۔"

"ہاں' یہ میری کزن ہے اور اس کے ساتھ فواد ہے جو ہمایوں کے پاس آیا تھا۔"

آیا ہو گا جی" وہ ابھی تک اشتیاق سے آرزو کے کپڑے دیکھ رہی تھی۔اس کے انداز میں ذرا سی لاپرواہی" تھی۔یک دم محمل کو کچھ کھٹکا۔اسے لگا وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہے۔

بلقیس یہ وہ ہی بندہ ہے جو اس روز ہمایوں کے پاس آیا تھا' جب ہمایوں نے فرشتے کو ڈانٹا تھا؟"اس نے البم" "ذرا اُس کے قریب کیا۔ "تمھیں یاد ہے تم نے مجھے بتایا تھا؟

"نہ جی یہ تو کبھی نہیں آیا۔ "

"یہ۔۔۔یہ کبھی نہیں آیا؟" اسے جھٹکا لگا تھا۔"۔تو پھر وہ کون تھا؟"

"پتہ نہیں جی' کوئی آپ کا رشتہ دار تھا۔ آپ کے چچا، تایا کسی کا بیٹا تھا۔"

میرے چچا کا بیٹا؟ ایک منٹ یہ۔۔۔یہ دیکھو۔" وہ جلدی جلدی البم کے صفحے پیچھے کو پلٹنے لگی۔ پھر حسن کی" تصویر پہ رکی۔

"یہ تھا؟"

"نہیں جی' یہ تو بڑا ابو لوگ ہے بی بی' وہ تو عمر میں کم تھا۔"

کیا مطلب کم تھا؟" وہ الجھی۔ بلقیس متذبذب سی کھڑی تھی جیسے اپنی بات صحیح نہ پہنچا پا رہی ہو۔"

اچھا' یہ تو نہیں تھا؟" اس نے ساتھ لگی وسیم کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ بلقیس پہلے ناجی میں سر ہلانے لگی"" پھر ایک دم رک گئی اور چہرہ جھکا کر غور سے تصویر کو دیکھا۔ کافی دیر وہ تصویر کو بغور دیکھے گئی۔

"ہاں جی یہ والا تھا' یہ ہی تھا۔"

تو کیا وسیم؟ وہ ابھی حیران بھی نہ ہونے پائی تھی کہ بلقیس نے معیز کی شکل پہ انگلی رکھی جو تصویر میں وسیم کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ سدرہ کی منگنی کی تصویر تھی۔

معیز؟ وہ معیز تھا؟ معیز آیا تھا؟" وہ ششدر رہ گئی۔"

یہ ہی تھا بی بی' مجھے اچھی طرح یاد ہے' ابھی ذرا بچہ لگ رہا ہے' مگر یہ شاید پرانی تصویر ہے جی' جب ادھر آیا" تھا تو اس سے بڑا تھا' مسیں بھیگ رہی تھیں' قد بھی اونچا لمبا تھا' میں آپ کو کہہ رہی تھی نا عمر میں کم تھا۔

اور وہ تو ایسی دم بخود بیٹھی تھی کہ کچھ نہ کہہ سکی۔ تصویر میں معیز بارہ سال کا تھا' اب بیس کا ہو گا اور جب وہ ادھر آیا تھا تو یقیناً سترہ برس کا تھا۔ مگر وہ کیوں آیا؟ وہ کیوں ہمایوں سے لڑا؟ وہ دونوں کیوں بلند آواز میں جھگڑتے رہے؟

بہت سے سوال تھے جن کے جواب اسے معلوم نہ تھے۔ بلقیس سے پوچھنا بے کار تھا۔ اس نے جب پہلے اس کے کزن کا ذکر کیا تھا تو ایسے تعظیم سے ان اور وہ آئے جیسے الفاظ استعمال کئے تھے کہ وہ بلکل غلط سمجھ بیٹھی۔ گر خیر بلقیس کا قصور نہیں تھا اور پتہ نہیں کس کا قصور تھا۔

اس نے بے دلی سے البم بند کیا اور میز پہ رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چمکیلی صبح برآمدے پہ پھسل رہی تھی۔ بلقیس پائپ لگائے سفید سنگ مرمر کا چمکتا برآمدہ دھو رہی تھی۔ وہ صبح ناشتے کا وقت تھا۔ ہمایوں کو اس کے کارے میں ناشتہ دے کر بلقیس اب ادھر مصروف تھی۔ یہ تیمور کدھر تھا' اسے کچھ پتہ نہیں تھا' وہ آج اپنی فجر کی تلاوت نہیں کر سکی تھی اور اب ادھر وہیل چیئر پہ بیٹھ کر وہ ہی کرنا چاہ رہی تھی' مگر بار بار دھیان بٹ جاتا تھا۔

بلقیس پائپ اُٹھائے برآمدے سے نیچے اُتر گئی۔ اب وہ ڈرائیو وے پر پانی ڈال رہی تھی۔ برآمدے کے فرش پہ کہیں کہیں پانی چمک رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

ہمایوں عجلت بھرے انداز میں کف بند کرتا باہر آرہا تھا۔ اس نے محمل کو ادھر بیٹھے دیکھا یا نہیں' اس کے بے نیاز انداز سے یہ پتا لگانا مشکل تھا۔ وہ سیدھا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

بلقیس نے جھاڑو اُٹھائی اور بھاگ کر پائپ ڈرائیو وے سے ہٹایا۔ چوکیدار جو گھاس کاٹ رہا تھا' پھرتی سے آگے بڑھا اور گیٹ کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

وہ گاڑی میں بیٹھا' زور سے دروازہ بند کیا اور پیچھے دیکھتے ہوئے گاڑی نکال کر لے گیا۔

گیٹ کے دونوں پٹ کھلے رہ گئے۔ چوکیدار نے ابھی انھیں بند نہیں کیا تھا۔ وہ واپس درانتی اُٹھائے گھاس کی طرف آگیا تھا۔

بلقیس پھر سے پائپ کا فوارہ سفید بجری کے ڈرائیو وے پہ ڈالنے لگی۔ وہ سر جھٹک کر اپنی آیات کی طرف متوجہ ہوئی۔

مگر پھر پڑھتے پڑھتے نگاہ پھسلی' پہلے ناخنوں کے کناروں کو دیکھا' پھر ہاتھوں کو' پھر ان سے ہوتی ہوئی پیروں پہ جا ٹکی اور پھر سے پانی کے پائپ کی طرف بھٹک گئی۔

کھلے گیٹ کے اس پار سامنے والوں کا گیٹ بھی کھلا نظر آرہا تھا۔ وہ بے دھیانی میں کسی سوچ میں گم ادھر دیکھے گئی۔ سامنے والوں کے گیٹ کے پاس ایک لڑکی کھڑی تھی' اس کے کندھے پہ پیارا سا پھولے پھولے گالوں والا بچہ تھا۔ ساتھ ہی گاڑی کا دروازہ کھولے ایک گڈ لکنگ سا آدمی مسکرا کر انھیں کچھ کہہ رہا تھا۔ لڑکی ہنس رہی

تھی' پھر وہ آدمی جو غالباً اس کا شوہر تھا گاڑی میں بیٹھ گیا اور لڑکی بچے کا ہاتھ پکڑ کر بائے بائے کے انداز میں گاڑی کی رف ہلانے لگی۔ بچہ قلقاریاں مار رہا تھا۔ آدمی نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

ایک مکمل اور خوب صورت فیملی۔

وہ چپ چاپ ان تینوں کو دیکھے گئی' یہاں تک کہ گاڑی فراٹے بھرتی سڑک سے آگے نکل گئی اور لڑکی گیٹ بند کرنے لگی۔

اس نے ہولے سے سر جھٹکا اور خاموش' بلکل خاموش نظریں واپس قرآن پہ جھکا دیں اور پڑھا کہ آگے کیا لکھا ہوا ہے۔

"اسکی طرف مت دیکھا کرو جو ہم نے دوسرے جوڑوں کو عطا کیا ہے۔"

محمل نے پھر بے اختیار ٹھنڈی سانس لے کر سر اُٹھایا پھر ادھر' ادھر گردن گھمائی' بلقیس اپنے کاموں میں مگن تھی اور چوکیدار اپنے کام میں' وہاں کسی نے اس کی ایک لمحے کی وہ نظر نہیں پکڑی تھی۔۔۔۔ مگر۔۔ مگر۔۔۔

اس نے ذرا سی گردن اُٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

مگر کوئی تو تھا جو اس لمحے بھر کی بھٹکی نگاہ بھی پکڑ لیتا تھا اور کسی دوسرے کو بتاتا بھی نہیں تھا۔ خامشی سے اسے تنبیہہ کر دیتا تھا۔ سمجھا دیتا تھا' بہت احسان تھے اس کے اس پر' وہ تو شکر بھی ادا نہیں کر سکتی تھی۔

بلقیس! آج کونسا دن ہے؟" ایک دم اسے خیال آیا تو پکارا۔"

جمعہ ہے جی۔" اب وہ پائپ بند کر کے اسے سمیٹ رہی تھی۔"

او اچھا۔" اسے یاد آیا' آج تو سورہ کہف پڑھنی تھی۔ جانے وہ کیسے بھول گئی' وہ خود کو سرزنش کرتی قرآن" کے صفحے پلٹنے لگی۔

چوکیدار گیٹ بند کر کے اپنے کوارٹر میں چلا گیا تھا اور بلقیس اندر' وہ برآمدے میں تنہا رہ گئی تھی' پہلے قرآن سے پڑھنے کا سوچا' مگر سورہ کہف یاد تھی سو قرآن میز پہ رکھا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

کبھی کبھی اس کو لگتا اس کی زندگی مصحفِ قرآنی کے ارد گرد گھومنے لگی ہے اس کا کوئی دن ایسا نہیں گزرا تا تھا جس میں اس کا کردار نہ ہو۔ ہر لمحے' ہر وقت وہ قرآن کو اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ اب اس کے بغیر اس کا گزارہ بھی نا تھا۔

آنکھیں موند کر وہ بسمہ اللہ پڑھ کر سورہ کہف پڑھنے لگی۔

اس ٹھنڈی صبح میں ہر طرف خاموشی اور میٹھی سی چاشنی چھا گئی تھی۔ وہ آنکھیں ماندے اپنی تلاوت کر رہی تھی۔

"ام حسبت ان اصحب الکھف۔۔۔۔۔۔۔۔"

"والرقیم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

ابھی اس نے نویں آیت "اصحب الکھف "تک ہی پڑھی تھی کہ کسی نے اگلا لفظ " والرقیم " پڑھ دیا۔ اس کے

ہلتے لب رک گئے۔ بہت حیرت سے چونکتے ہوئے اس نے آنکھیں کھولیں۔

سامنے کھلے دروازے میں تیمور کھڑا تھا۔

اپنے نائٹ سوٹ میں ملبوس، کچی نیند سے خمار آلود آنکھیں لئے وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔

چند لمحوں کے لئے سارے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ دونوں بنا پتلیوں کو حرکت دیئے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

اور پھر اسی طرح تیمور کی بھوری نگاہوں کو نگاہوں میں لئے اس نے ہولے سے لب کھولے اور پھر سے وہ آیت دہرائی۔

ام حسبت ان اصحب الکھف۔" وہ دانستہ رکی تو تیمور کے ننھے سرخ ہونٹ کپکپائے۔"

"والرقیم۔۔"

کانو من ایتنا عجباً" اس نے اسے اپنی نظروں کے حصار میں لئے آیت مکمل کی۔"

تیمور اسی طرح ساکت سا مجسمے کی طرح کھڑا تھا جیسے برآمدے اور لان میں مبہوت ہوئی خلق کا حصہ ہو۔

ادھر آؤ۔" وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ کسی معمول کی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس" کے قریب آیا۔

اس نے اس کے ہاتھ تھامنے کو دونوں ہاتھ بڑھائے اور کسی سحر زدہ شخص کی طرح تیمور نے اپنے چھوٹے چھوتے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں دے دیئے۔

"تمھیں کیسے پتہ چلا اصحب الکھف کے بعد والرقیم آتا ہے؟"

وہ خاموش کھڑا رہا جیسے اسے خود بھی نہ معلوم ہو۔

تمھیں سورہ کہف آتی ہے؟" نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے محمل نے پوچھا۔"

اس نے آہستہ سے نفی میں سر کو ہلایا۔

"پھر تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"It...it just slipped" (میرے منہ سے نکل گیا) وہ اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔ آنکھیں ابھی تک محمل کے چہرے پہ جمی تھیں۔

اسے یاد تھا کہ تیمور کی پریگننسی میں وہ ہر جمعہ کو یوں ہی بیٹھ کر آنکھیں موندے بلند آواز میں سورہ کہف پڑھا کرتی تھی' تاکہ وہ جنم لینے سے قبل ہی قرآن کا عادی ہو اور شاید وہ واقعی عادی ہو گیا تھا اور شاید سات سال بعد اس نے یہ آواز سنی تھی۔

"تمھیں اور سورتیں آتی ہیں؟"

اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ وہ اپنے ہاتھ ابھی تک محمل کے ہاتھوں میں دیے کھڑا تھا۔

"تمھیں قرآن پڑھنا آتا ہے؟"

اس نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔

"مسجد جاتے ہو یا کہیں اور سے سیکھا ہے؟"

"گھر پہ قاری صاحب لگوائے تھے ڈیڈی نے۔"

"کتنی دفعہ قرآن ختم کیا ہے؟"

"ٹوٹائمز۔"

"کیا قاری صاحب کا قرآن بھی یوں ہی سنا کرتے تھے جیسے میرا سنتے ہو؟"

"نہیں۔۔وہ بلکل اچھا نہیں بولتے تھے۔"

"اور میں؟"

آپ۔۔۔آپ اچھا بولتی ہو۔" وہ اب بھی اٹک اٹک کر بول رہا تھا۔"

"اور فرشتے کا اچھا لگتا ہے؟"

"She never Reads" (وہ کبھی نہیں پڑھتی۔)

کہہ رہا تھا مگر وہ وقت اس کی غلطی نکالنے کا نہ تھا' نہ ہی یہ بتانے کا کہ وہ کونسا تمہارے read کو recite وہ سامنے پڑھتی ہوگی' وہ لمحے تو بہت خاص تھے ان کو ضائع نہیں کرنا تھا۔

"تم ایسا پڑھ سکتے ہو؟"

نو۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔"

"پڑھنا چاہتے ہو؟"

وہ خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

محمل سے آہستہ سے اس کے ہاتھ چھوڑے۔

چلو' کل صبح پھر پڑھیں گے۔" اور سر وہیل چئیر کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اس نے سوچا کہ اسے کھلا چھوڑ دے۔ اگر وہ اس کو ہوا تو واپس آجائے گا' نہ ہوا تو نہیں آئے گا۔

کافی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو تیمور ادھر نہیں تھا۔ فرش کا پانی سوکھ چکا تھا۔ چڑیاں اُڑ گئی تھیں۔ سرخ کیڑے اپنے بلوں میں جا چکے تھے۔ چیونٹیاں بکھر گئی تھیں' سفید بلی بھی واپس چلی گئی تھی۔

"اور اللہ کی طرف بلانے والی بات سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے بھلا۔"

اس نے بے اختیار سوچا تھا۔۔۔ دشمن کو دوست بنانے کا "احسن" طریقہ تو اسی آیت میں دے رکھا تھا' اس کی سمجھ میں ذرا دیر سے آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح وہ لان میں پہلے سے موجود تھی۔ لان میں لاؤنج کی کھڑکی کھلتی تھی اور اسکے سامنے تیمور کا کمرہ تھا۔ آواز کا راستہ صاف اور کھلا تھا۔

پچھلا پورا دن اس نے دانستہ تیمور کا سامنا نہیں کیا۔ وہ بھی کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ اس کی غالباً چھٹیاں تھیں' سو آج کل گھر پہ ہی ہوتا تھا۔ وہ جانتی تھی کی کل قرآن سنا کر اس نے تیمور کو ذہنی طور پہ ڈسٹرب کر دیا ہے۔ اگر وہ واقعی قرآن کی چاہ رکھتا ہے تو اس کے اندر مزید سننے کی خواہش ضرور بھڑکے گی اور وہ خود ہی چل کر آئے گا۔

اس نے نو ماہ اسے قرآن سنایا تھا۔ وہ سات سالوں میں اسے کیسے بھول سکتا تھا؟

بلقیس نے اسے لان میں ہی ٹیپ ریکاڈر سیٹ کر کے دے دیا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ تیمور جاگ چکا ہے یا ابھی سو رہا ہے' پھر بھی اس نے پلے کا بٹن دبایا اور آواز اونچی کر دی۔

قاری المشاری کی سورہ کہف چلنے لگی تھی۔ گو کہ قاری حضرات اور بھی بہت اچھے تھے مگر جو بات قاری مشاری کے دھیمے پُر سوز انداز میں تھی' وہ اسے دنیا میں کہیں نہیں ملی تھی۔ اور سورہ کہف تو شروع ہوتی اور اس کے آنسو بہنے لگتے تھے۔

پہلا رکوع ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ برآمدے کا دروازہ کھلا اور تیمور بھاگتا ہوا برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر گھاس پہ آیا۔ پھر اسے بیٹھے دیکھ کر اس کے قدم سست پڑ گئے۔

وہ کہنیوں تک آستین فولڈ کئے ہوئے تھا جن کے کنارے اور اس کے بازو گیلے تھے' چہرہ اور ماتھے پہ گرے بال بھی گیلے تھے۔ پاؤں بھی دھلے لگ رہے تھے شاید وضو کر کے آیا تھا۔

اس نے مسکرا کر سر خم کر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ چلتا قریب آیا اور سامنے والی

کرسی پہ بیٹھ گیا۔

دونوں خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے وہ مدھر' مترنم سی آواز سنتے رہے جو غار والوں اور کتے والوں کا قصہ بیان کر رہی تھی۔ ان چند نوجوانوں کا قصہ جو کہیں چلے گئے تھے۔ اور دو باغوں کے مالک کا قصہ جسے اپنے مال اور اولاد پہ بہت غرور تھا۔ اور موسیٰ علیہ سلام کا قصہ جو اللہ کے ایک بندے سے ملنے اس جگہ کو ڈھونڈ رہے تھے ہاں مچھلی نے سمندر میں راستہ بنایا تھا۔ اور اس گردش والے آدمی کا قصہ جو سفر کرتا ہوا مشرق و مغرب تک جا پہنچا تھا۔

وہ چار قصے تھے جو قرآن کے درمیان میں رکھ دیئے گئے تھے۔ جب وہ ختم ہوئے تو تیمور نے سر اُٹھایا۔ محمل اب اسٹاپ کا بٹن دبا رہی تھی۔

"تمھیں پتہ ہے یہ کس کی آواز ہے؟"

تیمور نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ قاری مشاری تھے۔ تمھیں پتہ ہے وہ کون ہیں؟"

اس نے پھر گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

پہلے وہ سنگر تھے۔ پھر انہوں نے قرآن پڑھا تو گلوکاری چھوڑ دی اور قاری بن گئے۔ ان کے گیارہ مختلف ٹونز" میں قرآن موجود ہیں' مگر مجھے یہ والی ٹون سب سے زیادہ پسند ہے' تمھیں پسند آئی؟

جی!" وہ بے ساختہ کہہ اُٹھا۔ کون کہہ سکتا تھا یہ وہ ہی چیختا' بد تمیزی کرتا بچہ تھا جو اب جھاگ کی طرح بیٹھ چکا

تھا۔

چند لمحے وہ خاموشی سے اپنے بیٹے کو دیکھتی رہی۔ (آخر تھا تو وہ بچہ ہی' کتنا ناراض رہ سکتا تھا بھلا؟) اور پھر آہستہ سے بولی۔

"مجھ سے ابھی تک خفا ہو؟"

"تیمور نے آنکھیں اُٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھا' منہ سے کچھ نہ بولا۔ "کیوں خفا تھے مجھ سے؟

وہ چپ رہا' بلکل چپ۔

"تمھیں میں بہت بری لگتی ہوں؟ تمہارا دل کرتا ہے کہ تم مجھے قتل کر دو؟'

نو۔۔۔نیور!" وہ گھبرا کر کہہ اُٹھا' پھر ایک دم چپ ہو کر لب کاٹنے لگا۔"

تم پہلے تو ایسے نہیں تھے۔ تم میرے لئے ہسپتال پھول لے کر آتے تھے' مجھ سے اتنی باتیں کرتے تھے"

"میرے ہاتھوں پہ پیار کرتے تھے' تمھیں بھول گیا ہے؟

اس کی بھوری آنکھوں میں استعجاب پھیل گیا۔

آپ کو سنائی دیتا تھا سب؟" زندگی میں پہلی دفعہ اس نے تحمل سے یوں بات کی' وہ اندر سے تڑپ کر رہ گئی۔"

تمھیں لگتا تھا کہ میں اپنے تیمور کی بات نہیں سنوں گی؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" اس نے الٹا سوال پوچھا۔ تردید" نہیں کی' نہ وہ جھوٹ بولنا چاہتی تھی نہ ہی اسے مایوس کرنا چاہتی تھی۔

آپ۔۔۔۔ آپ پھر اس رات بولتی کیوں نہیں تھیں جب ڈیڈی نے مجھے مارا تھا؟ آپ کو سب سنتا تھا تو آپ" بولتی کیوں نہیں تھیں؟" اس کی آواز تیز ہونے لگی تھی۔ غصے سے نہیں دکھ سے۔

میں بول نہیں سکتی تھی' میں بیمار تھی۔ اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ ڈیڈی نے تمھیں کیوں مارا تھا؟"

وہ تڑپ کر رہ گئی مگر بظاہر خود کو کمپوزڈ رکھا۔

"وہ اس چڑیل سے شادی کر رہے تھے۔ میں نے ان سے بہت لڑائی کی تھی۔"

اس کی موٹی موٹی بھوری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔" وہ کہتے تھے وہ اس وچ سے شادی کر لیں گے۔ وہ آپ کو ڈائیورس کر دیں گے۔ میں ان سے بہت لڑا تھا۔" اور ایک دم وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

تیمور!" وہ متحیر سی رہ گئی۔ اس نے کبھی اسے روتے نہیں دیکھا تھا۔"

"ادھر آؤ' میرے پاس۔"

وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ چہرے پہ رکھے رو رہا تھا۔ محمل نے بے اختیار بازو بڑھا کر اس کے ہاتھ تھامے۔

میرے پاس آؤ۔" اسے ہاتھوں سے تھام کر کھڑا کیا اور خود سے قریب کیا۔"

"ڈیڈی نے کیوں مارا تمھیں؟"

میں نے کہا تھا میں ان کو اور اس وچ کو گھر میں رہنے نہیں دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری ماں بری عورت" ہے۔ میں نے ان پہ بہت شاؤٹ کیا' تو انہوں نے مجھے ادھر تھپڑ مارا۔" اس نے ہاتھ اپنے آنسوؤں سے بھیگے

گال پہ رکھا۔ محمل نے بے اختیار اس کا گال چوما۔ وہ بیٹھی تھی اور وہ اس کے ساتھ کھڑا رو رہا تھا۔

"پھر تم میرے پاس آئے تھے؟"

ہاں' میں اتنی دیر تک آپ کے پاس روتا رہا تھا بٹ یوور سلیپنگ۔ آپ نے مجھے جواب نہیں دیا' آپ نے"

"مجھے اکیلا چھوڑ دیا' آپ بولتی نہیں تھیں' آپ نے مجھے پیار بھی نہیں کیا۔

اور تم مجھ سے ناراض ہو گئے؟" وہ ہچکیوں کے درمیان آنسو پونچھ رہا تھا۔"

"میں تب بیمار تھی' بول نہیں سکتی تھی' لیکن اب میں تمہارے پاس ہوں نا' اب تو تم ناراض نہیں ہو؟"

ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

ایک دم ہی اس کے ادھورے وجود میں ٹھنڈک اتر آئی۔

اسے لگا وہ مکمل ہو گئی ہے' اب اسے کسی ہمایوں داؤد نامہ شخص کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اس کا تیمور واپس مل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ دن بہت خوب صورت تھا۔ جب وہ دونوں خوب رو چکے تو پھر بیٹھ کر خوب باتیں کیں' کبھی لان میں' کبھی ڈائننگ ٹیبل پہ' کبھی لاؤنج میں اور پھر تیمور کے کمرے میں۔

اس سے بات کر کے محمل کو پتہ چلا تھا کہ اس کا یہ رویہ اس رات کا رد عمل تھا جو اس نے ہمایوں کا تھپڑ کھانے کے بعد محمل کو پکارتے گزاری تھی۔ شاید وہ ساری رات روتا رہا تھا۔ مگر اس کی ماں نے جواب نہیں دیا تو وہ اس سے بدظن ہو گیا۔ مگر بچہ تھا آخر کتنی دیر ناراض رہ سکتا تھا۔ بالآخر اپنے اندر کا سارا لاوہ نکال کر اب ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اور یہ بدگمانی کی عادت تو اس نے اپنے ماں اور باپ دونوں سے ورثے میں لی تھی۔ اس کا قصور نہیں تھا۔

اس کی باتوں سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ آرزو اور ہمایوں کے تعلق کو بھی جانتا ہے ' مگر محمل دانستہ اس موضوع کو نہیں چھیڑتی تھی۔ محمل کو اب احساس ہوا تھا کہ تیمور غیر معمولی ذہین اور سمجھ دار لڑکا تھا۔ وہ ایک ایک چیز کے بارے میں خبر رکھتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کب ہمایوں نے اسے طلاق دی ' کب اسے جھڑ کا ' کب اس پہ چلایا اور دوسری ہر شے جو ان دونوں کے درمیان تھی۔ ' وہ ظاہر کرتا تھا کہ اسے اس سے نفرت ہے ' مگر اس کے باوجود وہ اس کے ہر پل کی خبر رکھتا تھا۔

اگر ڈیڈی نے آپ کی ڈائیورس واپس نہ لی تو آپ یہاں سے چلی جائیں گی؟" وہ دونوں تیمور کے کمرے میں بیٹھے تھے ' جب اس نے بے حد اُداسی سے کہا۔

"جانا تو ہے۔"

مگر ابھی ٹو اینڈ آف منتھ تو آپ ادھر ہی ہیں نا ' آپ کی ڈائیورس کے تھری منتھ بعد تک آپ نے یہیں رہنا ہے نا۔"

وہ اپنی باتوں سے اسے حیران کر دیتا تھا۔ اس کی عمر اتنی نہیں تھی مگر وہ ہر بات سمجھتا تھا۔

"ہاں۔"

"ابھی تو ہاف منتھ ہوا ہے' ابھی تو بہت ٹائم باقی ہے' کیا پتا ڈیڈی۔۔۔۔۔ڈائیورس واپس لے لیں۔"

اس نے سوچا اسے سمجھائے کہ پہلی طلاق واپس نہیں ہوتی' بلکہ اس میں رجوع ہو سکتا ہے' مگر اسکے ننھے دماغ کو خوامخواہ کہاں الجھاتی سو بات بدل دی۔

مجھے اپنی بکس دکھاؤ"۔"

آپ ٹاپک چینج مت کریں میں آپ کو ساری بکس دکھا چکا ہوں"۔"

اوہ میرا مطلب تھا کلاسیز دکھاؤ"۔"

محمل۔۔ محمل"۔ اس سے پہلے کہ تیمور جواب دیتا اس نے فرشتے کی آواز سنی جو اسے باہر سے پکار رہی تھی"۔

اس کی وہیل چیئر چونکہ دروازے سے دور تھی اس لئے اس نے تیمور کو اشارہ کیا۔

بیٹا دروازہ کھولو"۔"

پلیز نو"،اس نے برا سا منہ بنایا اور وہیں بیڈ پہ بیٹھا رہا۔"

محمل" فرشتے کی آواز میں پریشانی تھی۔ "

تیمور! پلیز دروازہ کھولو خالہ بلا رہی ہیں"۔ وہ چاہتی تو فرشتے کو آواز دے کر بلا لیتی مگر فی الحال وہ تیمور کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

شی از ناٹ مائی خالہ" وہ منہ ہی منہ میں بد بداتا اٹھا اور دروازہ آدھا کھول کر سر باہر نکالا اور غصہ سے بولا "واٹس رانگ ود یو؟"۔

اوہ سوری میں محمل کو ڈھونڈ رہی تھی"۔ فرشتے کی خجل سی آواز سنائی دی۔"

شی از ود می۔ پلیز ڈونٹ ڈسٹرب از "(وہ میرے ساتھ ہیں پلیز ہمیں ڈسٹرب نہ کریں) اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا۔

پھر واپس مڑا تو محمل قدرے خفا سی اس کو دیکھ رہی تھی۔

وہ میری بہن ہے، تم اسے مجھ سے بات بھی نہیں کرنے دو گے بیٹا"۔ "

آپ کیوں اس وچ نمبر ٹو کو پسند کرتی ہیں؟ میرا تو دل کرتا ہے اس سے کہوں اپنا بروم اسٹک اٹھائے اور یہاں سے چلی جائے"۔"

بگڑ کر کہتے ہوئے اس نے پلٹ کر دروازہ کھولا۔

"آجاؤ"

فرشتے کا چہرہ دکھائی دیا تو محمل نے مسکرا کر کہا۔

وہ حیراں سی دروازے میں کھڑی تھی" تم اور سنی؟ اوہ مائی گاڈ یہ کیسے ہوا؟"وہ حیرت زدہ بھی تھی اور خوش بھی۔

بس اللہ کا شکر ہے" اس نے مسکراہٹ دبا کر کاندھے اچکائے جیسے خود بھی اس خوشگوار واقعے پہ لاجواب ہو گئی ہو۔

آئی ایم سو ہیپی محمل" فرط جذبات سے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور اس سے پہلے کہ محمل کچھ کہہ پاتی تیمور زور سے بولا" نو! یو آر ناٹ، آپ جھوٹ بولتی ہو، مجھے سب پتہ ہے،"فرشتے کا چہرہ ماند پڑ گیا۔

سنی نہیں"۔"

یو کین گو ناؤ جسٹ اوے!" وہ ایک دم زور سے چلایا۔ فرشتے لب کاٹتی ایک دم پلٹی اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

تیمور غصے میں مٹھیاں بھینچے بیٹھا تھا وہ گئی تو اس نے زور سے دروازہ بند کیا اور قریب رکھا کاغذ اٹھا کر پھاڑ ڈالا پھر اس کے ٹکڑے دروازے پہ دے مارے۔

محمل بغور اس کا رویہ دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ واپس آ کر بیڈ پہ بیٹھا تو اس نے اس کی رف کاپی اٹھائی اس میں سے تین صفحے پھاڑے اور تیمور کی جانب بڑھائے۔

لو ان کو بھی پھاڑ دو"۔ تیمور نے پہلے ذرا حیرت سے اسے دیکھا، پھر جھپٹ کر کاغذ پکڑے اور انہیں ٹکڑے" ٹکڑے کر دیا۔

یہ بھی پھاڑ دو" وہ اس کی کاپی سے ایک ایک صفحہ نکال کر اسے پکڑاتی جا رہی تھی۔ اور وہ وحشیانہ انداز میں اسے پھاڑتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گیا اور سر ہاتھوں پر گرا دیا۔

محمل نے اس کی کاپی بند کر کے بیڈ پہ ڈال دی۔

اٹھو پانی پیو اور مجھے بھی پلاؤ"۔"

اس کے اندر کا لاوا باہر آچکا تھا سو خاموشی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پانی سے بھر شیشے کا گلاس تھا۔ محمل نے گلاس تھاما، پانی پیا اور پھر گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس کو بھی دیوار پہ مار لو اور توڑ دو"۔"

تیمور لب کاٹتے دیکھتا رہا مگر گلاس لینے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

اسے توڑنا چاہتے ہو؟"۔"

نو" اب وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔"

چلو لان میں چلتے ہیں، میں تمھیں ایک اسٹوری بھی سناؤں گی۔"۔"

اس کی بات پہ وہ مسکرا دیا اور گلاس اس سے لے کر دروازہ کھولا۔ پھر ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔ وہ آسودگی سے مسکراتی وہیل چئیر کے پہیوں کو دونوں ہاتھوں سے گھماتی اگے بڑھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے تھے محمل کے ہاتھ میں قصوں کی کتاب تھی اور وہ موسیٰ علیہ سلام کا قصہ تیمور کو سنا رہی تھی۔ ان گزرے کچھ دنوں میں اس نے آہستہ آہستہ بہت سارے قصے اسے سنا ڈالے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ تیمور

میں قرآن کا شوق پیدا ہو جائے۔

اور پھر موسیٰ علیہ سلام کی ماں کا دل خالی ہو گیا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ لاشعوری طور پہ رک گئی۔ جانتی تھی اس وقت کون آیا ہو گا۔ بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی مگر اس نے سر نہیں اٹھایا۔

آگے بتائیں ناماما"۔ تیمور چند لمحوں کے انتظار کے بعد بے چین ہو گیا تھا۔ اسی لمحے ہمایوں اندر داخل ہوا، بے ساختہ ہی محمل نے سر اٹھا لیا۔

وہ تھکا تھکا سا، سرخ آنکھیں لئے، آستین کہنیوں تک فولڈ کئے چلا آ رہا تھا۔ دونوں کو یوں اکٹھا بیٹھے دیکھ کر ایک دم ٹھٹک کر رکا۔

آنکھوں میں واضح حیرت اور الجھن ابھری۔ وہ پچھلے دنوں کافی دیر سے گھر آ رہا تھا اور سوئے اتفاق وہ ان دونوں کی اس دوستی کے بارے میں کچھ جان سکا اور نہ ہی کچھ دیکھ سکا۔

محمل نے نگاہیں کتاب پہ جھکا لیں اور آ گے پڑھنے لگی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی، تیمور صوفے سے اٹھا اور لپک کر ریسیور اٹھایا۔

ہیلو" کچھ دیر تک سنتا رہا، پھر سر ہلایا" جی وہ ہیں ایک منٹ۔ "۔

وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑے محمل کی طرف گھوما۔ اسی پل ہمایوں کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

ماما! آپ کا فون ہے"۔"

کون ہے؟" وہ حیران ہوئی۔ اس کے لئے بھلا کہاں فون آتے تھے۔"

وہ کہہ رہے ہیں کہ ان کا نام آغا فواد ہے" تیمور نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا۔ تار لمبی تھی ریسیور اس تک پہنچ ہی گیا۔

آغا فواد!" وہ بے یقینی سے بڑبڑائی پھر ریسویر تھاما۔ کتنی ہی دیر وہ سن سی اسے کان سے لگائے بیٹھی رہی۔"

ہے ہیلو" اور پھر بمشکل لفظ لبوں سے نکل ہی پایا تھا کسی نے سختی سے ریسیور اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔"

میرے گھر میں یہ سب نہیں ہو گا یہاں سے جا کر جو بھی کرنا ہو کر لینا۔" ریسیور ہاتھ میں لئے وہ درشتی سے کہتا محمل کے ساتھ آغا فواد کو بھی سنا چکا تھا۔

وہ ششدر سی بیٹھی رہ گئی۔ ہمایوں نے ایک شعلہ بار نگاہ اس پہ ڈالی اور ریسیور کھٹاک سے کریڈل پہ ڈال دیا۔ پھر جیسے آیا تھا اسی طرح تیز تیز سیڑھیاں چڑھتا گیا۔

تیمور خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا، ہمایوں واپس ہو لیا تو وہ آہستہ سے محمل کی طرف بڑھا۔

"ماما"

اس نے ہولے سے محمل کا ہاتھ چھوا پھر ہلایا۔

وہ اسی طرح شل بیٹھی تھی۔

ایک دفعہ پہلے بھی ان کا فون آیا تھا آپ کے لئے" ڈیڈی نے تب ان کو کہا تھا یہاں کوئی محمل نہیں رہتی۔"

ماما! ڈیڈی ان کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ تو آپ کے کزن ہیں نا ماما!"۔

وہ ابھی تک سن تھی۔ پہلی دفعہ ہمایوں نے اتنی زہریلی بات کی تھی۔ یہ اتنا سارا زہر اس کے اندر کس نے بھر دیا تھا؟

اچھا چھوڑیں نا! مجھے اسٹوری آگے سنائیں" وہ اس کے ساتھ صوفے پہ بیٹھ گیا اس کا ہاتھ ہلا کر اسے متوجہ کیا۔ محمل نے سر جھٹک کر کتاب اٹھائی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لان میں بیٹھی تھی اور تیمور پانی کا پائپ اٹھائے گھاس پر چھڑ کاؤ کر رہا تھا۔ قطرے قطرے موتیوں کی طرح سبز تنکوں پہ گر رہے تھے۔ وہ چہرے پہ ڈھیروں سکون لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

امام شافعی کہتے ہیں آزمائش جب بہت تنگ ہو جاتی ہے پھر وہیں سے کھل جاتی ہے۔ ٹھیک ہی کہتے تھے، جب اسے زندگی میں گھپ اندھیرا نظر آنے لگا، وہیں پہ فجر کی پہلی کرن چمکی تھی۔ ہامیوں کی بے وفائی کا غم اب اتنا شدید نہیں رہا تھا جتنا اس سے قبل تھا۔ تیمور کی محبت مرہم کا کام کر رہی تھی۔

شام اتر رہی تھی جب اس نے گیٹ پہ آہٹ سنی تو گردن موڑ کر دیکھنے لگی۔ فرشتے نے باہر سے اندر ہاتھ کر کے گیٹ کا ہک کھولا تھا اور اب دروزہ کھول کر داخل ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہینڈ بیگ تا ھاور وہ اپنے مخصوص سیاہ عبایا اور اسکارف میں ملبوس تھی۔ جس میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ غالبا مسجد سے آرہی تھی۔ اس وقت وہ ادھر پڑھانے جاتی تھی۔

السلام علیکم! جلدی آ گئی؟" اسے آتے دیکھ کر محمل نے مسکرا کر مخاطب کیا۔

ہاں بس ذرا تھک گئی تھی" وہ تھکان سے مسکراتی اسی کی طرف چلی آئی۔

کھانا کھالیں، آپ نے دوپہر میں بھی نہیں کھایا تھا"۔

ہاں کھاتی ہوں" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہہ کر انگلی سے کنپٹی سہلائی۔ اس کی مخروطی انگلیوں میں چاندی کی وہی انگوٹھی تھی جو اکثر دیکھتی تھی۔ جانے کیوں وہ محمل کو قدرے پریشان لگی تھی۔

خیریت فرشتے! مجھے آپ بہت ٹینس لگ رہی ہیں"۔

نہیں تو" وہ پھیکا سا مسکرائی۔ تب ہی فاصلے پہ کھڑے تیمور نے پائپ پھینکا اور ان کی طرف آیا۔"

وہ ٹینس بھی ہے تو آپ کیوں کیئر کرتی ہیں؟ جسٹ لیو ہر الون" وہ بہت غصے اور بدتمیزی سے بولا تھا۔ محمل نے فرشتے کی مسکراہٹ کو واضح ماند پڑتے دیکھا، اس کا دل دکھا۔

تیمور بیٹا! وہ تمہاری خالہ ہیں، ایسے بات کرتے ہیں"۔

جسٹ گو! آپ چلی جاؤ یہاں سے" وہ پیر پٹخ کر بولا بالکل ہمایوں کی طرح۔"

سوری سنی" وہ شکستگی سے اٹھی، بیگ ہاتھ میں لیا اور تیز تیز قدموں سے ان کی روش پار کر گئی۔"

اور جہاں میری ماما ہوں، وہاں مت آیا کرو" وہ اس کے پیچھے چلایا تھا۔ محمل نے تاسف سے برآمدے میں دیکھا جہاں فرشتے دروازہ بند کر کے گم ہو گئی تھی۔ تیمور ابھی تک لب بھینچے برآمدے کو دیکھ رہا تھا۔"

اُف یہ لڑکا! کیسے سمجھاؤں اسے کہ تمہارے بڑے، تمہاے دشمن نہیں ہیں" وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کچن میں اپنی وہیل چیئر پہ بیٹھی تھی۔ گود میں ٹوکری تھی جس میں مٹر رکھے تھے۔ تیمور بلقیس کے ساتھ مرکس تک گیا تھا۔ وہ مٹر چھیلتے ہوئے لاشوری طور پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔

کچن کا دروازہ نیم وا تھا۔ وہ ایسے بھی اس سمت میں بیٹھی تھی کہ لاؤنج سے نظر نہ آسکتی تھی۔ تب ہی اسے بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور ساتھ ساتھ قدموں کی چاپ بھی۔ پھر قریب آتی آوازیں۔۔۔ مٹر چھیلتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

ایسا کب تک چلے گا ہمایوں؟" وہ ارزو تھی اور تنک کر کہہ رہی تھی۔"

کیا؟"۔"

انجان مت بنو ہم کب شادی کر رہے ہیں؟"۔ ان کی آوازیں قریب آرہی تھیں۔ وہ دم سادھے بیٹھی رہ گئی۔ مٹر کے دانے ہاتھ سے پھسل گئے۔

کرلیں گے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے"۔"

کیا مطلب جلدی؟ اتنا عرصہ ہو گیا تمھیں اسے طلاق دئیے ہوئے"۔"

اس کی عدت ختم ہولینے دو"۔"

اور کب ختم ہو گی؟"۔"

ایک دو ہفتے رہتے ہیں" وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں وہیں لاؤنج کے وسط میں کھڑے باتیں کر رہے"

تھے۔

کیا اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہم شادی نہیں کر سکتے؟"۔"

نہیں"۔اس کا انداز اتنا سرد اور قطعی تھا کہ پل بھر کو آرزو بھی چپ ہو رہ گئی۔"

مگر ہمایوں!" اس نے کہنا چاہا۔"

کہانا نہیں" وہ اب سختی سے بولا تھا۔اگر تمھیں منظور نہیں ہے تو بے شک شادی نہ کرو۔جاؤ چلی جاؤ" وہ" تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

نہیں! ہمایوں سنو،رکو" وہ بوکھلائی سے اس کے پیچھے لپکی۔"

سیڑھیاں چڑھنے کی آوازیں مدہم ہو گئیں۔وہ دونوں اب اس سے دور جا چکے تھے۔

ماما!" کتنی ہی دیر بعد تیمور نے اسے پکارا تھا اس نے چونک کر سر اٹھایا۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔" تم" کب آئے؟" وہ سنبھلی۔

ماما!" وہ آہستہ سے اس کے قریب آیا۔" آپ رو رہی ہیں؟" اس نے اپنے ننھے ہاتھ اس کے چہرے پہ" گرتے آنسوؤں پہ رکھے۔وہ حیران رہ گئی۔پتا نہیں کب یہ آنسو پھسل پڑے تھے۔

آپ نہ رویا کریں۔" وہ اب آہستہ سے اس کے آنسو صاف کر رہا تھا۔محمل بھیگی آنکھوں سے مسکرائی اور اس" کے ہاتھ تھام لیے۔

"میں تو نہیں رو رہی۔"

آپ رو رہی ہیں۔ میں بچہ تھوڑی ہوں۔" وہ اس کی غلط بیانی پہ خفا ہوا۔"

"اچھا اب تو نہیں رو رہی۔ اور شاپ سے کیا لائے ہو؟"

چپس!" اس نے چپس کا پیکٹ سامنے کیا۔"

ادھر میں اتنی دیر میں سے گیا ہوا ہوں پر آپ نے ابھی تک مٹر نہیں چھیلے، یو آر ٹو سلو ماما! اس نے مٹر کی

ٹوکری اس کی گود سے اٹھائی اور کاؤنٹر پہ رکھ دی۔

"آئیں باہر چلتے ہیں۔"

"رہنے دو تیمور میرا دل نہیں کر رہا۔"

بلقیس بوا!" اس کی سنے بغیر بلقیس کو پکارنے لگا۔"

"ماما کو باہر لے آؤ۔"

اور وہ اپنی ناقدری کا غم اندر ہی اندر دباتی رہ گئی۔

بڑے عرصے سے لائبریری کی صفائی نہیں ہوئی تھی۔ وہ کتنے ہفتوں سے سوچ رہی تھی کہ کسی دن کروالے، آج

ہمت کر ہی لی۔

بلقیس کو کہنے کی دیر تھی۔ فوراً لگ گئی۔ وہ دروزے کی چوکھٹ پہ وہیل چیئر پہ بیٹھی ہدایات دے رہی تھی۔

"یہ والی بکس اندر رکھ دو، اس طرف والی سامنے کر دو۔ میز سے یہ سب ہٹا لو اور اس والے شیلف میں رکھ دو۔"

جھاڑ پونچھ سے گرد اڑ رہی تھی۔ سالوں سے کسی نے کتابوں کو صاف نہیں کیا تھا۔

بی بی!" ان کو تو کیڑا الگ گیا ہے۔" وہ پریشان سی کچھ کتابوں کے کنارے دکھا رہی تھی۔ تاریخ کی پرانی کتابیں۔

"ان کو الگ کر دو۔ اور وہ دراز خالی کرو، اس میں رکھ دیں گے۔"

اچھا جی!" بلقیس اب سٹڈی ٹیبل کی درازوں سے کتابیں نکال رہی تھی۔"

"ان کو اس آخری شیلف پہ نہ سیٹ کر دوں؟"

اس نے دراز سے نکلنے والی کتابوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

ہاں کر دو۔" اسے بھلا کیا اعتراض تھا۔ بلقیس پھرتی اور انہماک سے کتابیں صاف کر کے اوپر لگانے لگی۔"

ڈھیر ذرا ہلکا ہوا تو اسے ان کتابوں کے بیچ ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ رکھا نظر آیا۔

"یہ لفافہ اٹھا کر دو۔ شاید ہمایوں کے کام کا ہو۔"

کتابیں سیٹ کرتی بلقیس رکی اور خاکی لفافہ اٹھا کر اسے تھمایا۔

لفافہ وزنی نہیں تھا لیکن پھولا ہوا تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

کوئی نام پتہ نہیں لکھا تھا۔ اوپر اکھڑی ہوئی سی ٹیپ لگی تھی جیسے کھول کر پھر لگا دی گئی ہو۔

پتا نہیں کس کا ہے۔" بنا کسی تجسس کے محمل نے ٹیپ اتاری اور لفافہ گود میں الٹ دیا۔"

ایک عدالتی کاغذ اور ساتھ ایک خط کا کور گود میں گرا۔ اس نے زرد عدالتی کاغذ اٹھایا۔

اس کی تہیں کھولیں اور چہرے کے سامنے کیا۔

اسٹامپ پیپر کی تحریر کے نیچے بہت واضح سے دستخط تھے۔

"محمل ابراہیم"

"فرشتے ابراہیم"

وہ بری طرح سے چونکی اور تیزی سے اوپر تحریر پہ نگاہیں دوڑائیں۔

یہ وہی کاغذ تھا جو فواد نے اس سے اور فرشتے سے سائن کروایا تھا۔

وسیم سے نکاح نہ کروانے کی شرط پہ، اس کی گردن پہ پستول رکھ کر۔

مگر یہ ادھر ہمایوں کی لائبریری میں کیا کر رہا تھا؟ وہ تو اس معاملے سے قطعی لاعلم تھا۔ یہ موضوع کبھی زیر بحث ایا ہی نہیں، بس ایک دفعہ آغا جان کے گھر سے واپسی پہ ہمایوں نے اسے اپنا حصہ لینے کے لیے کہا تھا مگر وہ ٹال گئی تھی۔ اگر وہ براہِ راست پوچھتا تو وہ بتا دیتی۔ پھر فرشتے نے بھی نہیں بتایا کہ یہ کاغذ اس کے ہاتھ کیسے لگا اور کیا وہ اسی کی وجہ سے بد ظن تھا؟ مگر یہ اتنی بڑی وجہ تو نہیں تھی۔ اور یہ کاغذ ہمایوں کے ہاتھ لگا بھی تو کیسے یہ تو اس کے پاس تھا۔

اس نے دوسرا سفید لفافہ اٹھایا۔ وہ بے دردی سے چاک کیا گیا تھا اس نے اس کے کھلے منہ میں جھانکا۔ اندر کچھ فوٹو گراف تھے شاید۔

محمل نے لفافہ گود میں الٹ دیا۔ چند تصویریں اس کے گھٹنے پر سے پھسلتی فرش پہ گریں اس نے ہاتھ جھکا کر تصویریں کو اٹھایا اور سیدھا کیا۔

وہ فواد اور محمل کی تصاویر تھیں۔ فواد۔۔۔اور۔۔۔محمل۔۔۔

وہ ساکت سی ان تصاویروں کو دیکھ رہی تھی۔ ان میں وہ کچھ تھا جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا فواد اور اس کے کندھے پہ سر رکھے محمل۔۔۔ ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے فواد اور محمل۔۔۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے واک کرتے فواد اور محمل۔۔۔ اک ساتھ کسی شادی کی تقریب میں رقص کرتے قابل اعتراض تصاویر۔۔ قابل اعتراض مناظر۔۔ وہ سب جو کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس نے پھر سے تصویروں کو الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔

اس کا لباس اور چہرہ۔۔۔ ہر تصویر میں الگ تھا۔ کوئی بچہ بھی بتا سکتا تھا کہ وہ فوٹو شاپ یا اس قسم کی کسی ٹرک کا کمال ہے۔ پہلی نظر میں واقعی پتا نہیں لگتا تھا۔ مگر بغور دیکھنے پہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب نقلی ہے ہمایوں خود ایک پولیس آفیسر تھا، وہ ان بچوں والی باتوں میں نہیں آسکتا تھا۔ اور کس نے لا کر دیں اس کو یہ تصاویر؟ کیا معیز جو ایک دفعہ آیا تھا، اسی لیے آیا تھا؟ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

پزل کے سارے ٹکڑے ایک ساتھ جڑنے لگے۔

آرزو نے کہا تھا کہ وہ ہمایوں کو اس سے چھین لے گی۔ محمل کو سجا سنورا اور ہنستا بستا دیکھ کر وہ شدید حسد کی آگ میں جلنے لگی تھی۔ اس سے اس کی خوشیاں برداشت نہیں ہو رہی تھیں پھر اسد چچا کی ناگہانی وفات کے بعد یقیناً وہ

لوگ مالی کرائسز کا شکار رہے ہوں گے۔ ایسے میں محمل کی طویل بے ہوشی نے آرزو کو امید دلائی ہو گی۔ اور شاید یہ سب ایک سوچا سمجھا پلان تھا۔

یہ جعلی تصاویر بنا کر، محمل اور فرشتے کا دستخط شدہ کاغذ ہمایوں کو دکھا کر اس نے ہمایوں کو بھڑکایا ہو گا۔ مگر کیا ہمایوں چھوٹا بچہ تھا جو ان کی باتوں میں آجاتا؟ کیا ایک منجھا ہوا پولیس آفیسر اس قسم کے بچکانہ کھیل کا شکار بن سکتا تھا؟ کیا بس اتنی سی باتوں پہ ہمایوں اتنا بد ظن ہو گیا تھا؟ کہ اپنی بیوی سے دوری اور آرزو سے بڑھتا التفات۔۔۔ پزل کا کوئی ٹکڑا اپنی جگہ سے غائب تھا۔ پوری تصویر نہیں بن رہی تھی۔

اس نے بے اختیار ہو کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔

بی بی، تُسی ٹھیک ہو؟" بلقیس نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی۔"

ہاں، مجھے باہر لے جاؤ۔" اس نے جلدی سے تصویریں لفافے میں ڈالیں، مبادا بلقیس انہیں دیکھ نہ لے۔"

پزل کا کوئی ٹکڑا واقعی غائب تھا۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، جب بیرونی گیٹ پہ ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ جو دانستہ لاؤنج میں بیٹھی تھی، فوراً الرٹ ہو گئی۔

ہمایوں کی گاڑی کی زن سے اندر داخل ہونے کی آواز۔۔۔ پھر لاک کی کھٹ کھٹ، وہ سر جھکائے بیٹھی تمام آوازیں سنتی گئی، یہاں تک کہ دروازے کے اس طرف بھاری بوٹوں کی چاپ قریب آگئی۔ اس نے بے چینی

سے سر اٹھایا۔

وہ اندر داخل ہو رہا تھا، یونیفارم میں ملبوس، کیپ ہاتھ لیے، وہ چند قدم چل کر قریب آیا، اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر لمحے بھر کو رکا۔

السلام علیکم، مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔"

بولو۔" وہ اکھڑے تیوروں سے سامنے آ کھڑا ہوا۔"

"آپ بیٹھ جائیں۔"

"میں ٹھیک ہوں، بولو۔ "

محمل نے گہری سانس لی اور الفاظ ذہن میں مجتمع کیے۔

مجھے صرف ایک بات کا جواب چاہیے ہمایوں! بس ایک بار مجھے بتا دیں کہ آپ میرے ساتھ ایسے کیوں کر رہے ہیں۔" آنسوؤں کا گولا اس کے حلق میں پھنسنے لگا۔"

"کیا کر رہا ہوں؟"

"آپ کو لگتا ہے، آپ کچھ نہیں کر رہے؟"

علیحدگی چاہتا ہوں، یہ کیا جرم ہے؟" وہ سنجیدہ اور بے نیاز تھا۔"

مگر۔۔۔آپ اتنے کیوں بدل گئے ہیں؟ آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ شکوہ کر بیٹھی۔"

"پہلے میں کاٹھ کا الو تھا، جس کی آنکھوں پہ پٹی بندھی تھی۔ ہوش اب آیا ہے، دیر ہو گئی، مگر خیر۔"

"ہو سکتا ہے، کسی نے آپ کی آنکھوں پہ پٹی باندھ دی ہو۔ آپ مجھے صفائی کا ایک موقع تو دیں۔"

اس نے سوچا تھا وہ اس کی منت نہیں کرے گی، مگر اب وہ کر رہی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس سے اسے بے حد محبت تھی، وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

صفائی کا موقع ان کو دیا جاتا ہے جن پہ شک ہو۔ مگر جن پہ یقین ہو، ان پہ صرف حد جاری ہوتی ہے۔" وہ بہت چبا چبا کر بولا تھا۔

یہ آپ کی اپنی بنائی گئی حدود ہیں ایس پی صاحب! لوگوں کو ان کے اوپر نہ پرکھیں۔ کھوٹے کھرے کو الگ کرنے کا پیمانہ دل میں ہوتا ہے، ہاتھوں میں نہیں۔ کہیں آپ کو پچھتانا نہ پڑ جائے۔"

"کھوٹے کھرے کی پہچان مجھے بہت دیر سے ہوئی ہے محمل بی بی! جلدی ہوتی تو اتنا نقصان نہ اٹھاتا۔"

ان تین ماہ میں پہلی دفعہ اس نے محمل کا نام لیا تھا۔ وہ اداسی سے مسکرا دی۔

اگر میں کھوٹی ہوں تو جس کے پیچھے مجھے چھوڑ رہے ہیں، اس کے کھرے پن کو بھی ماپ لیجئے گا۔ کہیں پھر دھوکا نہ ہو جائے۔"

وہ تم سے بہتر ہے۔" چند لمحے خاموش رہ کر وہ سرد لہجے میں بولا اور ایک گہری چبھتی ہوئی نظر اس پہ ڈال کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

وہ نم آنکھوں سے زینے چڑھتے دیکھتی رہی۔

آج ہمایوں نے اپنی بے وفائی پہ مہر لگا دی تھی۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے برش لیے مغموم، گم صم بیٹھی تھی، جب فرشتے نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

میری چھوٹی بہن کیا کر رہی ہے؟" اس نے چوکھٹ سے ٹیک لگا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔"

کچھ خاص نہیں۔" محمل نے مسکرا کر گردن موڑی۔ اس کے کھلے بال شانوں پہ گرے تھے۔"

تو کچھ خاص کرتے ہیں۔" وہ اندر چلی آئی۔ فیروزی قمیص پہ سلیقے سے سر پہ دوپٹہ لیے وہ ہمیشہ کی طرح بہت
تروتازہ لگ رہی تھی۔

تمہارے بال ہی بنا دوں لاؤ۔" اس نے رسان سے کہتے ہوئے برش اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے کھلے"
بالوں کو دونوں ہاتھوں میں سمیٹا۔

بس اب تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔" وہ اب پیار سے اس کے بالوں میں اوپر سے نیچے برش کر رہی تھی۔ وہ"
محمل کی وہیل چیئر کے پیچھے کھڑی تھی، محمل کو آئینے میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

"تم نے آگے کا کیا سوچا؟"

پتا نہیں، جب عدت ختم ہو جائے گی تو چلی جاؤں گی۔" وہ بے زار ہوئی۔"

لیکن کدھر؟" فرشتے نے اس کے بالوں کو سلجھا کر، سمیٹ کر اونچا کیا۔"

اللہ کی دنیا بہت وسیع ہے، پہلے آغا جان کو ڈھونڈوں گی، اگر وہ نہ ملے تو مسجد چلی جاؤں گی۔ مجھے امید ہے کہ مجھے"
"ہاسٹل میں رہنے دیا جائے گا۔

ہوں۔" اس نے اونچی سی پونی باندھی، پھر ان بالوں کو دوبارہ برش کیا۔"

"اور آپ نے کیا سوچا؟ میرے بعد تو آپ کو بھی جانا ہو گا۔"

میں شاید ورکنگ ویمن ہاسٹل چلی جاؤں، پتا نہیں ابھی کچھ ڈیسائیڈ نہیں کیا، خیر چھوڑو، آج میں نے چائینیز بنایا" ہے، تمہیں منچورین پسند ہے نا؟ اب فٹافٹ چلو، کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے محمل کی وہیل چئیر پیچھے سے تھام کر اس کا رخ موڑا۔

اب وہ کیا بتاتی کہ عرصہ ہوا، ذائقے محسوس کرنا چھوڑ دیے ہیں، مگر ایسی مایوسی کی باتیں اللہ کو ناراض کر دیتی ہیں، اسی لیے چپ رہی۔ ہمایوں کی طرف سے دل اتنا دکھا ہوا تھا کہ ایسے میں فرشتے کا دھیان بٹانا اچھا لگا۔

ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگا ہوا تھا۔ گرم گرم چاولوں کی خوشبو سارے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔

تیمور کدھر؟" وہ پوچھتے پوچھتے رک گئی۔ پھر تھک کر بولی۔ "میں کیا کروں جو وہ آپ کو کونا پسند کرنا چھوڑ" دے؟"

یہ چاول کھاؤ، بہت اچھے بنے ہیں۔" فرشتے نے مسکرا کر ڈش اس کے سامنے رکھی، اس کا ضبط بھی کمال کا تھا۔

تیمور کی ساری بدلحاضیوں پہ میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ بھیگ گیا۔"

"اونہوں، جانے دو، میں مائنڈ نہیں کرتی، خالہ بھی ماں جیسی ہی ہوتی ہے۔"

محمل بھیگی آنکھوں سے ہولے سے ہنس دی۔

"فرشتے نے رک کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟ کیا نہیں ہوتی؟

میرے بھانجے نہیں ہیں ورنہ، ضرور اپنی رائے دیتی لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہی فرمایا ہے"

"تو آف کورس، ٹھیک ہے۔

کیا؟" فرشتے الجھی۔"

"یہ ہی کہ خالہ ماں جیسی ہوتی ہے، یہ ایک حدیث ہے نا۔"

اوہ اچھا؟ مجھے بھول گیا تھا۔" فرشتے سر جھٹک کر مسکرا دی اور چاول اپنی پلیٹ مین نکالنے لگی۔"

وہ اپنے دانست میں" ہمایوں کے گھر میں" اس کا آخری دن تھا۔ کل دوپہر اس کی عدت کو تین قمری ماہ مکمل ہو جانے تھے اور تب وہ شرعی طور پہ ہمایوں کی بیوی نہ رہتی اور پھر اس گھر میں رہنے کا جواز بھی ختم ہو جاتا۔ آج وہ صبح اترتے ہی لان میں آ بیٹھی تھی۔ چڑیاں اپنی مخصوص بولی میں کچھ گنگنا رہی تھیں۔ گھاس شبنم سے گیلی تھی۔ سیاہ بادلوں کی ٹکڑیاں آسمان پہ جا بجا بکھری تھیں۔ امید تھی کہ آج رات بارش ضرور ہوگی۔

شاید اس کی اس گھر میں آخری بارش۔

فرشتے صبح جلد ہی کسی کام سے باہر گئی تھی۔ ہمایوں رات دیر سے گھر آیا تھا اور صبح سویرے نکل گیا تھا۔ تیمور اندر سو رہا تھا۔ اور بلقیس اپنے کوارٹر میں تھی۔ سو وہ لان میں تنہا اور مغموم بیٹھی چڑیوں کے اداس گیت سن رہی تھی۔ آنسو قطرہ قطرہ اس کی کانچ سی بھوری آنکھوں سے ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

اس گھر کے ساتھ اس کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ زندگی کا ایک بہت حسین اور پھر ایک بے حد تلخ دور اس نے گھر میں گزارا تھا۔ یہاں اسی ڈرائیو وے پہ وہ پہلی دفعہ سیاہ ساڑھی میں اتری تھی، اسی رات جب اس کی مشکلات کا آغاز ہوا تھا۔ پھر ادھر ہی وہ سرخ کام دار جوڑے مین دلہن بنا کر لائی گئی تھی، کبھی وہ ادھر ملکہ کی حیثیت سے بھی رہی تھی، مگر خوشی کے دن جلدی گزر جاتے ہیں، اس کے بھی گزر گئے تھے۔ ایک سیاہ تاریک نیند کا سفر اور وہ بہت نیچے لا کر پھینک دی گئی تھی۔

ماما۔" تیمور نیند بھری آنکھیں لیے اس کا شانہ جھنجوڑ رہا تھا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا، پھر مسکرا دی۔"

ہاں بیٹا!" اس نے بے اختیار پیار سے اس کا گال چھوا۔"

کیوں رو رہی ہیں اتنی دیر سے؟ کب سے دیکھ رہا ہوں۔" وہ معصومیت بھری فکر مندی لیے اس کے ساتھ آ بیٹھا۔ وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ غالباً ابھی جاگا تھا۔

نہیں کچھ نہیں۔" محمل نے جلدی سے آنکھیں رگڑیں۔"

آپ بہت روتی ہیں ماما۔ ہر وقت روتی ہی رہتی ہیں۔" وہ خفا تھا۔"

"مجھے لگتا ہے، آپ دنیا کے سارے لوگوں سے زیادہ روتی ہوں گی۔"

"نہیں تو اور تمہیں پتا ہے کہ دنیا کے سارے لوگوں سے زیادہ آنسو کس انسان نے بہائے تھے؟

کس نے؟" وہ حیرت بھرے اشتیاق سے اس کے قریب ہوا۔"

ہمارے باپ آدم علیہ السلام نے جب ان سے اس درخت کو چھونے کی غلطی ہوئی تھی۔" وہ نرمی سے اس کے

بھورے بالوں کو سہلاتی بتا رہی تھی، اسے تیمور کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں کرنا تھا، اس کا ذہن بٹانے میں وہ کسی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔

"اچھا!" وہ حیران ہوا۔ "اور ان کے بعد؟"

"ان کے بعد داؤد علیہ السلام نے، جب ان سے ایک فیصلے میں ذرا سی کمی رہ گئی تھی۔"

"اور ان کے بعد؟"

ان کے بعد؟" اس نے گہری سانس لی۔ "پتا نہیں بیٹا! یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔"

آپ بھی بہت روتی ہیں ماما، مگر آپ کو پتا ہے آپ جیسی مدر کسی کی نہیں ہیں۔ میرے کسی فرینڈ کی بھی نہیں، کوئی ٹیچر بھی نہیں۔"

میرے جیسی کیسی؟" اسے حیرت ہوئی۔"

" honourable اور noble آپ جیسی"

" آپ کو پتا ہے، آپ میرے لیے پوری دنیا میں سب سے زیادہ آنر یبل اور نوبل ہیں۔

"جبکہ میں ایسی نہیں ہوں۔ تمہیں پتا ہے، نوبل کون تھے؟"

محمل نے ایک گہری سانس لی۔

"یوسف علیہ السلام جو پیغمبر کے بیٹے، پیغمبر کے پوتے اور پیغمبر کے پڑ پوتے تھے۔"

"وہ کیوں ماما؟ "

وہ کیوں؟" اس نے زیرِ لب اس کا سوال دہرایا۔ بے اختیار آنکھوں میں اداسی چھا گئی۔ "کیونکہ شاید وہ بہت صبر کرنے والے تھے اور الفاظ لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ ہر بات سمجھانے والی نہیں ہوتی۔

بتائیں ناماما۔" وہ بے چین ہوا۔" میں جب بھی آپ سے حضرت یوسفؑ کی اسٹوری سنتا ہوں۔ آپ یوں ہی" اداس ہو جاتی ہیں۔"

پھر کبھی بتاؤں گی، تمہارا اسکول کب کھل رہا ہے؟" اس نے بات پلٹ دی۔"

"منڈے کو۔"

"اور تمہارا ہوم ورک ڈن ہے؟"

یہ باتیں چھوڑیں، مجھے پتا ہے آپ اپ سیٹ ہیں۔ کل آپ اور ڈیڈی ہمیشہ کے لیے الگ ہو جائیں گے۔ ہے" نا؟" وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے، اداسی سے بولا۔

ہاں! ہو تو جائیں گے، تم میرے ساتھ چلو گے یا ڈیڈی کے پاس رہو گے؟" اس نے خود کو بے پرواظاہر کرنا چاہا۔

میں آپ کے ساتھ جاؤں گا، اس چڑیل کے ساتھ نہیں رہوں گا۔ مجھے پتا ہے ڈیڈی فوراً شادی کر لیں گے۔"" اسے شاید آرزو بہت بری لگتی تھی۔ وہ محمل کو اس پہ ترجیح دے رہا تھا۔ اسے یاد آیا، ہمایوں نے کہا تھا، وہ اس سے بہتر ہے۔

وہ مجھ سے بہتر ہے تیمور؟" وہ ہمایوں کی اس زہریلی بات کو یاد کر کے پھر سے دکھی ہو گئی۔

کون؟" تیمور کی سفید بلی بھاگتی ہوئی اس کے قدموں میں آبیٹھی تھی۔ وہ جھک کر اسے اٹھانے لگا۔"

آرزو۔" بہت دفعہ سوچا تھا کہ بچے سے یہ معاملہ ڈسکس نہیں کرے گی، مگر رہ نہیں سکی۔"

"آرزو آنٹی؟" تیمور بلی کو بازوؤں میں اٹھا کر سیدھا ہوا۔ "وہ جو آپ کی کزن ہیں، جو ادھر آتی ہیں؟

"ہاں، وہی۔"

وہ آپ سے اچھی تو نہیں ہیں، نہیں، بالکل نہیں۔" وہ سوچ کر نفی میں سر ہلانے لگا۔"

پھر تمہارے ڈیڈی کیوں اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا تم اسے ماں کے روپ میں قبول کر سکو گے؟""

کتنا خود کو سمجھایا تھا کہ بچے کو درمیان مین انوالو نہیں گی، مگر ہمایوں کی اس روز کی بات ابھی تک کہیں اندر چبھ رہی تھی، لیکن پھر کہہ کر خود ہی پچھتائی۔

"چھوڑو، جانے دو، یہ بلی ادھر دکھاؤ۔"

مگر تیمور الجھا الجھا سا اسے دیکھ رہا تھا۔ بلی ابھی تک اس کے بازوؤں میں تھی۔

ڈیڈی، آرزو آنٹی سے شادی کر رہے ہیں؟" اس کی آواز میں بے پناہ حیرت تھی۔"

"تمہیں نہیں پتا؟"

آپ کو یہ کس نے کہا ہے؟" وہ کنفیوزڈ بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔"

"تمہارے ڈیڈی نے بتایا تھا اور ابھی تم خود کہہ رہے تھے کہ وہ اس سے شادی کر لیں گے۔"

تیمور اسی طرح الجھی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ موٹی بلی اس کے ننھے ننھے ہاتھوں سے پھسلنے کو بے تاب کسمسا رہی تھی۔

" آرزو آنٹی سے؟ نہیں ماما، ڈیڈی تو ان سے شادی نہیں کر رہے۔"

مگر تم نے۔" لیکن ابھی تیمور کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔"

"وہ تو فرشتے سے شادی کر رہے ہیں۔ آپ کو نہیں پتا؟"

اسے لگا کسی نے ڈھیروں پتھر اس کے اوپر لڑھکا دیے ہوں۔

"تیمور!" وہ درشتی سے چلائی تھی۔ "تم ایسی بات سوچ بھی کیسے سکتے ہو؟"

بلی سہم کر تیمور کے بازوؤں سے نیچے کودی۔

آپ کو نہیں پتا ماما؟" وہ اس سے بھی زیادہ حیران تھا۔"

تم نے ایسی بات کی بھی کیسے؟ مائی گاڈ، وہ میری بہن ہے، تم نے اتنی غلط بات کیوں کی اس کے بارے میں؟""

غصہ اس کے اندر سے ابلا تھا۔ وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تیمور ایسے کہہ سکتا ہے۔

"ماما! آپ بے شک ڈیڈی سے پوچھ لیں، فرشتے سے پوچھ لیں۔ وہ دونوں شادی کر رہے ہیں۔"

" شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ، تم اس لڑکی کے بارے میں ایسی بات کر رہے ہو جو میری بہن ہے؟

جی ماما! اسی لیے تو ڈیڈی نے آپ کو ڈائیوورس دی ہے، بی کاز شی از یور سسٹر، اور مسلم ایک ٹائم پہ دو" سسٹرز سے شادی نہیں کر سکتے۔

محمل کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ شل سی بیٹھی رہ گئی۔

" آئی تھاٹ، آپ کو پتا ہے میں نے آپ کو کہا تو تھا کہ ڈیڈی اس چڑیل سے شادی کر رہے ہیں۔"

اور تیمور فرشتے کو بھی چڑیل کہتا تھا، وہ کیوں بھول گئی؟ اس کا دماغ بری طرح چکرانے لگا تھا۔

نہیں تیمور، وہ میری بہن ہے۔" اس کی زبان لڑکھڑائی۔"

" وہ اسی لیے تو ادھر ہمارے ساتھ رہتی ہے، تاکہ جب آپ چلی جائیں تو وہ ڈیڈی سے شادی کر لے۔"

مگر تیمور، وہ میری بہن ہے۔" اس کی آواز ٹوٹنے لگی تھی۔"

آپ نے نہیں دیکھا، جب وہ ڈیڈی کے ساتھ شام کو باہر جاتی ہیں؟" ایک دفعہ وہ مجھے بھی لے گئے تھے، وہ سمجھتے

"ہیں میں بچہ ہوں، مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا۔

مگر تیمور! وہ تو میری بہن ہے۔" وہ بکھری، شکست خوردہ سی، گھٹی گھٹی آواز میں چلائی تھی۔ اسے لگ رہا تھا، کوئی دھیرے دھیرے اس کی جان نکال رہا ہے۔ تیمور کیا کہہ رہا تھا اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

مجھے اسی لیے وہ اچھی نہیں لگتی، وچ نمبر ون، اس کی وجہ سے ڈیڈی آپ کو سیپریٹ کر رہے ہیں۔ آپ نے نہیں"

"دیکھا، جب وہ شام کو ڈیڈی کے ساتھ باہر ریسٹورنٹ جاتی ہے؟

" نہیں تم غلط کہہ رہے ہو، شام کو تو وہ مسجد جاتی ہے، وہ ادھر پڑھاتی ہے۔"

اسے یاد آیا، شام کو فرشتے مسجد جاتی تھی۔ یقیناً تیمور کو غلط فہمی ہوئی ہو گی، اس نے غلط سمجھا ہو گا۔

مسجد؟" اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔"

"یہ ساتھ والی مسجد؟ ماما، آپ کدھر رہتی ہیں؟ فرشتے تو کبھی مسجد نہیں گئی۔"

"وہ۔۔۔وہ ادھر قرآن پڑھاتی ہے، تمہیں نہیں پتا، تیمور، وہ۔۔۔"

"وہ تو کبھی قرآن نہیں پڑھتی، میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔"

نہیں! وہ مجھ سے اور تم سے زیادہ پڑھتی ہے۔ اس نے۔۔۔ اس نے ہی تو مجھے قرآن سکھایا تھا۔ تم غلط کہہ رہے ہو، وہ ایسے نہیں کر سکتی۔" وہ نفی میں سر ہلاتے، اسے جھٹلا رہی تھی۔

"آپ نے کبھی اس کو قرآن پڑھتے دیکھا؟" مسجد جاتے دیکھا؟"

وہ۔۔۔" وہ جو فرشتے کے دفاع میں تیمور کو جھٹلانے کے لیے کچھ کہنے لگی تھی، ایک دم رک گئی۔"

اس نے اسپتال سے آکر کبھی فرشتے کو مسجد جاتے نہیں دیکھا تھا، کبھی قرآن پڑھتے نہیں دیکھا تھا، ہاں نمازیں وہ ساری پڑھتی تھی۔

کم آن ماما، آپ بلقیس بوا سے پوچھ لیں، وہ مسجد نہیں جاتی، کیا آپ کو اس نے خود کہا ہے کہ وہ مسجد جاتی ہے؟" اور تیمور کے سوال کا جوب اس کے پاس نہیں تھا۔

اسپتال کی وجہ سے صبح کی کلاسز لینا ممکن نہیں تھا۔" فرشتے نے تو اس کے استفسار پہ مبہم سا جواب دیا تھا۔ باقی سب اس نے خود فرض کر لیا تھا۔

تو کیا تیمور سچ کہہ رہا تھا؟ نہیں ہر گز نہیں، فرشتے اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو اس کی بہت پیاری بہت خیال رکھنے والی بہن تھی، وہ بھلا کیسے۔

وہ مسجد نہیں جاتی، وہ ڈیڈی کے ساتھ جاتی ہے، پہلے ڈیڈی گاڑی پہ نکلتے ہیں، پھر وہ باہر نکلتی ہے، اور کالونی کے اینڈ پہ ڈیڈی اس کو پک کر لیتے ہیں، تاکہ بلقیس بوا کو پتا نہ چلے۔ میں نے ٹیرس سے بہت دفعہ دیکھا ہے، صبح وہ ڈیڈی کے ساتھ ہی گئی تھی۔"

وہ پتھر بنی سن رہی تھی۔

جب آپ ہسپتال میں تھیں تب بھی وہ یوں ہی کرتے تھے۔ پر میں کوئی چھوٹا بے بی تو نہیں ہوں، مجھے سب سمجھ آتا ہے۔"

یہ سب کب ہوا؟ کیسے ہوا؟" وہ متحیر، بے یقین سی سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔ تیمور آگے بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا، مگر وہ نہیں سن رہی تھی، تمام آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ سب چہرے مٹ گئے تھے۔ ہر طرف اندھیرا تھا، سناٹا تھا۔

ماما! آپ ٹھیک ہو؟" تیمور نے پریشانی سے اس کا ہاتھ ہلایا۔ وہ ذرا سی چونکی۔ آنکھوں کے آگے جیسے دھند سی چھا رہی تھی۔

مجھے۔۔۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو بیٹا۔" اس نے بے اختیار چکراتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔"

"ابھی۔۔۔ ابھی جاؤ یہاں سے پلیز۔"

چند لمحے وہ اداسی سے اسے دیکھتا رہا، پھر جھک کر گھاس پہ بیٹھی سفید موٹی بلی اٹھائی اور واپس پلٹ گیا۔

"کیا یہ ہی واحد وجہ ہے؟"

"کیا تمہیں بالکل امید نہیں ہے کہ وہ رجوع کرے گا؟"

کیا تم خود کو اتنا سٹرونگ فیل کرتی ہو کہ حالات کا مقابلہ کر لو گی؟" اس کے ذہن میں فرشتے کی باتیں گونج رہی تھیں۔

ہر شام ہمایوں گھر سے چلا جاتا۔ کسی دوست کے پاس، ہر شام فرشتے بھی گھر سے چلی جاتی۔ اس نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کدھر جاتی ہے۔ اس نے کبھی نہیں بتایا کہ وہ محمل کی عدت ختم ہونے کے بعد کدھر جائے گی؟ اور وہ ابھی تک ادھر کیوں رہ رہی تھی؟ کیا صرف محمل کی کیئر کے لیے؟ وہ کیئر تو کوئی نرس بھی کر سکتی تھی۔ پھر وہ کیوں ان کے گھر میں تھی؟

اس نے کبھی فرشتے کو قرآن پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ جس روز وہ مسجد گئی تھی۔ فرشتے ادھر نہیں تھی۔ وہ شام تک وہیں رہی، مگر وہ ادھر نہیں آئی۔ وہ غلط فہمی کا شکار رہی اور فرشتے نے اس کی غلط فہمی نہیں دور کی۔

اور آرزو؟ اس کا کیا قصہ تھا؟ وہ گواہ تھی کہ ہمایوں اس سے شادی کر رہا تھا۔ اس نے خود آرزو سے یہی کہا تھا "مگر جب محمل نے پوچھا تھا تب اس نے کیا کہا تھا، یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔

اس نے کبھی نہیں کہا کہ وہ آرزو سے شادی کر رہا ہے۔ فرشتے نے کبھی اس کے اور آرزو کے غیر واضح تعلق پہ فکرمندی نہیں ظاہر کی۔ وہ سب کسی سوچی سمجھی پالیسی کا حصہ تھا، وہ دونوں جانتے تھے اور ایک اسی کو بے خبر رکھا تھا۔ وہ تم سے بہتر ہے۔ یہ ہی کہا تھا ہمایوں نے، اور وہ یقیناً فرشتے کی بات کر رہا تھا۔

لیکن وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟ وہ اس کے گھر میں خیانت کیسے کر سکتی ہے؟ وہ تو قرآن کی طالبہ تھی، وہ تو سچی

تھی، وہ تو امانت دار تھی۔ پھر وہ کیوں بدل گئی؟ وہ جو لمحوں کا خیال رکھتی تھی، رشتوں میں خیانت کیسے کر گئی؟ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ دل ڈوبا جا رہا تھا۔ آج اسے لگا تھا کہ سب دھوکے باز نکلے تھے، سب خود غرض نکلے تھے۔ ہر شخص اپنی زمین کی طرف جھکا تھا۔ اس کا کوئی نہیں تھا، کوئی بھی نہیں، وہ کتنی دیر ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھی رہی۔

بہت سے لمحے سرکے، تو اسے یاد آیا کہ جہاں سب بدل گئے تھے، وہاں کوئی نہیں بھی بدلا تھا۔ جہاں سب نے دھوکا دیا، وہاں کسی نے اس کا خیال بھی رکھا تھا۔ جہاں سب ساتھ چھوڑ گئے۔ وہاں کسی نے سہارا بھی دیا تھا۔

اوہ!" اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور پھر دھیرے سے وہیل چئیر کے پہیوں کو اندر کی جانب موڑا۔"

اس کے کمرے میں شیلف کے اوپر اس کا سفید جلد والا مصحف قرآن رکھا تھا۔ اس نے سرعت سے اسے اٹھایا۔ اس وقت اسے اس کی بے حد ضرورت تھی۔

مصحف کے نیچے اس کا پرانا رجسٹر رکھا تھا۔ اس نے قرآن اٹھایا تو رجسٹر پھسل کر نیچے جا گرا۔ محمل نے ایک ہاتھ مین قرآن پکڑے، جھک کر رجسٹر اٹھایا۔ وہ درمیان سے کھل گیا تھا۔ اسے بند کر کے واپس رکھتے ہوئے وہ ٹھہر سی گئی، کھلے صفحے پہ سورہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر لکھی تھی جس پہ وہ ہمیشہ الجھتی تھی۔ حطتہ اور حنطتہ۔ یہ صفحہ بہت دفعہ کھولنے کے باعث اب رجسٹر کھولتے ہی کھل جاتا تھا۔

کھلا ہوا رجسٹر اس کے دائیں ہاتھ میں تھا، اور قرآن بائیں میں، دونوں اس کے بالکل سامنے تھے۔ رجسٹر کی سطر، حنطتہ کا مطلب ہوتا ہے گن۔۔ کے آگے صفحہ کور کے قریب لائی جہاں مٹا مٹا سا "م" لکھا تھا۔

اس نے گن اور م کو ملایا۔ دونوں کے درمیان ایک، ایک ننھا سا نقطہ تھا۔ اس نے نقطوں کو جوڑا، ادھورا الفاظ مکمل ہو گیا۔

" گندم۔ "

وہ ننھے نقطے دال کو دو حصے تھے۔

اسے یاد آیا وہ غلطی سے قرآن پہ رجسٹر رکھ کر لکھ رہی تھی۔ صفحہ ختم ہوا تو لاشعوری طور پہ اس نے لفظ قرآن کے کور پہ مکمل کر دیا۔ اسی وقت اسے کلاس انچارج سے ڈانٹ پڑی تو یہ بات ذہن سے محو ہو گئی۔ وہ کبھی جان ہی نہ پائی کہ یہ مٹا مٹا سا م اس ادھورے لفظ کی تکمیل تھا۔

آج برسوں بعد وہ قصہ مکمل ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن مین ایک روشنی کا کوندا سا لپکا اور ساری گتھیاں سلجھ گئی تھیں۔

بنی اسرائیل کو شہر کے دروازے میں داخل ہونے سے قبل بخشش مانگنے کا حکم ملا تھا۔ مگر وہ گندم مانگتے رہے۔ بخشش نہیں مانگی۔ یہ بنی اسرائیل کی ریت تھی اور یہ ہی ریت اس نے خود بھی دہرائی تھی۔

ہم زمانہ جاہلیت سے دور اسلام میں آکر ایک ہی دفعہ توبہ کرتے ہیں، ساری عمر پھر عملِ صالح تو کرتے رہتے ہیں، مگر بار بار کی توبہ بھول جاتے ہیں، ہم ایک کھائی سے بچ کر سمجھتے ہیں کہ زندگی میں پھر کبھی کھائی نہیں آئے گی اور اگر آئی تو بھی ہم بچ جائیں گے۔ ہم ہمیشہ نعمتوں کو اپنی نیکیوں کا انعام سمجھتے ہیں اور مصیبتوں کو گناہوں کی سزا۔۔ اس دنیا میں جزا بہت کم ملتی ہے اور اس میں بھی امتحان ہوتا ہے، نعمت شکر کا امتحان

ہوتی ہے اور مصیبت صبر کا اور زندگی کے کسی نئے امتحان میں داخل ہوتے ہی منہ سے پہلا کلمہ حطتہ کا نکلنا چاہیے۔ مگر ہم وہاں بھی گندم مانگنے لگتے ہیں۔

اللہ اسے زندگی کے ایک مختلف فیز میں لایا تو اسے بخشش مانگنی چاہیے تھی۔ مگر وہ "ہمایوں" اور "تیمور" کو مانگنے لگ گئی۔ حنطتہ حنطتہ کہنے لگ گئی۔ گندم مانگنا برا نہیں تھا۔ مگر پہلے بخشش مانگنی تھی۔ وہ پہلا زینہ چڑھے بغیر دوسرے کو پھلانگنا چاہ رہی تھی اور ایسے پار کب لگا جاتا ہے؟

اسے نہیں معلوم وہ کتنی دیر تک میز پہ سر رکھے زارو قطار روتی رہی، آج اسے اپنے سارے گناہ پھر سے یاد آ رہے تھے۔ آج وہ پھر سے توبہ کر رہی تھی۔ وہ توبہ جو بار بار کرنا ہم "نیک" بننے کے بعد بھول جاتے ہیں۔

زندگی مین بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں جب آپ سے خود قرآن نہیں پڑھا جاتا۔ اس وقت آپ کسی اور سے قرآن سننا چاہتے ہیں۔ آپ کا دل چاہتا ہے کہ کوئی آپ کے سامنے اللہ کی کتاب پڑھتا جائے اور آپ روتے جائیں۔ بعض دفعہ آپ خوش ہونے کے لیے اس کے پاس جاتے ہیں اور بعض دفعہ صرف رونے کے لیے۔

اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ خوب روئے۔ قرآن سنتی جائے اور روتی جائے۔ تلاوت کی کیسٹوں کا ڈبہ قریب ہی رکھا تھا۔ ٹیپ ریکارڈ بھی ساتھ تھا۔ اس نے بنا دیکھے آخر سے ایک کیسٹ نکالی اور بنا دیکھے ہی ڈال دی۔ نہ وہ معانی جاننا چاہتی تھی۔ ابھی وہ صرف سننا چاہتی تھی، صرف رونا چاہتی تھی۔

اس نے پلے کا بٹن دبایا اور سر میز پہ رکھ دیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک کر میز کے شیشے پہ گر رہے تھے۔

"قاری صہیب احمد کی مدھم، پرسوز آواز دھیرے سے کمرے میں گونجنے لگی تھی۔ "والضحی۔۔ قسم ہے دن کی۔

وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اسے اپنی زندگی کے روشن دن یاد آرہے تھے، جب وہ اس گھر کی ملکہ تھی۔

"اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔"

اس کو وہ سناٹے بری رات یاد آئی جب ہمایوں نے اسے طلاق دی تھی، وہ رات جب وہ یہیں بیٹھی چھت کو دیکھتی رہی تھی۔

(تمہارے رب نے تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہے۔ (الضحی 3

اس کے آنسو روانی سے گرنے لگے تھے۔ یہ کون تھا جو اس کی ہر سوچ پڑھ لیتا تھا؟ یہ کون تھا؟

(یقیناً تمہارے لیے انجام آغاز سے بہتر ہو گا۔" (الضحی 4"

اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ کیا واقعی اب بھی اس سارے کا انجام اچھا ہو سکتا تھا؟

(تمہارا رب بہت جلد تمہیں وہ دے گا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔" (الضحی 5"

ذرا چونک کر بہت آہستہ سے محمل نے سر اٹھایا۔ اللہ کو اس کی اتنی فکر تھی کہ وہ اس کے اداس دل کو تسلی دینے کے لیے یہ سب اسے بتا رہا تھا؟ کیا وہ واقعی اس سے ناراض نہیں تھا؟ کیا واقعی اس نے اسے چھوڑا نہیں تھا؟

(کیا اس نے تمہیں یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا؟" (الضحی 6"

وہ اپنی جگہ سن سی رہ گئی۔ یہ۔۔۔ یہ سب۔۔۔ اتنا واضح، اتنا صاف، یہ سب اس کے لیے اترا تھا؟ کیا وہ اس قابل تھی؟

(کیا اس نے تمہیں راہِ گم پا کر ہدایت نہیں دی؟ (الضحی 7

وہ ساکت سنے جا رہی تھی، ہاں، یہ ہی تو ہوا تھا۔

(اور تمہیں نادار پا کر غنی نہیں کر دیا؟(الضحیٰ8"

"اس کے آنسو گرنا رک گئے تھے۔ کپکپاتے لب ٹھہر گئے تھے۔

(پس تم بھی یتیم پہ سختی نہ کرنا، اور سائل کو مت ڈانٹنا۔ اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہنا۔"(الضحیٰ9"

سورۃ الضحیٰ ختم ہو چکی تھی۔ اس کی زندگی کی ساری کہانی گیارہ آیتوں میں سمیٹ کر اسے سنا دی گئی تھی۔ وہ سورۃ جیسے ابھی ابھی آسمانوں سے اتری تھی، اس کے لیے، صرف اس کے لیے۔

اس نے تھک کر کرسی کی پشت پہ گرا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ کچھ دیر ہر سوچ سے بے نیاز سونا چاہتی تھی۔ پھر اٹھ کر اسے فرشتے سے ملنا تھا۔

بادل زور سے گرجے تھے۔

محمل نے ایک نظر کھڑکی سے باہر پھسلتی شام پہ ڈالی اور دوسری بند دروازے پہ۔ اس کی دوسری طرف اسے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ ابھی چند منٹ قبل اس نے فرشتے کو گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اس کے آنے کے کچھ دیر بعد ہمایوں کی گاڑی اندر داخل ہوئی تھی۔ البتہ وہ بمشکل ایک منٹ بعد ہی کچھ کاغذات اٹھا کر واپس چلا گیا تھا۔ اس کی گاڑی ابھی ابھی نکلی تھی۔

وہ کھڑکی کے اس طرف چوکیدار کو گیٹ بند کرتے دیکھ رہی تھی، جب دروازہ ہولے سے بجا۔

محمل؟" فرشتے نے اپنے مخصوص نرم انداز میں پکارا، پھر ہولے سے دروازہ کھولا۔ اب وہ کثرت سے سلام نہیں کرتی تھی۔ محمل نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ دراز قد، کانچ سی سنہری آنکھوں والی جو کھلتے رنگ کے لباس میں، سر پہ دوپٹہ لیے کھڑی تھی۔ وہ کون تھی، اسے لگا وہ اسی نہیں جانتی۔

کیسی ہو؟ نرم سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے وہ اندر داخل ہوئی۔"

بلقیس بتا رہی تھی، تم میرا پوچھ رہی تھیں۔" وہ آگے بڑھ کر عادتاً شیلف پہ پڑی کتابیں، رجسٹر اور ٹیپ وغیرہ" سلیقے سے جوڑنے لگی۔ اس کے بھورے بال کھلے تھے اور اس نے ان ہی پہ دوپٹہ لے رکھا تھا، ایسے کہ چند لٹیں باہر گر رہی تھیں۔ گلابی دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

جی۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ کدھر ہیں۔" محمل نے بغور اس کو دیکھا، جو اس کے سامنے سر جھکائے کتابیں" سیٹ کر رہی تھی۔

اسے بھی تیمور کی بات پہ مکمل یقین نہ تھا۔ فرشتے ایسا نہیں کر سکتی تھی، کبھی بھی نہیں، یقیناً تیمور کو سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔

میں ایک دوست کے ساتھ تھی، کچھ شاپنگ کرنا تھی۔" بے حد رسان سے بتا کر اس نے رجسٹر ایک دوسرے" کے اوپر رکھے۔

نہ اس نے جھوٹ بولا، نہ سچ بتایا۔ اس کا یقین ڈگمگانے لگا۔

"آپ نے آگے کا کیا سوچا ہے فرشتے؟ میرے جانے کے بعد آپ کیا کریں گی؟"

ابھی پلان کروں گی، دیکھو، کیا ہوتا ہے۔" وہ اب گلدان میں رکھے گلدستے سے سوکھے پھول احتیاط سے نکال رہی تھی۔ اس کے جواب مبہم تھے۔۔۔نہ سچ، نہ جھوٹ۔

اور تم سارا دن کیا کرتی رہیں؟" اس نے چرمرائے سوکھے پھول ڈسٹ بن میں ڈالے۔

"کچھ خاص نہیں۔"

دونوں خاموش ہو گئیں، اپنی اپنی سوچوں میں گم۔ اب اس کے پاس حقیقت جاننے کا ایک ہی طریقہ تھا اور اس نے اسے استعمال کرنے کا ارادہ کیا۔

"فرشتے، وہ جسم کس کی کرسی پہ ڈالا گیا تھا؟"

کون سا جسم؟" فرشتے نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پلٹنے سے اس کا دوپٹہ سرکنے سے بھورے بال جھلکنے لگے۔"

قرآن میں ایک جگہ ایک جسم کا ذکر ہے جو کسی کی کرسی پہ ڈالا گیا تھا۔ آپ کو یاد ہے وہ کس کا جسم تھا؟" اس کا انداز یوں تھا جیسے وہ بھول گئی ہو۔

"فرشتے نے الجھ کر چند لمحے سوچا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں مجھے نہیں یاد آرہا۔

اور محمل کو سارے جواب مل گئے تھے۔ فرشتے قرآن بھول گئی تھی۔ اگر وہ اسے پڑھتی رہتی تو اسے یاد رہتا، لیکن وہ اسے پڑھنا چھوڑ چکی تھی اور قرآن تو چند دن کے لیے بھی چھوڑ دیا جائے تو فوراً ذہنوں سے مکمل طور پہ محو ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب اللہ کی سنت تھی اور کبھی یہ تبدیل نہیں ہو گی۔

اس نے گہری سانس لی۔

'وہ سلیمان علیہ السلام کی کرسی تھی جس پہ ایک جسم ڈالا گیا تھا۔"

اوہ اچھا۔" فرشتے نے میز پہ گرے پانی کے قطرے ٹشو سے صاف کیے۔"

کیوں کیا آپ نے ایسا، فرشتے؟" وہ بہت دکھ سے بولی تھی، اب وقت آ گیا تھا کہ وہ چوہے بلی کا کھیل بند کر"
دے۔

کیا؟" فرشتے نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ صرف استفسار تھا۔"

"وہ جو اس گھر میں ہوتا رہا، میں وہ سب جاننا چاہتی ہوں؟"

مثلاً؟" اس نے آبرو اٹھائی، اس کے چہرے پہ وہ ہی نرم سا تاثر تھا۔"

"سب کچھ!"

سب کچھ؟ کس بارے میں؟ میری ہمایوں کی شادی کے بارے میں؟" اس کے انداز میں ندامت تھی، نہ"
پکڑے جانے کا خوف، وہ بہت آرام سے پوچھ رہی تھی۔

سب کچھ!" اس نے آہستہ سے دہرایا۔"

جب ہمایوں کراچی سے آیا تو اس نے مجھے پروپوز کیا۔ وہ وہ تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتا تھا، مگر طلاق سے"
قبل وہ شادی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ سو ہم نے ڈیسائیڈ کیا کہ جب تم ہوش میں آ جاؤ تو وہ تمہیں ڈائیورس دے
"دے گا اور ہم شادی کر لیں گے۔

وہ جیسے موسم کی کوئی خبر سنا رہی تھی۔

وہ کہتا تھا کہ علماء سے کوئی فتویٰ لے لیتے ہیں، مگر میرا دل نہیں مانا، میں نے سوچا کہ کچھ وقت اور انتظار کر لیتے ہیں۔ اور پھر تم ہوش میں آ گئیں۔ سو اس نے ڈائیورس پیپر سائن کر دیے۔ مجھے پروپوز کرنے سے قبل ہی وہ تمہیں ڈائیورس دینے کا فیصلہ کر چکا تھا، اگر یہ ضروری نہ ہوتا وہ تب بھی ایسے ہی کرتا، کیونکہ وہ یہ شادی رکھنے کو راضی نہیں تھا۔"

وہ بہت مطمئن اور سکون سے میز سے ٹیک لگائے کھڑی اس کے بارے میں ان کہے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔

"میں نے اس کا پروپوزل اس لیے قبول کر لیا کیونکہ طلاق کے بعد اس کو بھی کسی نہ کسی سے شادی کرنی تھی اور مجھے بھی اور چونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سے جانتے اور سمجھتے تھے، سو اس کا پروپوزل میرے لیے بہترین چوائس تھا۔ میں اس کو تمہارے ساتھ تعلق قائم رکھنے پہ مجبور نہیں کر سکتی تھی، نہ ہی وہ کسی کی مانتا۔ سو شرعی لحاظ سے میرے پاس پروپوزل قبول کرنے کا حق تھا سو میں نے وہ استعمال کیا۔"

اس کے پاس دلائل تھے، توجیہات تھیں، ٹھوس اور وزنی شرعی سہارے تھے۔ محمل خاموشی سے اس کی ساری باتیں سنتی رہی، وہ ذرا دیر کو چپ ہوئی تو اس نے لب کھولے۔

"اور جب ہمایوں نے آپ سے میرے اور فواد کے تعلق کی نوعیت اور تصاویر کے بارے میں پوچھا تھا، تب آپ نے کیا کہا تھا؟" اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔

وہ ہی جو سچ تھا۔" وہ اب بھی پر سکون تھی۔ "اس کو معیز نے کچھ تصویریں اور وہ ایگریمنٹ لا کر دکھایا تھا جو ہم نے فواد سے طے کیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ تم نے اس بارے میں ہمایوں کو بتا دیا ہو گا، میں نے اس کے غصے کے ڈر سے خود نہیں بتایا تھا۔ مگر تم نے بھی نہیں بتایا تو اس کا غصہ کرنا لازمی تھا۔ اس نے مجھے بلایا، پھر وہ مجھ پہ چیخا، چلایا، میں چپ کر کے سنتی رہی، اس نے پوچھا کہ یہ ایگریمنٹ سچا ہے یا جھوٹا۔ میں نے سچ بولا۔ وہ غصے سے چلاتا رہا، اسے دکھ تھا کہ ہم نے اس پہ ٹرسٹ نہیں کیا۔ پھر اس نے وہ تصویریں مجھے دکھائیں اور پوچھا کہ وہ سچ ہیں یا جھوٹ؟ میں نے سچ ہی بولا۔

"کیا بولا؟" محمل نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "یہ ہی کہ مجھے معلوم نہیں اور مجھے واقعی معلوم نہیں تھا۔"

اور وہ اسے دیکھتی رہ گئی، یہ فرشتے کا سچ تھا؟

پھر اس نے پوچھا کہ معیز جو باتیں اسے بتا گیا ہے وہ سچ ہیں یا جھوٹ؟ وہ اسے یہ بتا کر گیا تھا کہ تمہارا اور فواد کا افیر تھا اس رات فواد نے تمہیں پروپوز کرنا تھا، کوئی رنگ بھی دی تھی غالباً اور پھر اس نے تمہیں بہانے سے ہمایوں کے گھر بھیج دیا۔ اس رنگ کا ذکر فواد کی اس فون کال میں بھی تھا جو ہمایوں نے ٹیپ کی تھی۔ یہ بات اس نے پہلے اگنور کی، پھر ظاہر ہے معیز نے یاد دلایا تو وہ الجھ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے سچ بولا۔"

اب کی بار وہ خاموش رہی۔ اس نے نہیں پوچھا کہ فرشتے کا سچ کیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ کیا کہنے جا رہی ہے۔ "میں نے اسے بتا دیا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی، نہ ہی تم نے کبھی مجھے اس معاملے میں رازدار بنایا ہے۔"

اس نے اس رات کے متعلق پوچھا تو میں نے سچ سچ بتایا کہ فواد تمہیں پروپوز کرنے کے بہانے سے ہی ڈنر پہ لے کر جا رہا تھا۔ تم نے مجھے یہ ہی بتایا تھا، سو میں نے اس کو بتا دیا۔"

وہ چپ چاپ یک ٹک سامنے کھڑی مطمئن سی لڑکی کو دیکھتی رہی جس کے چہرے پہ ملال تک نہ تھا۔ وہ اس کا ایک راز تک نہیں سنبھال سکی تھی۔

وہ سچ کیسے ہو سکتا ہے، جس میں کسی امانت کا خون شامل ہو؟ وہ تو اسے جانتی تھی، وہ اس کی بہن تھی، کیا وہ اس کی پردہ پوشی نہیں کر سکتی تھی؟ فواد نے کبھی نہیں کہا تھا کہ وہ اسے پروپوز کرنے جا رہا ہے۔ یہ سب تو اس نے خود اخذ کیا تھا۔ اس سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ وہ سمجھی تھی کہ وقت کی دھول نے اس ایک غلطی کو دبا دیا ہو گا، مگر لڑکیوں کی کچی عمر کی نادانیاں اتنی آسانی سے کہاں دبتی ہیں۔

"اس ٹیپ میں کسی رنگ کا بھی ذکر تھا۔ ہمایوں نے اسے بار بار سنا، پھر اس نے اپنا ٹرانسفر کراچی کروا لیا۔" وہ اب کھڑکی سے باہر لان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہاں کراچی میں اسے آرزو ملی۔ اس کے فادر کی ڈیتھ کے بعد کریم چچا اور غفران چچا نے اس کا حصہ بھی دبا لیا تھا۔ سو اس نے سوچا کہ ایک تیر سے دو شکار کرتے ہیں۔ اس نے فواد سے تمہارا اور میرا سائن کردہ کاغذ لیا اور معیز کے ہاتھوں ہمایوں کو بھجوایا۔ فواد، آرزو کو پسند کرنے لگا تھا، وہ اب اس سے شادی کرنا چاہتا تھا، وہ اسے اپنانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ مگر آرزو کو ہمایوں بہتر لگا، سو اس نے چاہا کہ ہمایوں تمہارا حصہ قانونی طور پہ آغا کریم سے واپس لے، اس کا حصہ لینے میں بھی مدد کرے، تا کہ جب وہ ہمایوں سے شادی کرے تو تمہارے حصے

پہ بھی وہ قابض ہو سکے جو ہمایوں کی ملکیت میں ہو گا، اور نیچرلی، تمہارے بارے میں وہ پر یقین تھی کہ تم کبھی نہیں اٹھو گی۔"

بادل ایک دفعہ پھر زور سے گرجے، دور کہیں بجلی چمکی، شام کی نیلاہٹ سارے میں بھر رہی تھی۔

وہ ابھی تک خاموشی سے فرشتے کو سن رہی تھی۔

"مگر ہمایوں کو فواد سے ضد ہو گئی تھی۔ صرف اس لیے کہ فواد آرزو کو پسند کرتا ہے، اس نے آرزو کو اپنے قریب آنے دیا۔ فواد ہمایوں کی منتیں کرتا رہا کہ وہ آرزو کو چھوڑ دے، مگر ہمایوں اس سے اپنے سارے بدلے چکانا چاہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فواد نے اس کی محبت کو اس سے چھینا ہے، وہ بھی اس کی محبت کو ویسے ہی چھینے گا۔ وہ آرزو سے کبھی بھی شادی نہیں کر رہا تھا، مگر اس نے آرزو کو دھوکے میں رکھا۔ ابھی مجھے ڈراپ کر کے وہ آرزو کے پاس ہی گیا ہے، اس کو یہ بتانے کہ جیسے وہ اس کو استعمال کر رہی تھی، وہ بھی ویسے ہی اسے استعمال کر رہا تھا۔ شدت پسند لڑکی ہے، غصے میں کیا کر ڈالے۔ مگر جو بھی ہو، وہ آج اسے آئینہ دکھا کر ہی واپس آئے گا۔"

کھڑکی کے بند شیشے پہ کسی اڑتی چڑیا نے زور کی چونچ ماری، پھر چکرا کر پیچھے کو گری، بادل وقفے وقفے سے گرج رہے تھے۔

"شاید تم یہ سمجھو کہ میں نے تمہارے ساتھ برا کیا ہے یا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن تم یہ سوچو کہ میں پھر اور کیا کرتی؟ میں ہمایوں سے محبت کرتی تھی اور کرتی ہوں۔ مگر جب مجھے لگا کہ تم دونوں ایک دوسرے

کو چاہتے ہو تو میں درمیان سے نکل گئی، لیکن اب وہ تمہیں نہیں چاہتا، اور مجھے بھی کسی نہ کسی سے شادی تو کرنی تھی۔ مجھے بتاؤ میں نے غلط کیا؟

میرے دین نے مجھے پرپوزل سلیکٹ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ سو میں نے اسے استعمال کیا۔ تم کسی بھی مفتی سے پوچھ لو، اگر

کوئی عورت، شوہر کی ضروریات پوری کرنے کے قابل نہ رہی ہو تو شوہر دوسری شادی کر سکتا ہے، اور اس میں کسی کی حق تلفی کی کوئی بات نہیں ہے۔ نہ ہی قطع رحمی کا عنصر

شامل ہے، یاد کرو، سورہ نساء میں ہم نے کیا پڑھا تھا کہ اگر کوئی ایک حقوق ادا نہ کر سکے تو پھر اپنے حقوق چھوڑ دے، الگ ہو جائے کہ اللہ دونوں کے لئے وسعت پیدا کر دے گا۔"

اپنے مطلب کی آیات اسے آج بھی یاد تھیں۔

آئی ہوپ کہ اب تمہاری کنفیوژن اور اعتراضات دور ہو گئے ہوں گے۔ میں نے سات سال تمہاری خدمت کی، حالانکہ یہ میرا فرض نہیں تھا، مگر اس لئے کہ تم کبھی یہ نہ سمجھو کہ میں

تم سے پیار نہیں کرتی۔ میں آج بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ تم نے ایک دفعہ مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ضرورت پڑنے پہ تم میرے لئے اپنا حق چھوڑ دوگی، فواد نے تمہاری گردن پہ

پستول رکھا تھا، تمہیں بچانے کے لئے میں نے اپنا حق چھوڑا تھا۔ یہ باتیں میں نے آج کے دن کے لئے سنبھال رکھی تھیں، تا کہ آج میں تم سے تمہارے وعدے کی وفا مانگ سکوں۔"

وہ خاموش ہو گئی، اب وہ محمل کے بولنے کی منتظر تھی۔

محمل چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے لب کھولے۔

"آپ نے کہہ دیا جو آپ نے کہنا تھا؟"

"ہاں۔"

کیا اب آپ میری سنیں گی؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔"

"ہاں۔"

تو پھر سنئیے، اعوذباللہ من الشیطن الرجیم۔" اس نے تعوذ پڑھا تو فرشتے نے ذرا الجھ کر اسے دیکھا۔ مگر وہ رکی نہیں تھی، بہت دھیمے، مگر مضبوط لہجے میں وہ عربی میں اسے کچھ سنانے لگی تھی۔ وہ عربی جو ان دونوں کی سمجھ میں آتی تھی۔

"اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، شائد کہ وہ پلٹ آئیں۔۔۔ شائد کہ وہ پلٹ آئیں۔"

فرشتے کی آنکھوں میں الجھا سا تاثر ابھرا۔ محمل بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پڑھتی جا رہی تھی۔

ان لوگوں کو اس شخص کی خبر پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیات دی تھیں۔ جس کو ہم اپنی "آیات" دی تھیں۔ پھر وہ ان سے نکل بھاگا تو اس کے پیچھے شیطان لگ گیا، تو وہ

"گمراہوں میں سے ہو گیا۔

"فرشتے کی بھوری آنکھوں میں بے چینی ابھری تھی۔ "محمل! میری بات سنو۔

مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ پتلیوں کو حرکت دیئے بنا نگاہیں اس پہ مرکوز کئے کہتی جارہی تھی۔

تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔" اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ "اور اگر ہم چاہتے تو اسے ان ہی آیات کے ساتھ

"بلندی عطا کرتے، لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔

محمل چپ کرو۔" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی، مگر محمل کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔"

لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ تو اس کی مثال کتے جیسی ہے۔ تو اس"

"کی مثال کتے جیسی ہے۔

"اگر تم اس پر حملہ کرو تو وہ زبان باہر نکالتا ہے، یا تم اس کو چھوڑ دو، تو بھی وہ زبان باہر نکالتا ہے۔"

خاموش ہو جاؤ! خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ!" اس نے تڑپ کر محمل کے منہ پہ ہاتھ رکھنا چاہا، اس کا دوپٹہ"

کندھوں سے پھسل گیا تھا، کھلے بال شانوں پہ آ گرے تھے۔

محمل نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ اسی میکانکی انداز میں اسے دیکھتی پڑھتی جارہی تھی۔

اللہ جسے ہدایت بخشے، بس وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ بھٹکا دے، بس وہی لوگ خسارہ پانے والے"

"ہیں۔

اس کے ہاتھ بے دم ہو کر اپنی گود میں آ گرے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی، گھٹنوں کے بل اس

کے قدموں میں گری تھی۔

بے شک ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جنوں میں سے اور بہت سے انسانوں میں سے پیدا کئے۔ ان کے لئے"

دل ہیں۔ وہ ان سے کچھ نہیں بھی سمجھتے اور ان کے لئے آنکھیں ہیں، وہ ان سے

کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ اور ان کے لئے کان ہیں۔ وہ ان سے کچھ بھی نہیں سنتے۔ یہی لوگ مویشیوں کی طرح ہیں،

بلکہ یہ تو زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں،

جو غافل ہیں، جو غافل ہیں۔" وہ کسی معمول کی طرح بار بار وہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

فرشتے سفید چہرہ لئے بے دم سی بیٹھی تھی۔ اس کے لب ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔ محمل نے آہستہ سے پلک

جھپکی تو دو آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گرے۔

"اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، شائد کہ وہ پلٹ آئیں!"

اس نے وہیل چئیر کے دونوں پہیوں کو دونوں اطراف سے تھاما اور اس کا رخ کھڑکی کی طرف موڑا وہ آہستہ

آہستہ وہیل چئیر کو کھڑکی کی طرف بڑھانے لگی۔

فرشتے پیچھے بیٹھی رہ گئی۔ محمل نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا۔ وہ ابھی پلٹنا نہیں چاہتی تھی۔

اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، شائد کہ وہ پلٹ آئیں۔" وہ کھڑکی کے پار دیکھتے"

ہوئے زیر لب بڑبڑائی تھی۔

فرشتے سے مزید کچھ سنا نہیں گیا۔ وہ تیزی سے اٹھی، اور منہ پہ ہاتھ رکھے بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔ محمل اسی

طرح نم آنکھوں سے باہر چمکتی بجلی کو دیکھتی رہی۔

****

وہ تب بھی کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی جب ہمایوں کی گاڑی اندر آئی۔ اور تب بھی، جب رات ہر سو چھا گئی۔ اس کی اس گھر میں آخری رات۔۔۔ وہ اسے سکون سے گزارنا چاہتی تھی۔ تب اس نے بلقیس کو بلوایا جس نے اسے بستر پر لیٹنے میں مدد دی۔ پھر وہ آنکھوں پہ بازو رکھے، کب گہری نیند میں چلی گئی، اسے پتہ ہی نہ چلا۔

اس کے ذہن میں اندھیرا تھا، گھپ اندھیر جب اس نے وہ آواز سنی۔ تاریکی کو چیرتی، مدھر سی آواز۔ اپنی جانب کھینچتی آواز۔

محمل نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔

کمرے میں نائٹ بلب جل رہا تھا۔ کھڑکی کے آگے پردے ہٹے تھے۔ وہ رات کے وقت شیشے کے پٹ کھول کر رکھتی تھی تا کہ جالی سے ہوا اندر آئے۔ وہیں باہر سے کوئی آواز آ رہی تھی۔

اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ ہاتھ مارا، اور بٹن دبایا۔ ٹیبل لیمپ فوراً جل اٹھا۔ روشنی سامنے دیوار گیر گھڑی پہ پڑی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ مدھم سی، دکھ بھری آواز ابھی تک آ رہی تھی۔

اس نے رک کر سننا چاہا۔ لفظ کچھ کچھ سنائی دینے لگے تھے۔

"الھم جعل فی قلبی نوراً"

(اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے)

محمل نے بے اختیار سائیڈ ٹیبل پہ رکھی بیل پر ہاتھ مارا۔

"وفی بصری نوراً"

(اور میری بصیرت میں نور ہو)

بلقیس تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آئی تھی۔ محمل کی وجہ سے وہ کچن میں ہی سوتی تھی۔

"جی بی بی؟"

مجھے بٹھادو، بلقیس!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں وہیل چیئر کی طرف اشارہ کیا۔ بلقیس سر ہلا کر آگے بڑھی"

تب ہی کھڑکی کے اس پار سے آواز آئی۔

"وفی سمعی نوراً"

(اور میری سماعت میں نور ہو)

بلقیس چونک کر کھڑکی کو دیکھنے لگی، پھر سر جھٹک کر اس کی طرف آئی۔

"وعن یمینی نوراً وعن یساری نوراً"

(اور میرے دائیں جانب اور بائیں جانب نور ہو)

بہت احتیاط سے بلقیس نے اسے وہیل چیئر پہ بٹھادیا۔

اب تم جاؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔ بلقیس سر ہلاتی متذبذب سی واپس پلٹی۔"

"وفوقی نوراَو تحتی نوراً "

(اور میرے اوپر اور نیچے نور ہو)

مدھم چاندنی کی چاشنی میں ڈوبی آواز ہر شے پہ چھا رہی تھی۔ محمل نے وہیل چئیر کا رخ باہر کی جانب موڑا۔

"وامامی نوراَو خلفی نوراً "

اور میرے آگے پیچھے نور ہو) آواز میں اب آنسو گرنے لگے تھے۔

وہ وہیل چئیر کو بمشکل گھسیٹتی باہر لائی۔

"وجعل لی نوراً "

(اور میرے لئے نور بنا دے)

چاندنی میں ڈوبا بر آمدہ سنسان پڑا تھا۔ وہ مترنم، غم زدہ آواز لان سے آ رہی تھی۔

"وفی لسانی نوراَو عصبی نوراً"

(اور میری زبان اور اعصاب میں نور ہو)

اس نے سوز میں پڑھتے ذرا سی ہچکی لی۔

محمل آہستہ آہستہ بر آمدے کی آرام دہ ڈھلان سے نیچے وہیل چئیر کو اتارنے لگی۔ یہ ڈھلان فرشتے نے ہی اس کے لئے لگوائی تھی۔

"ولحمی نوراًودمی نوراً"

(اور میرے گوشت اور لہو میں نور ہو)

لان کے آخری سرے پہ دیوار سے ٹیک لگائے ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کا سر نڈھال سا دیوار سے ٹکا تھا۔

آنکھیں بند تھیں جن سے قطرہ قطرہ آنسو ٹوٹ کر رخسار پہ گر رہے تھے۔

لمبے بھورے بال شانوں پہ پڑے تھے۔

"وشعری نوراًوبشری نوراً"

(اور میرے بال و کھال میں نور ہو)

محمل وہیل چئیر کو گھاس پہ آگے بڑھانے لگی۔ گھاس کے تنکے پہیوں کے نیچے چرمرانے لگے تھے۔

"واجعل لی نفسی نوراًواعظم لی نوراً"

(اور میرے نفس میں نور ہو اور میرے لئے نور کو بڑھا دے)

وہ اسی طرح آنسو بہاتی بند آنکھوں سے، بے خبر سی پڑھتی جا رہی تھی۔

محمل وہیل چئیر اس کے بالکل سامنے لے آئی۔

"الھم اعطنی نوراً"

(اے اللہ! مجھے نور عطا کر دے)

چاندنی میں اس کے آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

فرشتے!" اس نے ہولے سے پکارا۔"

فرشتے کی آنکھوں میں جنبش ہوئی۔ اس نے پلکیں جدا کیں اور محمل کو دیکھا۔ وہ شائد بہت روئی تھی۔ اس کی آنکھیں متورم، سرخ تھیں۔

کیوں رو رہی ہیں؟" اس کے اپنے آنسو گرنے لگے تھے۔ یہ وہ لڑکی تھی جس نے اسے قرآن سنایا تھا، قرآن" پڑھایا تھا۔ اس کی جان ان لوگوں سے چھڑائی تھی، سات سال اس کی خدمت کی تھی۔ بہت احسان تھے اس کے محمل پہ۔ اور آج اس نے اسے رلا دیا۔۔۔

"مجھے رونا ہی تو چاہیے۔" وہ سر اٹھا کر چاند کو دیکھنے لگی۔ "میں نے بہت زیادتی کی ہے محمل، بہت زیادتی۔"

وہ خاموشی سے اس کو سنے گئی۔ شائد ابھی فرشتے نے بہت کچھ کہنا تھا، وہ سب جو وہ پہلے نہیں کہہ سکی۔

میں نے سات سال توجیہات جوڑیں، دلیلیں اکٹھی کیں، اور تم نے سات آئیتوں میں انھیں ریت کا ڈھیر بنا دیا۔ میں نے خود کو بہت سمجھایا تھا۔ بہت یقین دلایا تھا کہ یہی صحیح ہے

مگر آج میرا یقین ٹوٹ گیا ہے۔ محمل میں خود غرض ہو گئی تھی، کتے کی طرح خود غرض، جو ہڈی نہ ڈالنے پر بھی "زبان نکالتا ہے۔

اس کی اور چاند کو تکتی آنکھوں سے قطرے گر رہے تھے۔

کبھی تم نے میری چاندنی کی وہ انگوٹھی دیکھی ہے محمل؟ تم نے کبھی نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کس نے دی تھی؟ وہ" مجھے میری خالہ نے دی تھی۔ وہ انھوں نے اپنی بہو کے لئے

رکھی تھی، اور اپنی وفات سے قبل بہت بیمار تھیں، انھوں نے وہ مجھے پہنادی۔ میری امی انکا مطلب سمجھتی تھیں مگر خاموش رہیں۔ وہ وقت آنے پر ہمایوں سے بات کرنا چاہتی

تھیں، مگر وقت نہیں آیا۔ آ ہی نہیں سکا۔ امی فوت ہوئیں تو میں چپ چاپ مسجد چلی گئی۔ میں برسوں انتظار کرتی رہی کہ ہمایوں کبھی تو اس انگوٹھی کے بارے میں پوچھے گا،

مگر اس نے نہیں پوچھا۔ پھر میں نے صبر کر لیا مگر انتظار تو مجھے تھا۔ میں نے بچپن سے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام سنا تھا، مجھے اس پہ اپنا ہی حق لگتا تھا۔ اور جب ایک روز

ہمایوں نے مجھے کہا کہ مجھے شادی کے بارے میں سوچنا چاہیئے، تو میں نے اس کو خالہ کی خواہش کا بتانے کے بارے میں سوچا۔

اس رات میں بہت دیر تک مسجد کی چھت پہ بیٹھی رہی تھی، اور جب میں فیصلہ نہ کر پائی تو دعائے نور پڑھنے لگی۔ تمہیں پتہ ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کا

ایک حصہ سجدے میں پڑھا کرتے تھے؟ اور یہ دعا قرآن سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ میں جب بھی فیصلہ نہ کر پاتی، اس دعا کو پڑھتی۔ اس رات بھی میں پڑھ کر ہٹی ہی تھی کہ تم

ہماری چھت پر آئیں، اور پھر تم ہماری زندگی میں بھی آ گئی۔

میں نے آج تک تمہارے لئے جو بھی کیا ہے، وہ اللہ کے لئے کیا تھا۔ مجھے یاد بھی نہیں کہ میں نے کیا کیا تھا، پھر جب میں نے ہمایوں کو تمہارے لئے مسکراتے ہوئے دیکھا اور

تمہارے لئے اس کی آنکھوں کو چمکتے دیکھا تو میں نے سوچا کہ تمہیں آگاہ کر دوں اور تمہیں یاد ہے جب ہسپتال
میں تم ہمایوں کو دیکھنے آئی تھی، تو میں تمہیں بتانے ہی
والی تھی۔ مگر تم نے نہیں سنا، تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں پیچھے ہٹ جاؤ نگی۔ قربانی دے دو نگی۔ تب میرا
جینا، اور میرا مرنا، میری نماز اور میری قربانی سب اللہ کے لئے
تھی۔ میں نے ہر چیز بہت خلوصِ دل سے کی۔ خود تمہاری شادی کرائی اور اپنے تین میں مطمئین تھی۔
لیکن۔۔۔
جب تمہارا ایکسڈنٹ ہوا اور میں پاکستان واپس آئی تو مجھے پہلی دفعہ لگا کہ شائد تم زندہ نہ رہ سکو اور ہمایوں میرا
نصیب۔۔۔ اور اس سے آگے سوچنے سے بھی میں ڈرنے لگی
تھی۔ سو واپس چلی گئی۔ مگر ہمایوں جب بھی کال کرتا اور تمہاری مایوس کن حالت کی خبر دیتا، مجھے لگتا شائد یہی
تقدیر ہے، شائد تم ہمیں چھوڑ جاؤ، تب ہمایوں میرے پاس
واپس آجائے۔ مجھے لگا میری قربانی قبول ہو گئی ہے۔ اس کا انعام مجھے دیا جانے لگا ہے۔ مجھے بھول گیا کہ وہ
قربانی تو اللہ کے لئے تھی، اللہ کو پانے کے لئے تھی، دنیا کے لئے یا ہمایوں
کے لئے تو نہیں تھی۔ مگر تمہاری طرف سے ہم اتنے مایوس ہو گئے تھے کہ آہستہ آہستہ مجھے سب بھولتا گیا۔
میں ہر نماز میں، ہر روز تلاوت کے بعد ہمایوں کو خدا سے مانگنے لگی۔
"میں آہستہ آہستہ زمیں کی طرف جھکنے لگی تو میرے ساتھ شیطان بھی لگ گیا۔

اس کی اٹھی لمبی گردن پہ آنکھوں سے نکلتے آنسو پھسل رہے تھے۔اس کی نگاہیں ابھی بھی اوپر چاند پہ ٹکی تھیں۔

شائد وہ ابھی محمل کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

جب میں دوبارہ واپس آئی تو اپنی "زمین" کی طرف جھکی ہوئی آئی،اس امید پہ تمہاری خدمت کرنے آئی کہ

شائد یہی دیکھ کر ہمایوں کا دل میری طرف کھینچ جائے۔میری اس انتھک

خدمت میں ریا شامل ہو گئی۔مجھے اس وقت سے ڈر نہیں لگا جب میں حشر کے بڑے دن اپنے رب کے سامنے

اپنے اعمال نامے میں ان بڑی بڑی نیکیوں پہ کاٹا لگے دیکھوں گی کہ یہ تو ریا

کے باعث ضائع ہو گئیں،قبول ہی نہیں کی گئیں۔مجھے ڈر نہیں لگا۔میں ریا کاری کرتی گئی مگر یقین کرو،قرآن

مجھ سے نہیں چھوٹا۔میں تب بھی روز اسے پڑھتی تھی مگر میرا

"جینا مرنا،نماز اور قربانی ہمایوں کے لئے ہو گئی۔

یکدم بادل زور سے گرجے اور اگلے ہی لمحے بارش

کے ٹپ ٹپ قطرے گرنے لگے مگر وہ دونوں بے خبر بیٹھی تھیں۔

پھر ایک دن معیز چلا آیا،اسے آرزو نے بھیجا تھا۔وہ ان گزرے سالوں میں کئی دفعہ ہمایوں سے رابطہ کی

کوشش کر چکی تھی مگر اس نے جب توجہ نہ دی تو اس نے معیز کو بھیجا تھا۔

اس کے پاس تصویریں تھیں اور وہ کاغذ۔ہمایوں نے مجھ سے پوچھا تو کاغذ کی بابت میں نے سچ بولا،مگر جب

اس نے تصویریں میرے سامنے پھینکیں تو میں خاموش ہو گئی۔ مجھے

یقین تھا کہ وہ جعلی ہیں، مگر ٹیکنیکلی۔۔۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ سچ ہیں یا نہیں۔

میرے پاس کوئی ثبوت نہ تھا مگر میرا دل۔۔۔ بار بار کوئی میرے اندر وہ آیت دہرا رہا تھا کہ

"کیوں نہیں تم نے کہا کہ یہ کھلم کھلا بہتان ہے۔"

وہ آیت بھی ایک ایسی محترم ہستی کے لئے نازل ہوئی تھی جس کے اوپر لگے بہتان کی حقیقت سے مومنین بے

خبر تھے، پھر بھی اللہ نے انھیں سرزنش کی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ

کردار کی کتنی سچی ہے، تم نے اس کی حمایت نہیں کی؟

میں ہمایوں کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ وہ میرے اوپر چلا رہا تھا اور مسلسل کوئی میرے اندر کہہ رہا تھا

کہ کہو "ہذا افک مبین" (یہ بہتان ہے کھلم کھلا) میں نے سر اٹھایا

ایک نظر ہمایوں کو دیکھا، وہ ہمایوں جس سے میں نے بہت محبت کی تھی اور پھر میں نے کہہ دیا کہ میں اس

بارے میں لاعلم ہوں۔

تب ایک دم میرے اندر باہر خاموشی چھا گئی۔ وہ آواز آنا بند ہو گئی۔ تب ہمایوں نے معلوم نہیں کہاں سے وہ

ٹیپ نکالی اور مجھے سنوائی۔ اس میں کسی انگوٹھی کا تذکرہ تھا۔ اس

نے معیز کی کہی بات دہرائی کہ کیا اس روز فواد تمہیں پرپوز کرنے کا جھانسہ دے کر باہر لے کر گیا تھا؟ تب پھر

سے کسی نے میرے اندر کہا۔

"اللہ خیانت کار کی چال کی راہنمائی نہیں کرتا۔"

مگر اب وہ آواز کمزور پڑ چکی تھی۔ مجھے امانت کے سارے سبق بھول گئے۔ میں نے اسے وہ بتا دیا جو تم نے مجھے بتایا تھا۔ تب وہ مجھ پہ بہت چیخا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنی بہن کو بچانے کے لئے اس کے سر تھوپ دیا ہے۔ اس نے بہت مشکل سے دل بڑا کر کے اس بات کو نظر انداز کیا کہ تم کس طرح پہلی دفعہ اس کے گھر لائی گئی تھی۔ مگر یہ بات کہ فواد کا اور تمہارا کوئی افیر تھا، اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ میرے ایک فقرے نے ہر چیز پہ تصدیق کی مہر لگا دی۔ وہ مجھ پہ کبھی ایسے نہیں برساتھا جیسے اس رات برسا تھا۔ میں ساری ات روتی رہی۔ نا معلوم غم کس بات کا زیادہ تھا۔ خیانت کا یا ہمایوں کے رویے کا۔ میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا مگر ہمایوں نے اگلی صبح مجھ سے ایکسیکوز کر لیا۔ میں چپ چاپ سنتی رہی۔ تب آخری دفعہ میرے دل سے آواز آئی کہ اس کو بتا دو کہ تم نے جھوٹ بولا تھا۔ مگر میں چپ رہی میں نے خواہشات کی پیروی میں چلنا شروع کر دیا اور میں بھٹک گئی۔ وہ کراچی چلا گیا اور میں کئی دن تک تمہیں دیکھنے ہسپتال نہیں جا سکی۔ پھر میں مسجد بھی نہیں جا سکی۔ جس دن میں نے خیانت کی، محمل اس دن سے آج کے دن تک تین، ساڑھے تین سال ہونے کو آئے ہیں، میں قرآن نہیں کھول پائی۔ ہاں نمازیں میری آج بھی ویسی ہی لمبی ہیں، میں سجدوں میں گر کر ہمایوں کو اب بھی مانگتی ہوں، مگر قرآن پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔"

بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ فرشتے کے بھورے بال بھیگ چکے تھے۔ موٹی موٹی، گیلی لٹیں، چہرے کے اطراف میں چپک گئی تھیں۔ وہ ابھی تک اوپر چاند کو دیکھ رہی تھی۔

وہ کراچی سے آیا تو بدل گیا تھا۔ پھر ایک روز اس نے مجھے پرپوز کیا۔ اچانک بالکل اچانک سے اور مجھے لگا" میری ساری قربانیاں مستجاب ہو گئی ہیں۔ پھر مڑ کر پیچھے

دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ تم سے بہت بدظن ہو چکا تھا مگر میں نے اسے مجبور کیا، کہ وہ تمہارا علاج کرانا نہ چھوڑے۔"

موسلادھار بارش میں بار بار بجلی چمکتی تو پل بھر کو سارا لان روشن ہو جاتا۔

فواد نے کئی دفعہ فون کر کے تمہارا پوچھنا چاہا، میں نے اسے کبھی کچھ نہیں بتایا، بس اس کی بات سن کر کچھ کہے بنا ہی بند کر دیتی۔ وہ بہت بدل گیا ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ اگر

ایک دفعہ اسے اس سارے کھیل کا علم ہو گیا تو وہ ہمایوں کے پاس آ کر اسے سب بتا دے گا۔ مشکل ہی تھا کہ ہمایوں اس کا یقین کرے مگر اس ڈر سے میں نے اسے کبھی کچھ پتا

نہیں لگنے دیا۔"

"مجھے ہمایوں نہیں چاہیے فرشتے!" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔ "مجھے اپنی بہن چاہیے۔"

مجھے بھی ہمایوں نہیں چاہیے مجھے بھی اپنی بہن ہی چاہیے!" اس نے بھیگی آنکھوں کا رخ پہلی دفعہ محمل کے" چہرے کی طرف کیا۔ محمل نے اس کے گھٹنوں پہ رکھے ہاتھ پکڑ

لئے۔ ان میں آج چاندی کی وہ انگوٹھی نہیں تھی۔

بارش زور سے ان دونوں پہ برس رہی تھی۔

"میں نے فواد کو فون کر دیا ہے۔ وہ پہنچنے والا ہو گا۔ وہ خاصا سمجھ دار بندہ ہے، ایسے ثبوت لائے گا کہ ہمایوں اسے جھٹلا نہ سکے گا۔ وہ ابھی آ کر ہمایوں کو سب کچھ بتا دے گا، ابھی کل دوپہر میں خاصا وقت ہے۔ تمہاری عدت ختم نہیں ہوئی۔ میں جانتی ہوں کہ وہ حقیقت جان کر رہ نہیں سکے گا اور تمہیں واپس اپنائے گا۔ آؤ، اندر چلتے ہیں۔"

فرشتے نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالے، اٹھی اور پھر وہیل چیئر کی پشت تھام لی۔

"بس مجھ پہ ایک احسان کرنا۔ ہمایوں کو مت بتانا کہ میں نے خیانت کی۔ میں اس کی نظروں سے گرنا نہیں چاہتی۔ بظاہر میں نے جھوٹ نہیں بولا مگر مجھے تمہارا راز نہیں کھولنا چاہیے تھا۔ میں اس سے کہہ دونگی کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی، میں فواد کے سامنے تمہاری تائید کرونگی، مگر تم۔ تم میری عزت رکھ لینا۔ وہ جانتا ہے کہ فرشتے جھوٹ نہیں بولتی، خیانت نہیں کرتی۔ اس نے ان تصویروں پہ نہیں، مجھ پہ یقین کر کے تمہیں طلاق دی تھی۔ تم میری عزت رکھ لینا۔"

وہ اس کی ویل چیئر دھکیلتی آہستہ آہستہ بے خود سی کہہ رہی تھی۔ محمل نے سر جھکا لیا۔ وہ فرشتے کو نہیں بتا سکی کہ آج وہ پھر زمین کی طرف جھک رہی ہے مگر اسے

پتہ نہیں ہے۔

تم ہمایوں کو واپس لے لو محمل۔ وہ تمہارا ہے، اسے تمہارا ہی رہنا چاہیئے۔" وہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ
کر پلٹ گئی۔

****

کمرے میں اسی طرح نیم اندھیرا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے۔ ٹیبل لیمپ ابھی تک جل رہا تھا۔ وہ خود کو
گھسٹیتی آگے بڑھی اور لیمپ کا بٹن بجھایا۔ ایک دم کمرے میں
اندھیرا پھیل گیا۔ بس کھڑکی کے پار بارش کے قطرے گرتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ وہیں کھڑکی کے
سامنے بیٹھی برستی بارش کو دیکھے گئی۔
انسان جس سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، اللہ اسے اسی کے ہاتھوں سے توڑتا ہے، انسان کو اس ٹوٹے"
ہوئے برتن کی طرح ہونا چاہیئے جس سے لوگوں کی محبت آئے اور باہر
"نکل جائے۔
اللہ نے اسے ان ہی لوگوں کے ہاتھوں توڑا تھا جن سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتی تھی۔ ہمایوں، فرشتے اور

تیمور!

تب ہی گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ خاموشی سے دیکھتی رہی۔

وہ گاڑی بار بار ہارن بجا رہی تھی۔ تب اس نے برستی بارش میں ہمایوں کو گیٹ کی طرف جاتے دیکھا۔ اس نے گیٹ کھولا تو ایک گاڑی زن سے اندر داخل ہوئی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر وہ تیزی سے باہر نکلا تھا، وہ فواد ہی تھا وہ پہچان گئی تھی۔

وہ ویسا ہی تھا، بس آنکھوں پہ فریم لیس گلاسز تھے اور بالوں کا کٹ زیادہ چھوٹا تھا۔

کیا ہمایوں اس کی بات سن لے گا؟ کبھی بھی نہیں! تب ہی فواد نے لپک کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور کسی کو بازو سے کھینچ کر باہر نکالا۔ محمل دھک سے رہ گئی، وہ معیز تھا۔

پتلا، لمبا نوجوان جس کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔ فواد اس کو پکڑ کر ہمایوں کے سامنے لایا جو قدرے چونکا ہوا کھڑا تھا۔

برستی بارش کا شور بہت تیز تھا۔ ان کی باتوں کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ تینوں بارش میں بھیگتے کھڑے تھے۔ فواد زور زور سے کچھ کہہ رہا تھا۔ ہمایوں سینے پہ ہاتھ باندھے صرف خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کی محمل کی طرف پشت تھی۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اور تب اس نے معیز کو ہاتھ جوڑے دیکھا۔ شائد اس کے چہرے پہ بارش کے قطرے تھے یا شائد وہ رو رہا تھا۔ اور روتے ہوئے، وہ کچھ کہتے ہوئے ہمایوں سے معافی مانگ رہا تھا۔

اور تب اس نے فرشتے کو باہر آتے دیکھا وہ بھی کچھ کہہ رہی تھی۔

محمل نے ہاتھ بڑھا کر پردہ برابر کر دیا۔ وہ اس منظر کو اب مزید نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

کتنی ہی دیر بعد اس نے فرشتے کی آواز سنی، وہ فواد اور معیز کو ادھر لا رہی تھی۔

اس کے کمرے کا دروازہ کھلا، محمل کی اس طرف پشت تھی۔

محمل!" فواد کی بھرائی ہوئی آواز اسے سنائی دی۔ "معیز نے ہمایوں کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اگر مجھے پہلے پتہ ہوتا تو۔۔۔ محمل ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی۔"

آپا ہمیں معاف کر دو!" وہ معیز تھا، وہ رو رہا تھا۔ "آماں اور آرزو آپا نے مجھے یہ سب کرنے کو کہا تھا۔ "آپا" اماں بہت بیمار ہیں۔ وہ اب پہلے جیسی نہیں رہیں۔ وہ سارا دن چیختی چلاتی ہیں۔۔۔ آپا۔۔۔ ہمیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور کوئی دھیمے سے اس کے اندر بولا تھا۔

"پس تم یتیم کے ساتھ سختی نہ کرنا۔"

آپا! آرزو آپا نے خودکشی کر لی ہے۔ آج ہمایوں بھائی نے ان کو ریجیکٹ کر دیا تھا۔ اماں سنبھل نہیں پا رہی ہیں۔ ہمیں بد دعا مت دینا آپا۔"

"جاؤ معیز! میں نے تمہیں معاف کیا، سب کچھ معاف کیا۔"

وہ کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"آپا دعا کرو آرزو آپا بچ جائیں۔ ان کے لئے بددعا مت کرنا"

میں دعا کرونگی، تم جاؤ معیز، ان کا خیال رکھنا۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے، بلکہ تم نے تو مجھے انسانوں کی محبت اور وفا کی حقیقت دکھائی ہے۔ تمہارا شکریہ معیز۔

"تم جاؤ

اور وہ ویسے ہی الٹے قدموں پلٹ گیا۔

کیا تم ہمیں معاف کر سکتی ہو محمل؟" وہ شکست خوردہ، ٹوٹا ہوا شخص آغا فواد ہی تھا۔

میں نے معاف کیا، سب معاف کیا۔" وہ اب بھی پیچھے نہیں مڑی تھی۔"

آغا جان کو آدھے جسم کا فالج ہو گیا ہے۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ ممی ان کے غم کی وجہ سے نہ زندوں میں رہی ہیں، نہ مردوں میں۔ سدرہ کے شوہر کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"

اور اس کے وہ خاندانی سسرال والے اس کو میکے نہیں آنے دیتے۔ وہ اور اس کے یتیم بچے اپنے گھر میں اس سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں جو تم نے اور مسرت چچی نے گزاری

تھی۔ مہرین کو۔۔۔"

مجھے کچھ مت بتائیں فواد بھائی۔ پلیز، میں نے معاف کیا۔ سب معاف کیا۔ مجھے یہ سب بتا کر اور دکھ نہ دیں۔"

مجھے ابھی اکیلا چھوڑ دیں۔" اس کے نرم لہجے میں منّت تھی۔

ٹھیک ہے۔ اور یہ۔ تمہارا حصہ ہے ان تمام سالوں کے منافع سمیت۔ فرشے کا حصہ میں اسے ادا کر چکا ہوں۔"

ہو سکے تو ہمارے لئے دعا کرنا۔" وہ ایک فائل اور ایک مہر بند

لفافہ اس کے بیڈ کی پائینتی پر رکھ کر واپس مڑ گیا تھا۔

محمل نے گردن پھیر کر دیکھا۔ وہ سر جھکائے، نادم و شکستہ حال جا رہا تھا۔ وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ آغا فواد کا کیا انجام

ہوا؟ مگر یہ دنیا انجام کی جگہ تھوڑی ہے؟ یہ تو امتحان

کی جگہ ہے۔ اپنے گناہ نظر آنا بھی امتحان ہے۔ اصل فیصلہ تو روزِ حساب ہی ہو گا۔

اس کے بیڈ کی پائینتی پر چند کاغذ رکھے تھے۔ وہ کاغذ جو کبھی اس کی زندگی کا محور تھے مگر آج اس نے ان پر

دوسری نظر بھی نہیں ڈالی تھی۔ ان ہی کاغذوں کے لئے اس نے

فواد کا جھانسہ قبول کیا تھا، آج فواد نے اسے خود لا دئے تھے مگر کتنی بھاری قیمت تھی اس غلطی کی جو اسے چکانی

پڑی تھی۔

کچی عمر کے کچے سودے۔۔۔

بارش دھیمی ہو چکی تھی۔ کھڑکی کی جالیاں گیلی ہو چکی تھیں۔ ان میں سے مٹی کی سوندھی خوشبو اندر آ رہی تھی۔

بہت دیر تک وہ وہیں بیٹھی خوشبو سونگھتی رہی۔

اسے لاشعوری طور پہ اس کا انتظار تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اب اس کی کمرے میں ضرور آئے گا۔

کافی لمحے بیت گئے تو اس نے چوکھٹ پر آہٹ سنی۔ وہ آہستہ سے مڑی۔

ہمایوں تھکا ہارا سا دروازے میں کھڑا تھا۔ یہ وہ دروازہ تھا جو اس نے محمل کی موجودگی میں کبھی پار نہیں کیا تھا۔ یہ

وہ چوکھٹ تھی جس پہ وہ کبھی سوالی بن کر نہیں آیا

تھا۔ مگر آج وہ آیا تھا۔

اس کے تھکے تھکے ٹوٹے قدم آہستہ آہستہ اندر داخل ہوئے تھے۔

محمل!" ٹوٹی ہوئی آواز میں اس نے پکارا تھا اور پھر وہ پورے قد سے، گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں"

آن گرا تھا۔

مجھے معاف کر دو محمل" اس کی آنکھیں سرخ تھیں، اور چہرے پہ صدیوں کی تھکان تھی۔"

"مجھے معاف کر دو، میں بہت دور چلا گیا تھا۔"

اس نے تاسف سے ہمایوں کو دیکھا۔ پہلے بھی وہ سب اس سے اس کا سب کچھ چھین کر لے گئے تھے، آج بھی وہ

مانگ ہی رہے تھے، مانگنے ہی آئے تھے۔

! ہر ایک کو اپنے ضمیر کے بوجھ سے نجات چاہیے تھی۔ محمل ابراہیم تو کہیں بھی نہیں تھی

میں نے صرف فرشتے کی بات پر۔۔۔ اور آج وہ کہہ رہی ہے کہ تم نے اس سے صرف ایک مسئلہ پوچھا تھا،

"اس نے خود غلط اخذ کیا۔ میں نے صرف فرشتے کی وجہ سے۔

کیا آپ نے پہلے زندگی کے سارے فیصلے فرشتے کے دماغ سے کئے تھے ایس پی صاحب؟" وہ سپاٹ لہجے میں"

بولی تھی۔ "آپ چھوٹے بچے تھے جو یہ نہیں جانتے تھے کہ میرے

رشتہ دار میرے کھلے دشمن ہیں؟ آپ ان پڑھ جاہل تھے جو یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایسی تصویریں تو ہر گلی محلے

"میں بن جاتی ہیں؟

"محمل، یقین کرو، میں"

ایک منٹ ایس پی صاحب! میں نے کئی مہینے صرف آپکی سنی ہے، آج آپ میری سنیں گے۔ آپ کہتے ہیں"

کہ آپ نے فرشتے کے کہے پہ یقین کر لیا؟ آج میں آپ سے پوچھتی ہوں

کہ آپ نے فرشتے سے پوچھا ہی کیوں؟ آپ میری طرف سے اتنے بد گمان تھے کہ آپ کو دوسروں سے پوچھنا

پڑا؟ کیوں نہیں آپ نے وہ تصاویر معیز کے منہ پہ دے ماریں؟ کیا آپ بہت

قابل پولیس آفیسر نہیں تھے؟ کیا آپ کو کھرا اور کھوٹا الگ کرنا نہیں آتا تھا؟ کیا آپ آرزو کی خصلت کو نہیں

جانتے تھے؟ یا شائد آپ کی دلچسپی ایک بیمار، بے ہوش عورت

میں ختم ہو گئی تھی۔ شائد آپ کو میری خدمت سے دور بھاگنے کا ایک موقع چاہیے تھا۔ آپ آزاد ہونا چاہتے

تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ مجھے صفائی کا ایک موقع تو دیتے۔

ایک بار تو پوچھتے کہ کیا تم نے ایسا کیا ہے؟ مگر آپ خود بھی مجھ سے تھک گئے تھے۔ آپ نے ایک لمحے کے

لئے بھی نہیں سوچا ہمایوں کہ اگر میری جگہ آپ بیمار ہوتے اور میں

"آپ کے ساتھ یہی کرتی تو آپکی کیا حالت ہوتی؟

بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ تب ہی کھلے دروازے سے تیمور بھاگتا ہوا اندر آیا۔ شور سن کر وہ نیند سے جاگا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے پاس آیا اور اس کے گھٹنوں سے لپٹ گیا۔ مگر ہمایوں اور محمل اس کو نہیں دیکھ رہے تھے۔

محمل! مجھے معاف کر دو۔ میں رجوع کرنا چاہتا ہوں، میرے ساتھ چلو۔" ہمایوں نے اس کا ہاتھ تھامنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر محمل ایک دم پیچھے کو ہوئی۔

لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتی۔ ٹوٹے دھاگے کو دوبارہ جوڑا جائے تو اس میں ایک گرہ رہ جاتی ہے۔ ہمارے" درمیان بھی وہ گرہ رہ گئی ہے سو اس دھاگے کو ٹوٹا رہنے دیں۔"

محمل!" وہ بے یقین تھا۔ معافی کے لئے جڑے اس کے ہاتھ نیچے رہ گئے۔ محمل نے گہری سانس لی۔"

میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے ہمایوں! دل سے معاف کر دیا ہے۔ مگر اب رجوع کرنا میرے بس کی بات" نہیں ہے۔ آپ فرشتے سے شادی کر لیں۔ آپ ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔ درمیان میں، میں آ گئی تھی۔"

مگر محمل۔۔۔ تم۔۔۔" وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر آج وہ نہیں سن رہی تھی۔"

مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں رہی ہمایوں۔ میرا بیٹا میرے پاس ہے۔ فواد نے مجھے میرا حصہ بھی دلا دیا ہے۔ میں لوگوں کی محتاج نہیں رہی، آپ فرشتے سے شادی کر لیں۔ وہ آپکا انتظار کر رہی ہے۔"

اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا، ہمایوں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ فرشتے وہاں کھڑی رو رہی تھی۔ ہمایوں کو گردن موڑتے دیکھ کر، وہ منہ پہ ہاتھ رکھے باہر کو بھاگی۔

آپ اس کا اور امتحان نہ لیں۔ اس سے شادی کرلیں۔ میں اور تیمور ایک دوسرے کو بہت ہیں، ہمارا تیسرا اللہ ہے۔ اب ہمارا ساتھ ناممکن ہے۔"

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

میں نے تمہاری قدر نہیں کی، محمل!" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھا، اور شکستہ قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"دروازہ بند کر جائیے گا۔"

اس کے الفاظ پہ وہ ذرا دیر کو رکا، مگر پلٹا نہیں۔۔۔ اب شائد وہ پلٹنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا۔

بہت آہستہ سے وہ باہر نکلا اور کمرے کا دروازہ بند کیا۔

وہ محمل کی زندگی سے جا چکا تھا۔ دو آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹے اور گردن پہ لڑھک گئے۔

فرشتے کہتی تھی کہ اس نے سنا نہیں جب وہ برسوں پہلے اس ہسپتال میں "کچھ" بتانا چاہتی تھی۔ حالانکہ وہ منظر تو اسے آج بھی یاد تھا۔ وہ جو نرس کے پکارنے پہ اٹھی تھی، فرشتے کی ادھوری بات سن کر ہی اٹھی تھی۔ وہ ہمیشہ سے جانتی تھی کہ فرشتے ہمایوں کو پسند کرتی ہے۔ مگر جب فرشتے نے خود اپنے روّیے سے یقین دلایا تو وہ بھی بظاہر خود کو مطمئن

کرنے لگی کہ بھلا فرشتے ایسے جذبات کیوں رکھے گی، مگر دور اندر وہ ہمیشہ سے جانتی تھی۔ اگر آرزو کو درمیان میں نہ دیکھا ہوتا تو وہ کبھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتی کہ

ہمایوں کس سے شادی کر رہا ہے۔ ہاں، وہ جانتی تھی کہ فرشتے کیوں ان کی شادی کے بعد باہر چلی گئی تھی۔

وہ سب جانتی تھی۔ یہ بھی کہ وہ اب معذور ہو گئی ہے۔ ایک بے کشش عورت بن گئی ہے۔ ہمایوں نادم ہو کر پلٹا تو تھا، مگر تھا تو مرد ہی۔ کب تک اس سے بندھا رہتا؟ جو

کانوں کا اتنا کچا تھا کہ اس فون کال میں ایک انگوٹھی کا ذکر اس کی سمجھ میں آیا اور اس کی مسلسل "فواد بھائی" "فواد بھائی" کی تکرار میں "بھائی" کا لفظ سمجھ میں نہیں

آیا۔ وہ کب تک اس کا رہتا؟ ایک نہ ایک دن وہ پھر کسی دوسری عورت کی طرف چلا جاتا۔ تب بھی وہ اکیلی رہ جاتی مگر تب وہ شاید برداشت نہ کر پاتی۔ اس میں بار بار

ٹوٹنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ سو اس نے ٹوٹا ہوا برتن بننے کا سوچا۔ فرشتے نے اعتراف کیا تھا، معافی نہیں مانگی تھی۔ ہمایوں نے معافی مانگی تھی مگر اعتراف نہیں کیا تھا۔ اور

وہ دونوں سمجھتے تھے کہ وہ بری الذمہ ہو گئے ہیں۔ خیر!

تیمور! اس نے گود میں سر رکھے تیمور کے نرم بھورے بالوں کو پیار سے سہلایا۔"

ہوں؟" وہ کچی نیند میں تھا۔"

تم نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا تھا کہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر پہ اداس کیوں ہو جاتی ہوں، ہے"

"نا؟

جی ماما۔۔۔" وہ نیم غنودہ سا بولا"

پتا ہے میں کیوں اداس ہو جاتی ہوں؟" اس نے اپنے آنسو پونچے۔ "کیونکہ وہ بہت صبر کرنے والے تھے اور"

وہ اپنے والد کے بہت پیارے تھے۔" اسے بولتے ہوئے کچھ اور بھی یاد آرہا

تھا۔

مگر ان کے اپنے بھائیوں نے ان کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔" اس کی آنکھوں کے سامنے کچھ مناظر"

سے چل رہے تھے۔

پھر ان کو درہم کے عوض مصر میں بیچا گیا۔ ان پہ بہتان لگایا گیا۔ ان کو برسوں قید میں رکھا گیا۔ اور پھر ایک"

دن آیا جب وہ اسی مصر کے فنانس منسٹر بنے جس میں کبھی

ان کو بیچا گیا تھا۔ ان کو اپنا بچھڑا ہوا بھائی مل گیا۔ اور وہ جنھوں نے ان پہ تہمتیں لگائی تھیں۔ اور وہ جنھوں نے

ان کو انکے گھر سے بے دخل کیا تھا، وہ انکے پاس معافی مانگنے

آئے۔ مگر اس ہستی نے کچھ نہیں جتایا، کچھ نہیں گنوایا، سب کو معاف کر دیا۔ میں اس لئے اداس ہوتی ہوں تیمور

کہ میں صبر کہ اس مقام پر کبھی نہیں پہنچ سکی۔ کیا تم سن

رہے ہو؟" اس نے چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کیا۔ اور پھر جھک کر اس کے بالوں کو چوما۔

تیمور گہری نیند سو چکا تھا۔

****

ٹی وی لاونج کی مرکزی دیوار پہ بڑی سی پلازمہ اسکرین لگی تھی۔ اس پر ایک خوب صورت منظر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

روشنیوں سے منّور ایک بڑا سا ہال، ہزاروں لوگوں کا مجمع۔ اسٹیج پر بیٹھی نامور دینی شخصیات اور روسٹرم پہ کھڑا وہ شخص جو لیکچر دے رہا تھا۔

ٹی وی کے سامنے صوفے پہ بیٹھے ہمایوں داؤد نے ریموٹ اٹھا کر آواز اونچی کی۔ والیوم کے بڑھتے نقطے اسکرین پہ موجود شخص کے کوٹ پہ نمودار ہوئے تھے۔ ہمایوں نے ریموٹ رکھ دیا۔ اب وہ بنا پلک جھپکے، ساکت بیٹھا، اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

یہ فیصلہ آج نہیں ہوا تھا، بلکہ بیسویں صدی کے اوائل میں ہی ہو گیا تھا کہ قرآن صرف عربی کا قرآن ہے۔ اس کے تراجم قرآن نہیں ہیں۔“

وہ روشن چہرے والا شخص اپنے خوبصورت انگریزی لب و لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ چہرے پر نفاست سے تراشیدہ داڑھی تھی، اور سر پہ سفید جالی دار ٹوپی۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ کانچ سی بھوری، چمکتی ہوئی۔ اور مسکراہٹ بہت

دلفریب تھی۔ کچھ تھا اس کی محسور کن شخصیت میں کہ

ہزاروں لوگوں سے بھرے ہال میں سناٹا تھا۔ سب سانس روکے اس کی بات سن رہے تھے۔

آج کے دور کا مسلم جب قرآن کھولتا ہے تو کہتا ہے کہ اسے اس میں وہ اندازِ کلام نظر نہیں آرہا جس کے قصے" وہ بچپن سے سنتا آرہا ہے۔ وہ اندازِ کلام جسے سنتے ہی عرب کے

لوگ لاجواب ہو جاتے تھے، سجدے میں گر جاتے تھے۔ فوراً ایمان لے آتے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس قرآن کا لاکھ انکار کرنے کے باوجود ابو جہل بن ہشام جیسے لوگ بھی چھپ

چھپ کر اسے سننے آتے تھے؟ اور کیا وجہ ہے کہ ہمیں اس میں وہ بات نہیں نظر آتی جو ان عربوں کو نظر آتی تھی؟ ہمیں کیوں یہ صرف قصوں کا مجموعہ لگتا ہے جن کے درمیان

"چند نصیحتیں ہیں اور نماز روزے کے احکام؟

ہمایوں نے ریموٹ اٹھا کر دوبارہ آواز اونچی کی، اور پھر مضطرب انداز میں اسے واپس رکھ دیا۔

کیا آپ نے ڈاکٹر موریس بکائی کا واقعہ سنا ہے؟" اس نے لمحہ بھر کو توقف کیا اور پورے ہال پہ نگاہ دوڑائی۔"

سب دم سادھے اس کو سن رہے تھے۔

ڈاکٹر موریس بکائی ایک فرینچ ڈاکٹر تھے۔ وہ اپنے پاس آنے والے ہر مسلمان مریض سے کہتے تھے کہ قرآن" حق نہیں ہے بلکہ ایک من گھڑت کتاب ہے۔ مریض بے چارے آگے سے

خاموش ہو جاتے۔ پھر ایک دفعہ جب شاہ فیصل ان کے پاس زیرِ علاج تھے، انھوں نے یہی بات شاہ فیصل سے

کبھی تو انھوں نے پوچھا۔ "کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟" ڈاکٹر بکائی نے

کہا ہاں پڑھا ہے۔ شاہ فیصل نے پوچھا کیا پڑھا ہے تو انھوں نے بتایا قرآن کا ترجمہ پڑھا ہے۔ اس پر شاہ فیصل

"نے کہا" پھر تم نے قرآن نہیں پڑھا کیونکہ قرآن صرف عربی میں ہے۔

ڈاکٹر بکائی نے اس کے بعد دو سال لگا کر عربی سیکھی، اور پھر جب انھوں نے اصل قرآن پڑھا تو وہ فوراً مسلمان

ہو گئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگوں نے قرآن

نہیں پڑھا ہوتا۔ جو عربی ہم پڑھتے ہیں اس کا لیٹرل ورڈ مینگ ہمیں نہیں آتا ہوتا اور اس کا جو اردو ترجمہ ہم

پڑھتے ہیں وہ اللہ نے نہیں اتارا ہوتا۔ کسی حد تک یہ تراجم اثر

"کرتے ہیں لیکن اگر کوئی قرآن کا اصل جاننا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ عربی کا قرآن پڑھے۔

ہمایوں کے صوفے کے پیچھے جانے کب آہستہ سے فرشتے آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بنا پلک جھپکے اسکرین کو دیکھ

رہی تھی۔

اب اس کے دو طریقے ہیں، یا تو آپ پوری عربی سیکھیں، یا آپ صرف قرآن کی عربی سیکھیں۔ اور صرف"

قرآن کی عربی سیکھ کر بھی آپ بالکل درست طور پہ اصل قرآن سمجھ

"سکتے ہیں۔ اینی کوئسچن؟

اس نے رک کر ہال پہ نگاہ دوڑائی۔

اسٹیج کے سامنے نیچے لگے مائیک کے قریب کھڑی ایک پاکستانی لڑکی فوراً آگے بڑھی اور مائیک تھاما۔

"اسلام علیکم ڈاکٹر تیمور!"

وعلیکم السلام!" وہ سر کے خفیف اشارے سے جواب دیتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔"

سر مجھے آپکی بات سن کر یہ سب بہت مشکل لگ رہا ہے۔ عربی بہت مشکل زبان ہے اور پیچیدہ اور یہ ہماری"

"مادری زبان نہیں ہے۔ عام آدمی۔۔۔ اسے کیسے سیکھ سکتا ہے؟

وہ ذرا سا مسکرایا اور اپنا چہرہ مائیک کے قریب لایا۔

بالکل ایسے جیسے ہمارے ملک کے عام آدمی نے دنیا کے علوم حاصل کرنے کے لئے انگریزی سیکھی ہے۔ وہ"

"بھی ہماری زبان نہیں ہے مگر ہمیں آتی ہے۔ کیا نہیں آتی؟

لڑکی نے لاجواب ہو کر ایک گہری سانس بھری۔ پیچھے پورے ہال میں ایک تبسم بکھر گیا۔

میرا ایک کوئسچن ہے سر!" ایک نو عمر لمبا سا لڑکا مائیک پہ آیا۔" میں نے آپکے پچھلے لیکچر سے متاثر ہو کر"

قرآن سیکھنا شروع کیا تھا مگر قرآن پڑھتے اب مجھ

پر پہلی والی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ دل میں گداز نہیں پیدا ہوتا، میں قرآن پڑھتا ہوں تو میرا ذہن بھٹک رہا

"ہوتا ہے۔

"تیمور نے مائیک قریب کیا، پھر بغور اس لڑکے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہیں آپ جھوٹ تو نہیں بولتے؟

جی؟" وہ بھونچکارہ گیا۔"

ایک بات یاد رکھئے گا، قرآن صرف صادق اور امین کے دل میں اترتا ہے۔ میں نے اس کتاب کے بڑے بڑے علماء کو دیکھا ہے جو امانت کی راہ سے ذرا سے پھسلے، اور پھر ان سے قرآن کی حلاوت چھین لی گئی، اور پھر کبھی وہ اس کتاب کو ہاتھ نہ لگا سکے۔"

ہمایوں کی کانچ سی بھوری آنکھوں میں ایک کرب ابھرا تھا۔ اس کے صوفے کی پشت پہ ہاتھ رکھے فرشتے ساکت کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے دیوار میں شیلف بنا تھا۔ ایک طرف میز تھی۔ میز پہ تازہ تہہ کی ہوئی جائے نماز بھی ابھی رکھی گئی تھی۔

ساتھ شیلف کے سب سے اوپر والے خانے میں احتیاط سے غلاف میں لپٹی ایک کتاب رکھی تھی۔ اس کا غلاف بہت خوبصورت تھا۔ سرخ ویلوٹ کے اوپر سلور ستارے مگر گزرتے وقت نے غلاف کے اوپر گرد کی ایک تہہ جما دی تھی۔

اور وہ شیلف اتنا اونچا تھا کہ اس تک اسٹول پہ چڑھے بغیر ہاتھ نہیں جاتا تھا۔

جس شخص میں صداقت اور امانت ہوتی ہے اور وہ واقعی قرآن حاصل کرنا چاہتا ہے تو قرآن اس کو دے دیا جاتا ہے۔" اسکرین پہ وہ روشن چہرے والا شخص کہہ رہا تھا۔

"ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے کے عرب معاشرے کے بارے میں عمومی تاثر یہ رکھتے ہیں کہ وہ بہت جاہل، گنوار لوگ تھے اور بیٹیوں کو زندہ دبانے

والے وحشی تھے، لیکن ان لوگوں میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ وہ مہمان نواز تھے، عہد کی پاسداری کرتے
تھے۔ جہاں تک بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا تعلق ہے تو یہ
کام عرب کے کچھ قبائل کرتے تھے اور اس وقت بھی انسانی حقوق کی تنظیمیں تھیں جو فدیہ دے کر ان بچیوں کو
چھڑاتی تھیں۔ اور رہی بات صداقت کی تو عرب معاشرے میں
جھوٹ بولنا انتہائی قبیح عمل سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس شخص پہ حیران ہوتے تھے جو جھوٹ بولتا ہو، اسی لئے ان
لوگوں کو قرآن دیا گیا تھا۔ اور اسی لئے ہم اس کی سمجھ
سے محروم کر دئے گئے ہیں کیونکہ نہ تو ہم سچ بولتے ہیں، اور نہ امانت کا خیال رکھتے ہیں، بھلے وہ کسی ذمہ داری کی
امانت ہو، کسی کی عزت کی یا کسی کے راز کی۔"
محمل مسکرا کر ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔
وہ سیمینار ملائیشیا سے لائیو آرہا تھا۔ سیمینار ختم ہوتے ہی تیمور نے فلائیٹ لینی تھی اور وہ جانتی تھی کہ رات کے
کھانے پہ وہ انکے ساتھ ہو گا۔ ابھی اس نے تیمور کے لئے
اسپیشل ڈش کی تیاری بھی شروع کرنا تھی سو وہ پروگرام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
تیمور کے لئے کھانا وہ ہمیشہ اپنے ہاتھوں سے خود تیار کرتی تھی۔ ایک ایک سبزی خود کاٹتی تھی ہاں آغا جان کا
پرہیزی کھانا ملازمہ بنا لیتی تھی۔
وہ سیڑھیوں کے ایک طرف سے نکلتی ہوئی آغا جان کے کمرے کے دروازے کے باہر رکی اور اسے ہولے سے

کھٹکھٹا کر کھولا۔

"آغا جان! آپ نے ناشتہ کر لیا؟"

وہ بیڈ پہ لیٹے تھے۔ ان کے ہونٹ فالج کے باعث ذرا ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ اس کی آہٹ سن کر انھوں نے

آنکھیں کھولیں اور پھر مسکرانے کی کوشش کی۔ جب سے وہ اپنی اولاد

پہ بوجھ بنے تھے، محمل انھیں اپنے پاس لے آئی تھی۔

"تیمور کہہ رہا تھا، وہ رات تک پہنچ جائے گا۔"

وہ آگے بڑھی اور کھڑے کھڑے انکا ہاتھ نرمی سے تھامے بتانے لگی۔

"میں رات کو کچھ اسپیشل بنانے کا سوچ رہی ہوں۔ کتنے دنوں بعد ہم تینوں اکٹھے کھانا کھائیں گے، ہے نا؟"

آغا جان نے پھر مسکرانے کی سعی کی، اس کوشش میں ان کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر گرے۔

"آپ فکر مت کیا کریں، میں ہوں نہ آپکے پاس۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی آپکو بھی دے گا۔" اس نے نرمی سے ان کے آنسو صاف کئے۔ "اچھا، مجھے مسجد میں ایک

لیکچر دینا ہے، بس گھنٹھ لگے گا، میں ابھی چلتی ہوں، جلدی آنے کی کوشش کرونگی، پھر ڈنر کی تیاری بھی کرنی

ہو گی۔" وہ گھڑی دیکھتی جانے کے لئے مڑی۔

آغا جان اب سسک سسک کر رو رہے تھے۔

باہر آ کر وہ سیڑھیوں کے پاس لگے آئینے کے سامنے رکی۔ سامنے کیل پہ اس کی پونی ٹنگی تھی۔ اس نے پونی

اٹھائی اور لمبے بال سمیٹ کر اونچی پونی میں جکڑے، پھر ایک نظر

آئینے میں خود کو دیکھا اور مسکرا دی۔

وہ آج بھی اتنی ہی صبیح، ترو تازہ اور خوبصورت تھی جتنی برسوں پہلے ہوا کرتی تھی۔ وہ اونچی پونی آج بھی اس پہ

اتنی ہی خوبصورت لگ رہی تھی جتنی پہلے لگتی تھی۔ اور

آج بھی ہر صبح وہ وہیں جاتی تھی جہاں پہلے جایا کرتی تھی۔

اس نے ٹی وی بند کیا (تیمور کا پروگرام ختم ہو چکا تھا) اور میز سے اپنا بیگ اور سفید جلد والا قرآن اٹھائے

"آغا ہاؤس" سے باہر نکل آئی۔

****

وہ مسجد جانے سے قبل پندرہ منٹ کے لئے بس اسٹاپ ضرور جایا کرتی تھی۔ اسے کئی برسوں سے اس سیاہ فام

لڑکی کی تلاش تھی جس نے اس تک قرآن پہنچایا تھا۔ وہ ایک

دفعہ اس سے مل کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔

سنہری سی صبح اتری ہوئی تھی۔ دور کہیں پرندے بول رہے تھے، وہ دھیمی رفتار سے چلتی، سفید جلد والا قرآن

سینے سے لگائے بینچ پہ آ بیٹھی۔ ہر صبح کی طرح آج بھی وہ اسی

موہوم۔۔۔امید پہ ادھر آئی تھی کہ شائد وہ لڑکی آجائے۔

رات خوب بارش ہوئی تھی۔ سرمئی سڑک ابھی تک گیلی تھی۔ وہ سر جھکائے اداس سی بیٹھی سڑک پہ چلتی

چیونٹیاں دیکھ رہی تھی۔ پندرہ منٹ ختم ہونے کو آئے تھے، مگر وہ

لڑکی کہیں بھی نہیں تھی۔ مایوس ہو کر محمل نے جانے کے لئے بیگ اٹھایا۔ تب ہی اسے سڑک پر قدموں کی

چاپ سنائی دی۔ اس نے بے اختیار سر اٹھایا۔ ایک لڑکی دور سے

چلی آرہی تھی۔

کندھے پہ کالج بیگ، ہاتھ میں موبائل، شولڈر کٹ بال کیچر میں جکڑے ہوئے، جینز پہ کرتا پہنے، چیونگم چباتی،

قدرے جھنجلائی ہوئی سی، وہ دھپ سے آکر اس کے ساتھ بینچ

پہ بیٹھی۔

محمل یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ لڑکی روز اس وقت ادھر آتی تھی، مگر آج سے پہلے وہ اسے دیکھ کر اتنی

چونکی نہیں تھی۔ اب وہ پاؤں جھلاتی ہوئی اکتا کر موبائل

کے بٹن پریس کر رہی تھی۔

پتا نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو؟" زیرِ لب غصے سے بڑبڑا کر اس نے ایک بٹن زور سے دبایا اور موبائل بیگ میں"

پھینکا۔

وہ ابھی تک یونہی اس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ بہت دھیرے سے اسے کچھ یاد آیا۔ وہ لڑکی اِدھر اُدھر گردن

گھماتی تنقیدی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔ دفعتاً محمل کی نگاہوں
کا ارتکاز محسوس کر کے وہ چونکی۔

محمل نے ذرا سنبھل کر نگاہیں جھکا لیں۔ نیچے اس لڑکی کا بیگ پڑا تھا، جس پہ جگہ جگہ چاک سے اس کا نام لکھا تھا۔

"عشاء حیدر"

وہ زیرِ لب مسکرا دی۔ بہت کچھ یاد آ گیا تھا۔

ایکسیکیوز می!" اس نے چیونگم چبانا روک کر ایک دم محمل کو مخاطب کیا۔ محمل نے نرمی سے نگاہیں اٹھائیں۔"

"جی؟"

میں روز آپ کو دیکھتی ہوں اور۔۔۔" اس نے محمل کی گود میں بیگ کے اوپر رکھے سفید کور والے قرآن کی
طرف اشارہ کیا۔ اور آپ کی اس بک کو بھی۔ آپ اتنی کیئر سے اسے
"رکھتی ہیں، اس میں کیا کچھ خاص ہے؟

محمل نے سر جھکا کر سفید قرآن کو دیکھا، جس کی صاف جلد اب خستہ ہو گئی تھی اور جھلکتے صفحے زرد پڑ گئے تھے۔ وہ
دیکھنے سے کوئی بہت قدیم کتاب لگتی تھی۔

خاص تو ہے۔" اس نے مسکرا کر سر اٹھایا۔"

اچھا، واٹس سو اسپیشل؟" وہ متجسس ہوئی۔"

اس میں کسی عشاء حیدر کا ذکر ہے، اس کی زندگی کی کہانی ہے اور اس کے لئے کچھ میسجز ہیں۔ اس لئے اسپیشل تو

"ہے۔

وہ لڑکی یک ٹک منہ کھولے اسے دیکھے گئی۔

کون۔۔۔کون عشاء حیدر؟" بہت دیر بعد بمشکل وہ بول پائی تھی۔"

ہے ایک اس زمین پہ بسنے والی لڑکی جس کو لوگوں کی باتیں غمگین کرتی ہیں، جس کے کہنے سے قبل کوئی اس"
کے دل کی بات نہیں سمجھتا اور جس کو زندگی سے اپنا حصہ

"وصول کرنا ہے۔

اسی لمحے بس نے ہارن بجایا۔ محمل نے بات روک کر دور سے آتی بس کو دیکھا۔

میں چلتی ہوں، تمہاری بس آ گئی ہے۔" وہ سفید جلد والی کتاب اور بیگ اٹھائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ لڑکی ابھی"
تک ششدر سی بیٹھی تھی۔

بس قریب آ رہی تھی۔۔۔

محمل چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بینچ سے دور جانے لگی۔

سنیں۔۔۔بات سنیں، ایک منٹ رکیں۔" یک دم وہ بے چینی سے اٹھی اور تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔"

****

ختم شد